2
0M1
43

مُکمّل

لغات القرآن

مع فہرست الفاظ

جلد سوم

تالیف

مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی

ندوۃ المصنّفین دہلی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سلسلۂ ندوۃ المصنفین (۲۸)

مکمل

لغات القرآن

مع فہرست الفاظ

جلد سوم

تالیف

مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی

رفیق ندوۃ المصنفین

باہتمام منیجر ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سلسلۂ مطبوعات سنہ ۱۹۴۶ء

بار سوم ایک ہزار　　طباعت جون سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ

(الجمعیۃ پریس دہلی)

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
باب الدال المهملة	۵	فصل الباء الموحدة	۳۱	فصل الزاء المعجمة	۸۱
فصل الالف	″	فصل الراء المهملة	″	فصل السين المهملة	۸۲
فصل الباء الموحدة	۹	فصل القاف	۳۳	فصل الشين المعجمة	۸۶
فصل الحاء المهملة	″	فصل الكاف	″	فصل الصاد المهملة	۸۷
فصل الخاء المعجمة	″	فصل اللام	۳۶	فصل الضاد المعجمة	″
فصل الراء المهملة	۱۰	فصل الميم	″	فصل الطاء المهملة	۸۸
فصل السين المهملة	۱۱	فصل النون	″	فصل العين المهملة	۸۹
فصل العين المهملة	۱۱	فصل الواو	۳۷	فصل الغين المعجمة	″
فصل الفاء	۱۴	فصل الهاء	۳۸	فصل الفاء	۹۰
فصل الكاف	″	فصل الياء المثناة	۳۹	فصل القاف	۹۴
فصل اللام	″	باب الراء المهملة	″	فصل الكاف	۹۹
فصل الميم	۱۵	فصل الالف	″	فصل الميم	۱۰۰
فصل النون	۱۶	فصل الباء الموحدة	۴۷	فصل الواو	۱۰۱
فصل الواو	۱۷	فصل التاء المثناة	۵۸	فصل الهاء	۱۱۹
فصل الهاء	۱۸	فصل الجيم المعجمة	″	فصل الياء المثناة	۱۲۳
فصل الياء المثناة		فصل الحاء المهملة	۶۳	باب الزاء المعجمة	۱۳۰
باب الذال المعجمة	۲۰	فصل الخاء المعجمة	۶۹	فصل الالف	″
فصل الالف	″	فصل الدال المهملة	″	فصل الباء الموحدة	۱۳۱

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فصل الجيم الموحدة	۱۳۳	فصل التاء المثناة	۱۸۲	فصل الالف	۲۶۳
فصل الحاء المهملة	″	فصل الجيم المعجمة	۱۸۳	فصل الباء الموحدة	۲۶۶
فصل الخاء المعجمة	۱۳۴	فصل الحاء المهملة	۱۹۰	فصل التاء المثناة	۲۶۷
فصل الدال المهملة	″	فصل الخاء المعجمة	۱۹۷	فصل الجيم المعجمة	″
فصل الراء المهملة	۱۳۵	فصل الدال المهملة	۱۹۹	فصل الحاء المهملة	″
فصل العين المهملة	۱۳۶	فصل الراء المهملة	۲۰۲	فصل الدال المهملة	″
فصل الفاء	۱۳۷	فصل الطاء المهملة	۲۰۷	فصل الراء المهملة	۲۶۸
فصل القاف	″	فصل العين المهملة	″	فصل الطاء المهملة	۲۷۸
فصل الكاف	۱۳۸	فصل الفاء	۲۰۹	فصل العين المهملة	″
فصل اللام	۱۴۱	فصل القاف	۲۱۳	فصل الغين المعجمة	۲۸۶
فصل الميم	۱۴۲	فصل الكاف	۲۱۸	فصل الفاء	۲۸۷
فصل النون	″	فصل اللام	۲۲۳	فصل القاف	۲۹۳
فصل الواؤ	۱۴۵	فصل الميم	۲۳۱	فصل الكاف	۲۹۴
فصل الهاء	۱۴۷	فصل النون	۲۳۸	فصل الميم	۲۹۷
فصل الياء المثناة	″	فصل الواؤ	۲۴۳	فصل النون	″
باب السين المهملة	۱۵۵	فصل الهاء	۲۵۷	فصل الواؤ	″
فصل الالف	۱۵۶	فصل الياء المثناة	″	فصل الهاء	۲۹۸
فصل الباء الموحدة	۱۶۹	باب الشين المعجمة	۲۶۳	فصل الياء المثناة	۳۰۳

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بَابُ الدال المہملۃ

فصل الالف

دَأب: حال، عادت، رسم، دستور، اس عادت مستمرہ کا نام کہ جو ہمیشہ ایک حالت پر رہے دأب ہے یہ اصل میں دأب یدأب کا مصدر ہی جس کے معنی لگاتار کسی کام میں لگنے اور مشقت برداشت کرنے کے ہیں، اور اسی سبب سے اس کا استعمال عادت اور طریقہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ پ ۳/۱۰ پ ۱۰/۳ پ ۱۴/۹

دَأَبًا: یہ بھی دَأَبَ یدأَبُ کا مصدر ہی اور اس کے بھی وہی معنی ہیں۔ پ ۱۲/۱۶

دَابِرَ: جڑ، بیخ، بنیاد، پچھاڑی، پیچھا، دُبُورٌ سے جس کے معنی پشت پھیرنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، ہر ایک چیز کے آخر اور تابع کے معنی میں مستعمل ہی، راغب نے لکھا ہی کہ متاخر اور تابع کو "دابر" کہا جاتا ہے، خواہ باعتبار مکان ہو یا باعتبار زمان یا باعتبار مرتبہ پ ۱۱ پ ۸/۱۶ پ ۹/۱۵ پ ۱۴/۵

دَآبَّۃٍ: جانور، چلنے والا، پاؤں دھرنے والا۔ رینگنے والا دابٌ اور دوابٌ ہی، جس کے معنی رینگنے اور پاؤں چلنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس میں تا وحدت کی ہے۔ دواب جمع۔ اگرچہ عرف میں یہ لفظ گھوڑے کے لیے مخصوص ہی مگر سب جانوروں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور قرآن مجید میں جو "دابّۃ" کا لفظ آیا ہی تو اس میں ہر ایک حیوان داخل ہی۔ آیت شریفہ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (اور جس وقت ان پر بات آن پڑیگی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالینگے وہ ان سے باتیں کریگا، کیونکہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے) میں "دآبّۃ" سے ایک خاص جانور مراد ہے، قیامت سے پہلے کوہ صفا جو مکہ میں واقع ہی دفعتًا شق ہوگا اور اس سے ایک جانور نکلیگا جو لوگوں سے باتیں کریگا کہ اب قیامت نزدیک ہی اور نشان لگا کر سچے ایمانداروں

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور چھپے منکروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیگا

یہ مضمون احادیث صحیحہ میں وارد ہے پ ۲/۴ پ ۷/۱۰

پ ۱۲/۱۲ و ۵ پ ۱۴/۱۲ و ۱۲ پ ۱۸/۱۲ پ ۲۰/۲ پ ۲۱/۲ و ۱۰ پ ۲۲/۸ و ۱۷ پ ۲۵/۱۷ و ۴

دَاحِضَۃٌ: باطل، گرنے والی، ڈھینے والی دَحضٌ سے جس کے معنی پھسلنے، ٹھوکر کھانے، اور ڈگمگانے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث پ ۲۵/۳

دَاخِرُوْنَ: ذلیل ہونے والے، عاجزی کرنیوالے دَخْرٌ سے جس کے معنی ذلیل و خوار ہونے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع دَاخِرٌ واحد پ ۱۴/۱۲ پ ۲۴/۲

دَاخِرِیْنَ: ذلیل، خوار۔ دَاخِرٌ کی جمع بحالت نصب و جر۔ پ ۲۰/۳ پ ۲۴/۱۱

دَاخِلُوْنَ: داخل ہونے والے، دُخُوْلٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع دَاخِلٌ واحد (ملاحظہ ہو دُخُوْلٌ) پ ۶/۸

دَاخِلِیْنَ: داخل ہونے والے، دُخُوْلٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالتِ نصب و جر۔ پ ۱۳/۳

دَارٌ: گھر۔ دِیَارٌ جمع۔ یہ لفظ مونث ہے اور کبھی مذکر ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ گھر، شہر، دنیا سب کے لیے دار کا استعمال ہوتا ہے پ ۱/۱۱ پ ۲/۱۰ پ ۳/۳، ۲ پ ۹/۷، ۱۱

پ ۸/۱۱ پ ۱۳/۶، ۹، ۱۲ و ۱۷ پ ۱۴/۱۰ پ ۲۰/۷، ۱۱ و ۱۳ پ ۲۱/۳، ۲۰ پ ۲۲/۱۶

پ ۲۳/۱۳ پ ۲۴/۱۰، ۱۱ و ۱۸ پ ۲۸/۳۔

دَارِکُمْ: تمہارا گھر دَارِ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ۔ پ ۱۲/۴

دَارِہٖ: اس کا گھر دارِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ پ ۲۰/۱۱

دَارِھِمْ: ان کا گھر دَارِ مضاف ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۸/۱۷ پ ۹/۱ پ ۱۳/۱۰ پ ۲۰/۱۶

دَاعِ: بلانے والا، پکارنے والا، دعا کرنے والا دُعَاءٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر بحالت رفع و جر (ملاحظہ ہو دُعَاءٌ) پ ۲/۷ پ ۲۷/۸

دَاعِیَ: بلانے والا، پکارنے والا، دُعَاءٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر بحالت نصب پ ۱۶/۱۵ پ ۲۶/۴

دَاعِیًا پ ۲۲/۳

دَافِعٌ: رفع کرنے والا، ٹالنے والا، ہٹانے والا۔ دَفْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو دَفْعٌ) پ ۲۷/۳ پ ۲۹/۷

دَافِقٍ: اچھلنے والا، دَفْقٌ سے جس کے معنی اچھل کر بہنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۳۰/۱۱

دَامَتْ: وہ ٹھہری رہی (نَصَرَ، ضَرَبَ) دَوَامٌ جس کے معنی ٹھہرے رہنے اور ایک حالت پر برقرار

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رہنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب مَادَامَت (جب تک رہے) افعال ناقصہ میں سے ہے پ ۱۲/۹

دَامُوْا: وہ ٹھہرے رہے، دَوَام سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب مَادَامُوْا (جب تک وہ رہیں) افعال ناقصہ میں سے ہے پ ۶

دَانٍ: جھکنے والا، نزدیک۔ دُنُوٌّ سے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں خواہ قرب ذاتی ہو یا قرب حکمی، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے ۲۷/۱۲

دَانِیَۃٌ: نزدیک، جھکنے والی، لٹکنے والی، دُنُوٌّ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث ہے ۲۹/۱۸

دَاوٗد: داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام مشہور اور جلیل القدر رسول ہیں جن پر "زبور" نازل ہوئی تھی، داؤد عجمی نام ہے اور علمیت وعجمہ کی بنا پر غیر منصرف ہے آپ ذریت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں اور آپ کا شمار انبیاء بنی اسرائیل میں ہے، حق تعالیٰ نے آپ کو دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا کہ نبی و رسول بھی تھے اور بادشاہ صاحب تاج و سریر بھی، اسی لیے قرآن مجید میں آپ کو خلیفہ کہا گیا ہے، اور یہ لقب ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں بجز آپ کے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کسی کو قرآن نے اس لقب سے یاد نہیں کیا، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا داؤد علیہ السلام پر قرأت اس قدر آسان کر دی گئی تھی کہ آپ اپنی سواریوں کو زین کسنے کا حکم دیتے اور سواریوں کے کسے جانے سے پہلے پڑھ کر فارغ ہو چکتے تھے اور اپنے ہاتھ کے کسب سے کھاتے تھے۔[1] قرأت سے مراد اس حدیث میں زبور کی تلاوت ہے اتنی جلدی زبور کا تمام کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور باوجودیکہ بادشاہ تھے مگر اپنے کسب و محنت سے کھاتے تھے، نیز صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہایت پیارا روزہ اللہ کے نزدیک داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے، اور نہایت پیاری نماز اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے کہ آدھی رات تک تو وہ سوتے تھے اور تہائی رات تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور جب چھٹا حصہ رات کا باقی رہتا تھا تو پھر سو رہتے تھے[2]

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ وآتینا داؤد زَبُوْرًا۔

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء، باب احب الصلوٰۃ الی اللہ صلوٰۃ داؤد۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو موسیٰ تجھ کو داؤد علیہ السلام کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے[1]۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت خوش آواز تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات سفر میں ان کو قرآن پڑھتے سنا۔ دوسرے روز یہ حدیث بیان فرمائی یعنی تیری آواز ایسی دلکش ہے گویا تیرا گلا بانسری ہے اور تیری آواز میں لحن داؤدی کا اثر ہے۔

واضح رہے کہ توراۃ اور اسرائیلی روایات میں حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کی بیوی کا جو افسانہ مذکور ہے اور جس کو غلطی سے بعض غیر محتاط مفسرین نے بھی سورہ ص کی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں نقل کر ڈالا ہے، محض کذب و افترا ہے علامہ داؤدی نے صاف طور پر تصریح کی ہے۔

لیس فی قصۃ داؤد و — داؤد اور اوریا کے قصہ میں
اوریا خبر یثبت[2] — کوئی روایت ثابت نہیں۔

اور قاضی عیاض فرماتے ہیں:۔

اما قصۃ داؤد علیہ — لیکن داؤد علیہ السلام کا قصہ سو
السلام فلا یجب ان — ضروری نہیں کہ جو کچھ اخباریوں نے
یلتفت الی ما سطرہ — اہل کتاب سے جنہوں نے تبدیل
الاخباریون عن اہل — اور تحریف کر ڈالی ہے تحریر کیا ہے
الکتاب الذین بدلوا — اور بعض مفسرین نے اس کو نقل
وغیروا و نقلہ بعض — کر ڈالا ہے۔ اس کی طرف التفات
المفسرین ولم ینص — کیا جائے حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ نے
اللہ علی شیء من — اس بارے میں کچھ بتایا ہے اور
ذلک ولا ورد فی — نہ صحیح حدیث میں کچھ آیا ہے
حدیث صحیح[3]

حضرت داؤد علیہ السلام کی پیغمبرانہ سیرت اور فضائل وخصائص کا مفصل تذکرہ قرآن مجید میں جا بجا اپنے موقع پر تفصیل سے مذکور ہے۔

پ ۲/۱۷ پ ۶/۳ و ۱۵ پ ۷/۱۶ پ ۱۵/۶ پ ۱۷/۶ پ ۱۹/۱۷ پ ۲۲/۸ پ ۲۳/۱۱ و ۱۲

دَآئِبَیْنِ: پھرنے والے، ایک دستور پر چلنے والے دَأَبٌ اور دُؤُوبٌ سے اسم فاعل کا صیغہ تثنیہ مذکر، (ملاحظہ ہو دَأْبٌ) پ ۱۳/۱۷

دَآئِرَۃٌ: گردش، مصیبت، دَوْرٌ سے جس کے معنی پھرنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث۔ "دائرہ" خطِ محیط کو کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کا استعمال گردش، مصیبت اور چکر کے متعلق ہوتا ہے۔ پ ۶/۱۲ پ ۱۱/۱ پ ۲۶/۹

۱؎ مشکوٰۃ باب جامع المناقب ۲و۳؎ الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ ص ۲۸۸ طبع صدیقی بریلی ۱۲۸۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

دَائِمٌ: ہمیشہ، جاوید، دَوَامٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو دَامَت) پ۳ ع۱۱

دَائِمُوْنَ: قائم، ہمیشہ رہنے والے۔ دَائِم کی جمع دَوَامٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر۔ پ۲۹

فصل الباء الموحدة

دُبُرٌ: پشت، پیٹھ، پیچھا، پاخانہ کا مقام اَدْبَارٌ جمع۔ پ۱۳ ع۱۳ پ۲۷ ع۱۰

دُبُرَهٗ: اس کی پیٹھ، اس کی پشت، دُبُرَ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ پ۹ ع۱۶

فصل الحاء المهملة

دُحُوْرًا: بھگانا، ہانکنا، دھتکارنا، دور کرنا دَحَرَ یَدْحَرُ کا مصدر ہے پ۲۳ ع۵

دَحٰهَا: اس کو ہموار کیا، اس کو بچھایا (نَصَرَ) دحی دَحْوٌ سے جس کے معنی بچھانے اور ہموار کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ھا ضمیر واحد مؤنث غائب پ۳۰ ع۴

فصل الخاء المعجمة

دُخَانٌ: دھواں، اَدْخِنَةٌ جمع، آیہ شریفہ

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (سو تو راہ دیکھ اس دن کی کہ آسمان کھلم کھلا دھواں لائیگا) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دھواں عہد نبوی میں ظاہر ہو چکا ہے[1] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ ابھی وہ دھواں ظاہر نہیں ہوا بلکہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے قول اول کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمٰن[2] میں رقمطراز ہیں:

"مترجم گوید ایں وعدہ متحقق شد خدائے تعالیٰ در قریش قحط انداخت تا آنکہ شدت جوع یا از کثرت ابخرہ جو دودے محسوس شد ایشاں بخدائے تعالیٰ رجوع کردند خدائے تعالیٰ قحط را دور فرمود باز بر کفر اصرار کردند خدائے تعالیٰ روز بدر از ایشاں انتقام کشید کہ ہفتاد کس را از رؤسائے ایشاں کشت و ہفتاد کس را اسیر ساخت۔ واللہ اعلم۔

اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب نے دوسرے قول کو لیا ہے، چنانچہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۲ تفسیر "حم الدخان" [2] فتح الرحمٰن۔ ص ۲۵۹ طبع فاروقی دہلی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دھوئیں کا مذکور ہے کہ اس وقت سمجھنا کام نہیں آتا۔ قیامت میں یہ دھواں گھیر لیگا، نیک آدمی کو زکام سا ہوگا اور بد کو سر میں چڑھیگا بیہوش ہو کر گر پڑیگا۔

ب ۲۴/۱۶ ب ۲۵/۱۴

دَخَلَ: وہ اندر آیا، وہ داخل ہوا۔ دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو دُخُلٌ۔

ب ۳/۱۲ ب ۱۲/۱۵ ب ۱۵/۱۷ ب ۲۰/۵ ب ۲۹/۱۰

دَخَلًا: بہانہ، دغا، فساد، دراندازی۔ دَخَلَ یَدْخُلُ کا مصدر ہے، اصل میں اس ملاوٹ کو جو فساد کے لیے ہو دَخَلٌ کہتے ہیں، اسی لیے قتادہ نے اس کی تفسیر خیانت سے کی ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کیا ہے[۱]۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں کل شیٔ لم یصح فهو داخل[۲] (جو چیز درست نہ ہو وہ دخل ہے) ب ۱۳/۱۹

دَخَلَتْ: وہ داخل ہوئی، دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب ب ۸/۱۱

دَخَلْتَ: تو داخل ہوا۔ دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ب ۵/۱

دُخِلَتْ: وہ داخل کی گئی، وہ آگھسی دُخُولٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب ب ۲۱/۱۸

دَخَلْتُمْ: تم داخل ہوئے، تم نے صحبت کی۔ دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر دُخُولٌ سے کبھی جماع کا کنایہ بھی ہوتا ہے، ب ۴/۱۵ ب ۱۸/۱۴

دَخَلْتُمُوْهُ: تم اس میں گھس پڑے۔ تم اس میں داخل ہوگئے، اس میں واو اشباع کا ہے اور ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، ب ۶/۸

دَخَلُوا: وہ داخل ہوئے، وہ چلے آئے، دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ب ۶/۱۲ ب ۱۳ / ۲ و ۳ و ۴ و ۵

ب ۱۴/۴ ب ۱۹/۱۸ ب ۲۳/۱۱ ب ۲۶/۱۹

دَخَلُوْهُ: وہ اس میں داخل ہوئے، وہ اس میں گھسے، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے ب ۱۵/۱

دَخَلَهٗ: وہ اس میں داخل ہوا، وہ اس کے اندر آیا، دَخَلَ دُخُولٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ب ۴/۱

فصل الراء المهملة

دِرَاسَتِهِمْ: ان کا پڑھنا پڑھانا، ان کی تلاوت دِرَاسَۃٌ دَرَسَ یَدْرُسُ کا مصدر ہے۔ جس کے معنی پڑھنے پڑھانے کے ہیں مضاف ہے ہِمْ ضمیر جمع مذکر

[۱] فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۲
[۲] صحیح بخاری تفسیر سورہ نحل۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

غائب مضاف الیہ ث

دَرَاهِمَ: پاؤلیاں۔ دِرْهَمٌ کی جمع۔ شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں درہم قریب ہی پاؤلی کے۔ پ ۱۲/۱۲

دَرَجٰتٌ: درجے، دَرَجَۃٌ کی جمع پ ۳/۱ پ ۴/۸ پ ۵/۱۰ پ ۷/۱۶ ث ۲،۳،۴ پ ۹/۱۵ پ ۱۳/۳ پ ۱۵/۲ پ ۱۶/۱۲ پ ۲۴/۶ پ ۲۵/۶ پ ۲۶/۲ پ ۲۸/۲

دَرَجَۃٌ: درجہ، مرتبہ، بلندی کے اعتبار سے جو مرتبہ ہوتا ہے اُس کو درجہ بولتے ہیں پ ۲/۱۲ پ ۵/۲ پ ۱/۶ پ ۷/۱۷

دَرَسْتَ: تو نے پڑھا، دَرْسٌ اور دِرَاسَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ث ۱۹

دَرَسُوْا: انہوں نے پڑھا۔ دَرْسٌ اور دِرَاسَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۹/۱۱

دَرْكِ: طبقہ، درجہ، اصل میں "درک" مثل درجہ کے ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اونچے طبقہ کے لیے دَرَجَۃٌ اور نیچے طبقہ کے لیے دَرْكٌ بولا جاتا ہے نیز سمندر کے انتہائی قعر کو بھی دَرْكٌ کہتے ہیں، دَرَكَاتٌ جمع پ ۵/۱۸

دَرَكًا: پالینا، آپکڑنا۔ دَرَكٌ کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے ایک تو اس رسی کے لیے جس کے ساتھ دوسری رسی اس غرض سے ملادی جاتی ہے کہ وہ پانی تک پہنچ جائے، دوسرے انسان کو جو کچھ خرابی کا نتیجہ پہنچے اس کو دَرَكٌ کہتے ہیں، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں پ ۱۶/۱۳

دُرِّیٌّ: درخشندہ، چمکتا ہوا، اس میں ی نسبت کی ہے، دُرٌّ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی موتی کے ہیں یعنی موتی کی طرح چمکدار پ ۱۸/۱۱

فصل السین المہملۃ

دُسُرٍ: کیلیں، میخیں۔ دِسَارٌ کی جمع، پ ۲۷/۸

دَسّٰهَا: اس کو خاک میں ملایا، اس کو گاڑ دیا دَسّٰی تَدْسِیَۃٌ سے جس کے معنی چھپانے اور گمنام کرنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ھا ضمیر واحد مونث غائب پ ۳۰/۱۶

فصل العین المہملۃ

دَعْ: تو چھوڑ دے، وَدْعٌ سے جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر پ ۲۲/۳

دَعًّا: دھکیلنا، دھکے دینا۔ دَعَّ یَدُعُّ کا مصدر ہے پ ۲۷/۳

دُعَآءِ: پکار، دعا، بلانا، پکارنا، مانگنا، سوال کرنا

دَعَا یَدۡعُوۡا کا مصدر ہے۔ دعا اور ندا ہم معنی ہیں۔ مگر
ندا کبھی بغیر نام لیے بھی یا اور ایا کے ساتھ ہوتی ہے
اور دعا میں نام لیا جاتا ہے جیسے یا فلان، اور کبھی
دعا کا استعمال ندا کی جگہ اور ندا کا استعمال دعا کی جگہ
بھی ہوتا ہے، ارشاد ہے کَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنۡعِقُ بِمَا لَا
یَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً (جیسے مثال ایک شخص
کی کہ چلاتا ہے ایک چیز کو جو سنتی نہیں مگر پکارنا اور
چلانا) اور کبھی دعا کا استعمال تسمیہ یعنی نام رکھنے
اور نام لینے کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے لَا تَجۡعَلُوۡا
دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا
(مت ٹھہراؤ رسول کا نام لینا آپس میں جس طرح کہ ایک
دوسرے کا نام لیتے ہو) لوگ یا محمد یا محمد کہتے تھے، اس
آیت میں آپ کی تعظیم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اَدۡعِیَۃٌ جمع۔ پ۲/۵ پ۳/۱۲ پ۱۳/۸و۱۸ پ۶/۶ پ۱۴/۴ پ۱۸/۵ پ۲۰/۲
پ۲۱/۸ پ۲۴/۳ پ۲۵/۱

دَعَا: اس نے پکارا، اس نے دعا کی، اس نے مانگا
اس نے بلایا، دُعَآءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب
پ۳/۱۲ پ۲۳/۱۵ پ۲۴/۱۹ پ۲۵/۱۴ پ۲۷/۸

دَعَاکُمۡ: اس نے تم کو پکارا، اس نے تم کو بلایا۔
اس میں کُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے پ۹/۱۷ پ۱۲/۶

دَعَانِ: اس نے مجھ کو پکارا، اس نے مجھ سے دعا
کی، اس میں نون وقایہ ہے اور ی ضمیر واحد متکلم محذوف
ہے، پ۲/۷

دَعَانَا: اس نے ہم کو پکارا، اس نے ہم سے دعا
کی، اس میں نا ضمیر جمع متکلم ہے پ۱۱/۲ پ۲۴/۲

دَعَاہُ: اس نے اس کو پکارا، اس نے اس سے
دعا کی، اس میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب ہے پ۲۰/۱

دُعَآئِكَ: تجھ سے دعا کرنا، تجھ کو پکارنا، تیری
دعا، تیری پکار۔ دُعَآءِ مضاف كَ واحد مذکر حاضر
مضاف الیہ، پ۱۶/۱

دُعَآؤُکُمۡ، دُعَآءَکُمۡ: تمہاری التجا، تمہاری
پکار، تمہارا پکارنا، دُعَآءِ مضاف کُمۡ ضمیر جمع مذکر
حاضر مضاف الیہ پ۱۹/۴ پ۲۲/۱۴

دُعَآءَہٗ: اس کا دعا کرنا، اس کا مانگنا دُعَآءِ
مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ
پ۱۵/۲

دُعَآئِھِمۡ: ان کا دعا کرنا، ان کی پکار، دُعَآءِ
مضاف ھِمۡ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ۲۶/۱

دُعَآءِیۡ: میری پکار، میرا بلانا، دُعَآءِ مضاف
ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ پ۲۹/۹

دَعَوۡا: انہوں نے پکارا، انہوں نے دعویٰ کیا
دُعَآءٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔ دَعَوُا

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اصل میں دَعَوُوْا تھا، واو متحرک ماقبل اس کا مفتوح
اس لیے واو کو الف سے بدلا، اب الف اور واو
دو ساکن جمع ہوئے اس لیے الف حذف ہو گیا
اور دَعَوْا رہ گیا، پ ۱۵/۱۹ پ ۱۶/۹ پ ۱۸/۱۷ پ ۲۰/۱۰ پ ۲۱/۷

دَعَوَا: ان دونوں نے پکارا، ان دونوں نے
دعا کی، دُعَاءٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب
پ ۹/۱۴

دَعَوْا: اُنھوں نے پکارا، اُنھوں نے دعا کی،
دُعَاءٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۱۱/۸
پ ۲۱/۳، ۱۳

دُعُوْا: اُنھیں بُلایا گیا، اُنھیں پکارا گیا۔ وہ
بلائے گئے، وہ پکارے گئے، دُعَاءٌ سے ماضی
مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۳/۷ پ ۱۸/۱۲ و ۱۳

دَعَوْتُ: میں نے بلایا، میں نے دعوت دی
دُعَاءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم پ ۲۹/۹

دَعْوَتَكَ: تیری پکار یا بلاوا، تیرا پکارنا، دَعْوَةٌ
مضاف کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ۔
(ملاحظہ ہو دَعْوَةٌ) پ ۳/۹

دَعَوْتُكُمْ: میں نے تم کو پایا، میں نے تم کو
پکارا۔ دَعَوْتُ صیغہ ماضی، اس میں کُمْ ضمیر جمع
مذکر حاضر ہے، پ ۱۳/۱۶

دَعْوَتُكُمَا: تم دونوں کی دعا، دَعْوَةٌ مضاف
کُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۱۱/۱۴

دَعَوْتُمُوْهُمْ: تم نے ان کو پکارا، تم نے ان
کو دعوت دی، دَعَوْتُمْ، دُعَاءٌ سے ماضی کا صیغہ
جمع مذکر حاضر، واؤ اشباع کا اور هُمْ ضمیر جمع مذکر
غائب ہے۔ پ ۹/۱۴

دَعَوْتُهُمْ: میں نے ان کو بلایا، میں نے ان کو
پکارا دَعَوْتُ صیغہ ماضی هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب
پ ۲۹/۹

دَعْوَةٌ: دعا، پکار، پکارنا۔ بلاوا، دَعَا يَدْعُوْا
کا مصدر ہے جس طرح قَعْدَةٌ جَلْسَةٌ بیٹھک کے
لیے آتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی اصل میں حالت دعا کو
بتاتا ہے پ ۲/۷ پ ۱۳/۸ پ ۲۱/۶ پ ۲۴/۱۰

دَعَوْهُمْ: اُنھوں نے ان کو بلایا، اُنھوں نے
ان کو پکارا، دَعَوْا دُعَاءٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر
غائب هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔

دَعْوٰهُمْ: ان کی دعا، ان کا پکارنا، دَعْوٰی
دَعَا يَدْعُوْا کا مصدر اور مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع
مذکر غائب، مضاف الیہ پ ۸ پ ۱۱/۴ پ ۲

دُعِيَ: وہ پکارا گیا، دُعَاءٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ
واحد مذکر غائب پ ۲۴/۷

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

دُعِيتُمْ: تم بلائے گئے، تم پکارے گئے دُعَآءٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر حاضر ۲۳/۴۸

فصل الفاء

دِفْءٌ: جاڑے کی پوشاک، گرمی کا اسباب، جڑاول آدْفَاءٌ جمع ۱۶

دَفْعٌ: دور کرنا، دفع کرنا، ہٹانا، دَفَعَ يَدْفَعُ کا مصدر ہے جب اس کا تعدیہ بذریعہ الیٰ ہوتا ہے تو اس کے معنی دینے اور حوالہ کرنے کے آتے ہیں جیسے فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (پس ان کو ان کے مال حوالہ کرو) اور جب عن کے ذریعہ ہوتا ہے تو اس کے معنی دفع کرنے، ہٹانے اور حمایت کرنے کے آتے ہیں جیسے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (اور اگر دفع نہ کرواتے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے) ۲/۱۷ ۱۷/۱۳

دَفَعْتُمْ: تم نے حوالہ کیا، تم نے دیدیا۔ دَفْعٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، یہاں اس کا تعدیہ الیٰ کے ذریعہ ہوا ہے، ۴/۱۲

فصل الکاف

دَكًّا: ریزہ ریزہ کرنا، ڈھا کر برابر کرنا، کوٹ کر ہموار کرنا دَكَّ يَدُكُّ کا مصدر ہے اصل میں دَكٌّ نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ نرم اور ہموار زمین ریزہ ریزہ ہوتی ہے اس لیے اسی مناسبت سے اس کے مصدر کے معنی مقرر ہوئے ۹/۷ ۳۰/۱۴

دَكَّآءَ: ہموار، برابر دَكَّاوَاتٌ جمع، ۱۶/۲

دُكَّتْ: وہ توڑی گئی، وہ ریزہ ریزہ کی گئی دَكٌّ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب ۳۰/۱۴

دُكَّتَا: وہ دونوں توڑی گئیں، وہ دونوں ریزہ ریزہ کی گئیں دَكٌّ سے ماضی مجہول کا صیغہ تثنیہ مونث غائب ۲۹

دَكًّا: توڑنا، ریزہ ریزہ کرنا، ڈھا کر ہموار کرنا، دَكَّ يَدُكُّ کا مصدر ہے ۲۹/۵

فصل اللام

دُلُوْكِ: سورج کا ڈھلنا، سورج کا غروب ہونا، امام بغوی لکھتے ہیں:-

"دلوک کے بارے میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "دلوک" کے معنی غروب کے ہیں، ابراہیم نخعی، مقاتل بن حیان، ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ہے اور عبداللہ بن عباس، ابن عمر اور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جابر رضی اللہ عنہم زوال آفتاب کے معنی بتاتے
ہیں اور یہی عطا، قتادہ، مجاہد اور اکثر تابعین کا قول
ہے اور لفظ کے معنی دونوں کو جامع ہیں کیونکہ
اصل میں دُلُوك مائل ہونے یعنی جھکنے کو کہتے
ہیں اور آفتاب زوال کے وقت بھی جھکتا ہے
اور غروب کے وقت بھی اور زوال پر اس کو
حمل کرنا دونوں قولوں میں زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ
اس کے قائلین زیادہ ہیں، نیز جب ہم اس کو
زوال پر محمول کرینگے تو آیت نماز کے تمام اوقات
کی جامع ہوگی، پس "دُلُوكِ الشَّمْسِ" ظہر اور عصر
کو شامل ہے اور "إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ" مغرب و عشاء
کو متناول ہے اور "قرآن الفجر" نماز صبح ہے[۱] ۱۵/۹

دَلْوَهٗ: اس کا ڈول، دَلْو بمعنی ڈول مضاف ہے
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ۱۲/۱۲

دَلّٰهُمْ: اس نے ان کو جتایا، اس نے ان کو خبردار
کیا (نصر) دَلَّ دَلَالَةٌ سے جس کے معنی راہ بتانے
کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب هُم ضمیر جمع
مذکر غائب ۲۳/۸

دَلِيْلًا: نشانی، رہنما، راہ بتانے والا، دَلَالَةٌ
سے بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ بمعنی فاعل ہے

اَدِلَّةٌ جمع ۱۹/۳

دَلّٰهُمَا: ان دونوں کو ڈھلالیا، ان دونوں کو نیچے
ڈال دیا، ان دونوں کو کھینچ لیا۔ دَلّٰی تَدْلِيَةٌ سے
جس کے معنی کسی کو حیلہ سے کام میں لگا دینے کے ہیں،
ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب تَدْلِيَةٌ اِدْلَاءُ الدلو
سے لیا گیا ہے جس کے معنی ڈول ڈالنے کے ہیں اور
اسی مناسبت سے نیچے ڈال دینے اور کھینچ لینے کے
معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، ۵/۹

فصل المیم

دَمٌ: لہو، خون۔ اصل میں دَمْیٌ تھا اور بعض دَمْوٌ
بتاتے ہیں، لام کلمہ محذوف ہے، اور کبھی اس کو میم سے
بدل کر میم کا میم میں ادغام کر دیتے ہیں جیسے دَمٌّ
۲/۵ ۵/۵ ۶/۹ ۱۲/۱۲ ۱۵/۱۴ ۲۱/۱۵ دَمًا ۵/۵

دِمَاءٌ: لہو، خون، دَمٌ کی جمع ۱/۴

دِمَاءَكُمْ: تمہارے لہو، تمہارے خون دِمَاءٌ
مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ۱/۱

دِمَاؤُهَا: اس کے خون، ان کے لہو۔ دِمَاءٌ
مضاف هَا ضمیر واحد مؤنث غائب، مضاف الیہ
هَا کی ضمیر جمع کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے ۱۲/۱۷

[۱] معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۱ طبع مصر بر حاشیہ خازن۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

دُمْتُ : میں ٹھہرا رہا، دَوَامٌ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم، مَا دُمْتُ (جب تک میں رہا) افعال ناقصہ میں سے ہے (ملاحظہ ہو دَامَتُ) پ ۱۶/۵ ، ۶

دُمْتَ : تو ٹھہرا رہا، دَوَامٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ مَا دُمْتَ (جب تک تو رہا) افعال ناقصہ میں سے ہے پ ۳/۱۶

دُمْتُمْ : تم ٹھہرے رہے۔ دَوَامٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، مَا دُمْتُمْ (جب تک تم رہے) افعال ناقصہ میں سے ہے۔ پ ۷/۳

دَمْدَمَ : اس نے الٹ مارا، اس نے تباہی لا ڈالی۔ اس نے ہلاکت ڈال دی، اس نے غصہ کیا دَمْدَمَۃٌ سے جس کے معنے ہلاک کرنے اور غصہ ہونے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۳۰/۱۶

دَمَّرَ : اس نے اکھیڑ مارا، اس نے ہلاکت ڈال دی تَدْمِیْرٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو تَدْمِیْرًا) پ ۲۶/۵

دَمَّرْنَا : ہم نے خراب کر دیا، ہم نے ہلاک کر دیا، ہم نے اکھیڑ مارا۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم پ ۹/۶ پ ۱۹/۱۳ پ ۲۳/۸

دَمَّرْنٰهَا : ہم نے اس کو اکھیڑ مارا، ہم نے اس کو تباہ کر کے چھوڑ دیا، اس میں ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے۔ پ ۱۵/۲

دَمَّرْنٰهُمْ : ہم نے ان کو اکھیڑ مارا، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے۔ پ ۱۹/۱ و ۲

دَمْعٌ : اشک، آنسو۔ دُمُوْعٌ اور اَدْمُعٌ جمع پ ۷/۱ پ ۲۸/۸

فصل النون

دَنٰی : وہ نزدیک ہوا، وہ قریب ہوا (نَصَرَ) دُنُوٌّ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو دَانٍ) پ ۲۷/۵

دُنْیَا : عالم، دنیا، بہت نزدیک، بہت ذلیل دَانِیَۃٌ اور دَنِیَّۃٌ کا اسم تفضیل ہے اول صورت میں اس کے معنی بہت قریب اور بہت نزدیک کے اور دوسری صورت میں بہت ذلیل اور بہت حقیر کے ہیں، اس کی جمع دُنًی ہے، جیسے کُبْرٰی کی جمع کُبَرٌ اور صُغْرٰی کی جمع صُغَرٌ۔ جب دُنیا کا استعمال آخرۃ کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو اس کے معنے اول اور پہلے کے آتے ہیں، اور جب قصوٰی کے مقابل ہوتا ہے تو زیادہ قریب کے آتے ہیں۔ پ ۱/ ۱۳ و ۱۶ پ ۲/ ۹ و ۱۰ و ۱۱ پ ۳/ ۱۰ و ۱۳ و ۱۴ پ ۴/ ۳ و ۶ و ۷ و ۱۰ پ ۵/ ۷ و ۸ و ۱۰ و ۱۳ پ ۶/ ۹ و ۱۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ۷: ۹و۱۰،۱۲ — پ۸: ۳و۱۱،۱۳ — پ۹: ۹ — پ۱۰: ۱و۵،۱۲و۱۳،۱۵،۱۶،۱۷
پ۱۱: ۶و۸،۱۲و۱۴،۱۵ — پ۱۲: ۲و۵ — پ۱۳: ۵،۹و۱۱و۱۳،۱۶ — پ۱۴: ۱۰و۱۲،۲۰،۲۲
پ۱۵: ۱۶و۱۸ — پ۱۶: ۳،۲و۱۲،۱۷ — پ۱۷: ۸و۹ — پ۱۸: ۳و۸،۹،۱۶ — پ۲۰: ۷و۹،۱۰و۱۱و۱۵
پ۲۱: ۳و۶،۱۱و۱۳،۲۰ — پ۲۲: ۴و۱۳ — پ۲۳: ۵،۱۶و۱۷ — پ۲۴: ۱۰و۱۱و۱۶،۱۸
پ۲۵: ۴و۵،۹و۱۹،۲۰ — پ۲۶: ۲و۸ — پ۲۷: ۶و۱۹ — پ۲۸: ۴ — پ۲۹: ۱ — پ۳۰: ۴و۱۲

فصل الواؤ

دَوَابُّ: چلنے والے، جانور، چارپائے، کیڑے دَابَّةٌ کی جمع (ملاحظہ ہو دَابَّةٌ) پ۹: ۱۷ — پ۱۰: ۳ — پ۱۷: ۹ — پ۲۲: ۱۶

دَوَائِرَ: گردشیں، مصائب، دَائِرَۃٌ کی جمع۔ (ملاحظہ ہو دَائِرَۃٌ) پ۱۱: ۱

دُوْلَۃً: دست گرداں، جو چیز گردش کرتی رہے، کبھی اس کے پاس اور کبھی اس کے پاس اس کا نام "دولت" ہے، پ۲۸: ۴

دُوْنِ: ورے، سوائے، غیر، جو کسی سے نیچے ہو دُوْنَ کہلاتا ہے، بعض کا قول ہے کہ یہ دُنُوٌّ کا مقلوب ہے جس کے معنے نزدیک کے ہیں، امام سیوطی لکھتے ہیں :۔

"دُوْنَ ظرف ہو کر استعمال ہوتا ہے فوق کی نقیض ہے اور مذہب مشہور پر معرب نہیں ہوتا اور بعضے کہتے ہیں کہ معرب ہوتا ہے، چنانچہ دُمّیناً

دُوْنَ ذٰلِكَ دونوں طرح پڑھا گیا ہے پیش کے ساتھ بھی اور زیر کے ساتھ بھی، اور اسم بھی واقع ہوتا ہے بمعنی غیر کے جیسے اِتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً (اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس کے سوائے معبود) کہ دُوْنِهٖ بمعنی غیر یعنی اس کے سوائے کے ہے، زمخشری نے کہا ہے کہ غیر کے معنی کسی چیز کے ورے کے ہیں اور حالت کا فرق بتانے کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے زید دون عمرو (زید عمرو سے پیچھے ہے یعنی شرافت اور علم میں اس سے نیچے ہے) اور اس کے معنی میں وسعت سے کام لے کر اس کا استعمال حد سے بڑھنے کے لیے بھی کیا جاتا ہے جیسے لَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر یعنی مسلمانوں کی رفاقت سے کافروں کی رفاقت کی طرف تجاوز نہ کرو"[1]

پ۱: ۳و۱۱،۱۳ — پ۲: ۴ — پ۳: ۱۱و۱۵،۱۶ — پ۵: ۴و۵،۱۷و۱۸ — پ۶: ۴،۱۳ — پ۷: ۶و۱۳و
پ۷: ۱۴،۱۵،۱۹ — پ۸: ۱۴و۱۱و۱۷ — پ۹: ۱۱و۱۴ — پ۱۰: ۸و۱۱ — پ۱۱: ۳و۷،۹و
پ۱۱: ۱۲و۱۶ — پ۱۲: ۲و۹،۱۰ — پ۱۴: ۸و۱۶ — پ۱۵: ۱۷ — پ۱۶: ۶و۸ — پ۱۷: ۵،۶،۷،۹و
پ۱۷: ۱۶و۱۷ — پ۱۸: ۴و۱۷ — پ۱۹: ۳و۹،۱۷و۱۸،۱۹ — پ۲۰: ۱۱و۱۴و۱۶
پ۲۱: ۱۵و۱۸ — پ۲۲: ۳،۹،۱۷ — پ۲۳: ۴و۶و۷ — پ۲۴: ۱و۲،۱۲،۱۳ — پ۲۵: ۵،۶و۱۰
پ۲۵: ۱۷ — پ۲۶: ۱و۶،۱۲ — پ۲۷: ۴و۷ — پ۲۸: ۶و۱۱ — پ۲۹: ۲،۱۰و۱۱

[1] الاتقان ج ۱ ص ۱۶۲ و ۱۶۳ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

دُوْنَكَ: تیرے سوا، تیرے بغیر، دُوْنِ مضاف
کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۱۴/۱۸ پ ۱۸/۷

دُوْنِكُمْ: تمہارے سوائے، تمہارے غیر، دُوْنِ
مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۱۴/۳

دُوْنِنَا: ہمارے سوائے، ہمارے غیر، دُوْنِ مضاف
نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۱۷/۷

دُوْنِهٖ: اس کے سوائے، اس کے غیر، اس کے
ورے، دُوْنِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب
مضاف الیہ پ ۵/۱۵ پ ۷/۱۲ پ ۸/۸ پ ۹/۱۴ پ ۱۲/۵ و ۱۵ پ ۱۳/۸
پ ۱۴/۱۱ پ ۵/۶، ۱۴، ۱۶، ۲۰ پ ۱۷/۲ و ۱۵ پ ۱۸/۱۶ پ ۲۰/۱۶ پ ۲۱/۱۰، ۱۲ و ۱۴
پ ۲۲/۱۴ پ ۲۳/۱۰ و ۱۶ پ ۲۴/۱، ۲ و ۷ پ ۲۵/۲ و ۱۳ پ ۲۶/۴ پ ۲۹/۱۲

دُوْنِهَا: اس کے ورے، دُوْنِ مضاف
هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ پ ۱۶/۲

دُوْنِهِمْ: ان کے سوائے، ان کے ورے، دُوْنِ
مضاف، هِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ،
پ ۱۰/۴ پ ۱۶/۵ پ ۲۰/۶ پ ۲۲/۱۱

دُوْنِهِمَا: ان دونوں کے ورے، ان دو کے سوائے
دُوْنِ مضاف، هِمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب، مضاف
الیہ، پ ۱۶/۲ پ ۲۷/۱۳

دُوْنِيْ: میرے سوا، میرے علاوہ، میرا غیر دُوْنِ
مضاف، یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ پ ۱۵/۱ و ۱۹ پ ۱۶/۳

فصل الهاء

دِهَاقًا: بھرا ہوا، چھلکتا ہوا، دَهَقٌ سے جس کے
معنی لبالب پُر ہونے اور چھلکنے کے ہیں۔ اسم صفت
ہے، پ ۳۰/۲

دِهَانِ۔ تیل کی تلچھٹ، وہ تیل جس کی مالش کی
جائے۔ سُرخ زمین، اَدْهِنَةٌ اور دُهُنٌ جمع اور بعض
کا قول ہے کہ دُهْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی تیل کے ہیں
پ ۲۷/۲

دَهْرُ: زمانہ، اصل میں تو "دہر" عالم کے وجود میں
آنے سے لے کر اس کے ختم ہونے تک کی مدت کا نام
ہے اور پھر اس سے ہر بڑی مدت بھی مراد لے لی جاتی
ہے برخلاف زَمَانٌ کے کیونکہ وہ مدتِ قلیلہ اور مدت
کثیرہ دونوں کے لیے آتا ہے پ ۲۵/۱۹ پ ۲۹/۱۹

دُهْنِ۔ تیل، چکنائی۔ اسم ہے۔ اَدْهَانٌ اور
دِهَانٌ جمع، پ ۱۸/۱

فصل الياء المثناة

دِيَارِ: شہر، گھر، دَارٌ کی جمع، پ ۱۵/۱

دَيَّارًا: بسنے والا، رہنے والا، کاڑے یا دَوْرٌ سے
جس کے معنی گھومنے کے ہیں فَيْعَالٌ کے وزن پر ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

نَعَالٌ کے وزن پر نہیں ورنہ دَوَّارٌ ہوتا جیسے قَوَّالٌ لو جَوَّادٌ ہے پ ۲۹/۱۰

دِيَارِكُمْ: تمہارے گھر، تمہارے شہر، تمہارے وطن دِيَارِ مضاف، كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۱/۲ پ ۵/۶ پ ۲۸/۸

دِيَارِنَا: ہمارے شہر، ہمارے گھر، ہمارے وطن، دِيَارِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۲/۱۶

دِيَارِهِمْ: ان کے گھر، ان کے وطن، دِيَارِ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ۔ پ ۲/۱۶ پ ۴/۱۱ پ ۸/۲ پ ۱۲/۶،۸ پ ۱۷/۱۳ پ ۲۱/۱۹ پ ۲۸/۴

دِيْنٌ: جزا، اطاعت، شریعت، بدلہ دینا، اطاعت کرنا، حکم ماننا، "دین" بمعنی ملت ہی ہے۔ مگر اس کا استعمال اطاعت اور شریعت کی پابندی کے معنی میں ہوتا ہے دَانَ يَدِيْنُ کا مصدر ہے ادیان جمع پ ۱/۱۶ پ ۲/۸

پ ۳/۲،۱۰،۱۷ پ ۵/۴ پ ۸/۱۰ پ ۹/۱۹ پ ۱۰/۶،۸،۱۰،۱۱ پ ۱۱/۴،۸،۱۶

پ ۱۲/۱۵ پ ۱۳/۳ پ ۱۴/۲،۱۳ پ ۱۷/۱۶ پ ۱۸/۷ پ ۱۹/۹ پ ۲۱/۳،۷،۸،۱۳،۱۴

پ ۲۳/۵،۱۳،۱۵،۱۶ پ ۲۴/۷،۱۲ پ ۲۵/۳،۴ پ ۲۶/۱۲،۱۸ پ ۲۷/۱۵ پ ۲۸/۸،۹

پ ۲۹/۷،۱۶ پ ۳۰/۷،۸،۲۰،۲۳،۲۲،۳۲،۳۴،۳۵

دِيْنًا پ ۳/۱۷ پ ۵/۱۵ پ ۶/۵ پ ۸/۷

دَيْنٍ: دام، قرض، اُدھار، قرض دینا، قرض لینا دَانَ يَدِيْنُ کا مصدر ہے، دُيُوْنٌ جمع پ ۳/۷ پ ۴/۱۴

دِيْنَارٍ: دینار، اشرفی، ایک سونے کا سکہ جو عرب میں مستعمل تھا، دَنَانِيْرُ جمع، علامہ سیوطی نے "اتقان" میں لکھا ہے کہ "جوالیقی" وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ فارسی ہے،[1] پ ۳/۱۶

دِيْنُكُمْ: تمہارا دین، دِيْنُ مضاف كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۲/۱۱ پ ۳/۱۶ پ ۶/۳،۵،۱۳،۱۴ پ ۱۰/۸ پ ۲۴/۸ پ ۲۶/۱۴ پ ۳۰/۳۴

دِيْنِهٖ: اس کا دین، دِيْنِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۲/۱۱ پ ۶/۱۲

دِيْنَهُمْ: ان کا دین، دِيْنَ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۳/۱۱ پ ۵/۱۸ پ ۷/۱۴ پ ۸/۳،۷،۱۳ پ ۱۰/۳ پ ۱۸/۹،۱۳ پ ۲۱/۷

دِيْنِيْ: میرا دین، دِيْنِ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ ۱۱/۱۹ پ ۲۳/۱۶

دِيَةٌ: خوں بہا، دیت، اصل میں وَدَى يَدِى کا مصدر ہے، مقتول کے بدلہ میں جو خوں بہا ادا کیا جاتا ہے اس کا نام دیۃ ہے، دِيَةٌ اصل میں وَدْیٌ تھا، واو کو حذف کر کے آخر میں تا لائی گئی ہے، جیسا کہ عِدَةٌ میں ہوا ہے "دیت" میں سو اونٹ یا ایک ہزار دینار، یا دس ہزار درہم دینے پڑتے ہیں، حضرت

[1] اتقان ج ۱، ص ۱۳۹۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شاہ عبدالقادر صاحبؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں:-
"خون بہا مذہب حنفی میں مسلمان کے ۲ ہزار سات سو چالیس روپیے ہیں تخمیناً اور دینے آتے ہیں قاتل کی برادری کو تین برس میں بہ تفریق ادا کریں" پ۵ ع۱

بابُ الذال المعجمة

فصل الالف

ذا: یہ، جو، صاحب (والا) پہلے معنی کے اعتبار سے اسم اشارہ ہے، قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور جب اس پر ہا تنبیہ داخل ہوتی ہے تو ہذا بولتے ہیں، مگر قرآن مجید میں بغیر ہا تنبیہ کے صرف ذا کا استعمال اسم اشارہ کے معنے میں نہیں ہوا ہے، دوسرے معنی کے اعتبار سے بمعنی اَلَّذِیْ ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب وہ بعد مَا استفہامیہ اور مَنْ استفہامیہ کے واقع ہو اور اشارہ کے لیے نہ ہو۔ اور تیسرے معنی کے اعتبار سے اسم ہے بمعنی صاحب کے (ملاحظہ ہوں الفاظ (ذو، ماذا، من ذا اور ھذا) پ۲ ع ۱۰، ۱۱، ۱۶

پ۳ ع۲، پ۴ ع۸، پ۵ ع۳، پ۶ ع۵، پ۷ ع۴ و۵، پ۸ ع۶، پ۹ ع۴، پ۱۱ ع۹، ۱۰، ۱۵

پ۱۳ ع۳، پ۱۴ ع۹، ۱۰، پ۱۵ ع۳، پ۱۶ ع۲، پ۱۸ ع۴، پ۱۹ ع۱۸، پ۲۰ ع۳ و۱۰، پ۲۱ ع۷، ۱۰، ۱۳، ۱۸

پ۲۲ ع۹، ۱۵، ۱۷، پ۲۳ ع۷، ۱۱، ۱۳، پ۲۶ ع۱ و۶، پ۲۷ ع۱۸، پ۲۹ ع۳ و۱۳، ۱۵، پ۳۰ ع۱۵

ذَالْقَرْنَیْن: ذوالقرنین، اُس جلیل القدر صالح بادشاہ کا لقب ہے جس کا سورۂ کہف میں مذکور ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید سیرت یا تاریخ کی کوئی کتاب نہیں ہے کہ وہ جس شخصیت کا ذکر کرے اس کے تمام حالات کا استقصا کرتا جائے، کیونکہ یہ چیز اس کے موضوع سے خارج ہے وہ جس شخص کا ذکر کرتا ہے اس کی زندگی کے اسی پہلو کو نمایاں کرتا ہے جو دوسروں کے لیے پند و موعظت اور عبرت و نصیحت کا سبق ہو، چنانچہ قریش نے جب یہود سے معلومات حاصل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کی نسبت سوال کیا تو قرآن مجید نے اس کے جواب میں وہی انداز اختیار کیا جو صالحین کے تذکرہ میں اس کا عام انداز ہے اور وحی ربانی کے معجزانہ جواب کے سامنے سائنس کو مجال دم زدن نہ رہی، لیکن جاہلیت کبریٰ کی اس نشاۃ جدید میں

جبکہ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ (کچھ نہیں پر جس بات کے سمجھنے پر قابو نہ پایا اُسے جھٹلانے لگی) کا مکمل دور دورہ ہے۔ حالانکہ معترضینِ قرآن نے ذوالقرنین کی شخصیت کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ اعتراضات کا ہدف بنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کا کوئی تاریخی وجود نہیں بلکہ ایک بے حقیقت افسانہ تھا جو عرب کے یہودیوں میں مشہور تھا، اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے نعوذ باللہ خوش اعتقادی کی بنا پر حقیقت سمجھ کر اسے نقل کر ڈالا۔

بلاشبہ مفسرین کے اقوال اس کی شخصیت کے تعین میں سخت مضطرب ہیں، کوئی اس کو عرب کا بادشاہ سمجھ کر اذواہمین میں سے قرار دیتا اور صعب نام بتاتا ہے، اور کوئی اسکندر مقدونی کو "ذوالقرنین" خیال کرتا ہے، سید احمد خاں نے ازالۃ الغین عن ذی القرنین میں اسے "چی وانگ ٹی" بانی دیوارِ چین بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان میں سے کوئی بات بھی قابلِ التفات نہیں ہے، لیکن بلا تحقیق کیے معترضین کا اپنی علمی نارسائی کا اعتراف کرنے کی بجائے سرے سے اس کی شخصیت کا انکار کر بیٹھنا جہلِ مرکب کی کتنی شرمناک مثال ہے، آج اکتشافات اثریہ نے جن سیکڑوں چھپی ہوئی حقیقتوں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے، ان میں سے ایک "ذوالقرنین" کی بھی حقیقت ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ زمانۂ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے۔ ہم اسی کا اقتباس موصوف ہی کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں۔

اولاً جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے۔ کیونکہ فرمایا وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ۔

ثانیاً اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمران کے لیے ہو سکتا تھا اس کے لیے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً اس کی بڑی مہمیں تین تھیں پہلے مغربی ممالک فتح کیے پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درّہ تھا، اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کردی اور یاجوج وماجوج کی راہ بند ہوگئی۔

خامساً وہ ایک عادل حکمراں تھا جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح "ذوالقرنین" بھی ظلم وتشدد کریگا، لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے جو لوگ نیک عملی کی راہ چلینگے ان کے لیے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا انہیں چاہیے جو جرم اور بد عملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

سادساً وہ خدا پرست اور راستباز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔

سابعاً وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا، جب ایک قوم نے کہا یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کردیں ہم خراج دینگے تو اُس نے کہا مَا مَکَّنِّیْ فِیْہِ رَبِّیْ خَیْرٌ۔ (جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے، میں تمہارے خراج کا طامع نہیں یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کرونگا اپنا فرض سمجھ کر انجام دونگا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف پائے جائیں وہی ذوالقرنین ہو سکتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا۔

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا، عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی "قرن" کے معنی صاف سینگ کے ہیں، پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا، لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو، اس لیے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اُٹھ گئیں، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا "ذوالقرنین" سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا، نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کے لیے فیاض تھا اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہر حال مفسرین "ذوالقرنین" کی شخصیت کا سُراغ نہ لگا سکے، اگر "ذوالقرنین" کے مفہوم کا کوئی سُراغ ملتا تھا تو وہ صرف دور کا ایک اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے یعنی ایک خواب جو اُنھوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا۔ چنانچہ کتاب دانیال میں ہے

میں دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں، دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم، اُتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو ن پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کے تمام روئے زمین پر پھر گیا اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بھڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کی قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے" (دانیال ۱۴۸

پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ (میڈیا) اور فارس کی بادشاہت ہے اور بال والا بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہو گا (۸ : ۱۵)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں، اس لیے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا، پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا، جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوشحالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتحمند ہونے والا تھا اور پھر اسی کے ذریعہ بیت المقدس کی ازسرِنو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہونے والی تھی چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس[1]
کا ظہور ہوا اس نے میڈیا اور فارس کی مملکتیں
ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور
پھر بابل پر پے در پے حملے کر کے اسے مسخر کر لیا۔

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی
مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی
اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے
شہنشاہ کے لیے یہودیوں میں "ذوالقرنین"
کا تخیل پیدا ہو گیا ہو یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی
اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں تاہم
یہ محض ایک قیاس تھا اس کی تائید میں کوئی
تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن سنہ ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے
نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے اس
قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور
معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا
لقب ذوالقرنین تھا، اور یہ محض یہودیوں کا
کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان
فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے ظن و تخمین کے تمام پردے
اٹھا دیے۔ یہ خود سائرس کا ایک سنگی تمثال ہے
جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوا اس میں
سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے
دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں
اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں اوپر
خط میخی میں جو کتبہ کندہ تھا اس کا بڑا حصہ
ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے، مگر جس قدر باقی ہے وہ
اس کے لیے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح
ہو جائے، اس سے معلوم ہو گیا کہ ماد اور فارس
کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل
ایک مقبول اور عام تخیل تھا اور یقیناً سائرس
کو ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا،
تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات
و فضائل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نہ صرف

[1] یاد رکھنا چاہیے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں اور اس کی وجہ سے مورخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں۔ سائرس کا اصلی نام گورو یا گوروش تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یونانی اسے سائرس کہنے لگے اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا، چنانچہ یشعیاہ، ارمیاہ اور دانیال کے صحائف میں جابجا یہ نام آیا ہے اور یہی گوروش ہے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی، چنانچہ عرب مورخ اسے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہوگیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے...... اب غور کرو کہ قرآن کی تصریحات نے جو جامہ طیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس بحث کے آغاز میں تصریحاتِ قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں ان پر پھر ایک نظر ڈال لو۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ، پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو۔ علاوہ بریں سائرس کی تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع اور اتحاد کی علامت تھی۔

اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ ہے کہ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا۔ ہم نے اُسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا، قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوشحالی کو براہِ راست خدا کی طرف منسوب کرکے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انہیں محض توفیقِ الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے۔ کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہِ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دے دی ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

قبل اس کے کہ پیدا ہو خود اس کا نانا اس کی موت
کا خواہشمند ہو گیا تھا، ایک وفادار آدمی اس
کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے
بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح
پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے پھر اچانک نمایاں
ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا
تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ
صورتِ حال واقعات و حوادث کی عام
رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو، نوادرِ ہستی
کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف
نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص
مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور
زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اس کی راہ صاف
ہو جائے۔

اس کے بعد اس کی تین مہموں کا ذکر آتا ہے
ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف
ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف
تیسری ایک ایسے مقام پر جہاں کوئی وحشی قوم
آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار
مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس
طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق
ہوتی ہیں؛

سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج
سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے پادشاہ
کروسس نے حملہ کر دیا ..... اب سائرس
مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملہ کا مقابلہ کرے
وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانہ سے (جو
اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا اور
اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں
کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع
ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا
...... اب تمام ایشیائے کوچک بحرِ شام سے
بحرِ اسود تک اس کے زیرِ نگین تھا، وہ برابر بڑھتا
گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل پر پہنچ گیا ....
..... یہ لشکر کشی جو اُسے پیش آئی صریح مغرب
کی لشکر کشی تھی کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی
طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ
گیا۔ یہ اس کے لیے مغرب الشمس کی آخری حد
تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں
نکالو، تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا
واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہیں، اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل
آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض
کی شکل دیدی ہے، لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس
مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل
موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا،
پس جب سائرس، سارڈیس کی تسخیر کے بعد
آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی
مقام پر پہنچا ہوگا، جو سمرنا کے قرب وجوار میں واقع
ہی، یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک
جھیل کی سی شکل اختیار کرلی ہی، ساحل کی کیچڑ
سے پانی گدلا ہو رہا ہے اور شام کے وقت
اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے، اسی
صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان
بیان کیا ہی کہ وجدھا تغرب فی عین حمئۃ
اُسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض
میں ڈوب رہا ہی...... دوسری لشکرکشی
مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈوٹس اور سیاز
دونوں اس کی مشرقی لشکرکشی کا ذکر کرتے ہیں
جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے
پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی کہ مشرق
کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل کی سرکشی
اس کا باعث ہوئی تھی، یہ ٹھیک ٹھیک قرآن
کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتیٰ اذا بلغ
مطلع الشمس وجدھا تطلع علیٰ قوم لم
نجعل لھم من دونھا ستراً جب وہ مشرق
کی طرف پہنچا تو اُسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے
کوئی آڑ نہیں رکھتی، یعنی خانہ بدوش قبائل تھے،
یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی
صراحت کے مطابق بکٹریا یعنی بلخ کے علاقہ
کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالوگے تو صاف
نظر آجائیگا کہ بکٹریا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے
مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہی، کیونکہ اس کے آگے
پہاڑ ہیں اور اُنہوں نے راہ روک دی ہی....

تیسری لشکرکشی اس نے ایسے علاقہ تک کی
جہاں یاجوج اور ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے
یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر
(کاسپین) کو داہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا
کے سلسلۂ کوہ تک پہنچ گیا تھا، اور وہاں اُسے ایک
درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان
تھا، اسی راہ سے یاجوج اور ماجوج آکر اس
طرف کے علاقہ میں تاخت وتاراج کیا کرتے
تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی.......

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے
آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت
انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے، اور یہ اوصاف
سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا
حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف
اٹھ ہی نہیں سکتی: قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ
اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم
الٰہی ہوا تھا یا ذاالقرنین اما ان تعذب واما
ان تتخذ فیھم حسنا یعنی یہ قوم اب تیرے بس
میں ہے جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک
کرسکتا ہے خواہ سزا دے خواہ انہیں اپنا دوست
بنالے، یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی اس کے
بادشاہ کروسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی
رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا
اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا بلکہ وقت
کی تمام طاقتور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف
ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا.... تمام یونانی مورخ
بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح
کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا وہ
صرف منصفانہ ہی نہ تھا وہ اس سے بھی زیادہ
تھا، وہ فیاضانہ تھا وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ
کرتا تو یہ انصاف ہوتا کیونکہ زیادتی ان ہی کی تھی لیکن
وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا اس
نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا..... یہ تو
صرف اس کی مغربی فتحمندی کی سرگزشت تھی،
اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار
کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں
تک اس پر راست آتا ہے..........

بالاتفاق یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ سائرس تاریخ
قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک
وقت فتوحات کی وسعت، فرمانروائی کی عظمت
اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہوگئی تھی
اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس
کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک
پیام اور قوموں کی نجات تھی.........

اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا
سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے.....
یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود
ہے کہ خدا نے اسے اپنا فرستادہ اور "مسیح" کہا،
اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا، ظاہر ہے کہ
ایسی ہستی خدا کی نافرمان نہیں ہوسکتی۔"

ہم نے اقتباس میں نہایت ہی اختصار سے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کام لیا ہے، مولانا کا یہ مقالہ جو ذوالقرنین، یاجوج و ماجوج اور سد کی تحقیق میں سپرد قلم ہوا ہے نہایت باریک خط کے اکتیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی "ذوالقرنین" کی نبوت کا مسئلہ زیر بحث رہ چکا ہے اور ہر فریق اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتا ہے لیکن جس صورت میں کہ حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کر رہے ہیں کہ

لا ادری ذوالقرنین   مجھے نہیں معلوم ذوالقرنین
کان نبیا ام لا[1]   نبی تھے یا نہیں۔

اس بحث کے فیصلہ کی جرأت کرنا کس قدر لایعنی ہے۔

پ ۱۷/۶
ذَاالْكِفْلِ: ذوالکفل علیہ السلام قرآن مجید میں آپ کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے زمرہ میں دو مقام پر آیا ہے۔ لیکن دونوں جگہ صرف نام لیا گیا ہے، آپ کے حالات کا کوئی اجمالی یا تفصیلی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں ہے۔ قرآن نے آپ کے

صابرین، صالحین اور اخیار میں سے ہونے کی شہادت اور رحمت الٰہی میں داخل کرنے کی بشارت دی ہے، عالم انسانی کے لیے اس سے زیادہ کسی کی سیرت میں اور کس چیز کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ پ ۱۷/۶ پ ۲۳/۱۳

ذَاالنُّوْنِ: مچھلی والا، یہ حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے، چونکہ آپ کو مچھلی نگل گئی تھی، اس لیے ذوالنون کہلائے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذو اور یونس)

پ ۱۷/۶
ذَاتِ: والی، صاحب۔ مؤنث ہے ذُوْ کا جو بمعنی صاحب ہے، ذَوَاتٌ جمع (ملاحظہ ہو ذُوْ) پ ۴/۳ و ۷ پ ۶/۴
پ ۹/۱۵ پ ۱۰/۱ پ ۱۱/۱۷ پ ۱۵/۱۴ و ۱۶ پ ۱۷/۸ پ ۱۸/۳ پ ۲۰/۱ پ ۲۱/۱۲ پ ۲۲/۱۷ پ ۲۳/۱۵
پ ۲۵/۴ پ ۲۶/۱۸ پ ۲۷/۸ و ۱۱ و ۱۷ پ ۲۸/۱۵ پ ۲۹/۱ پ ۳۰/۱۰ و ۱۱ و ۱۳ و ۱۶

ذَارِیٰتِ: بکھیرنے والیاں، پراگندہ کرنے والیاں ذَرْوٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث، قرآن مجید میں یہ ہواؤں کی صفت بیان کی گئی ہے (ملاحظہ ہو ذَرَوًا)

پ ۲۶/۱۸
ذَاقَا: ان دونوں نے چکھا (لقصر) ذَوْقٌ سے۔ جس کے معنی چکھنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب۔ پ ۸/۹

ذَاقَتْ: اس نے چکھا۔ ذَوْقٌ سے ماضی کا صیغہ

[1] المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۴۵۰ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۴۲ھ حاکم نے اس کو بخاری مسلم کی شرط پر صحیح کہا اور ذہبی نے تلخیص

واحد مؤنث غائب۔ پ ۲۸/۱۸

ذَاقُوْا: انہوں نے چکھا، ذَوْقٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، پ ۵/۵ پ ۲۸/۵ و ۱۵

ذٰکِرٰتِ: یاد کرنے والی عورتیں، ذَاکِرَۃٌ کی جمع، ذِکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث (ملاحظہ ہو ذکر) پ ۲۲/۲

ذَاکِرِیْنَ: یاد رکھنے والے، یاد کرنے والے ذَاکِرٌ کی جمع، ذِکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب وجر، پ ۱۲/۱۰ پ ۲۲/۲

ذٰلِکَ: یہ، یہی، اسمارِ اشارہ میں سے ہے، بعید کے لیے آتا ہے، اس میں ذَا اسم اشارہ ہے اور کَ حرف خطاب ہے اور اسی لیے مخاطب کے حالات کے اعتبار سے تذکیر، تانیث، تثنیہ اور جمع میں بدلتا رہتا ہے۔

پ ۱: ۱ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ — پ ۲: ۵ و ۶ و ۸ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۶ — پ ۳: ۶ و ۱۰ و ۱۱ و
پ ۳: ۱۳ و ۱۴ و ۱۶ و ۱۷ — پ ۴: ۱ و ۳ و ۸ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ — پ ۵: ۱ و ۲ و ۴ و ۵ و ۶ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷
پ ۶: ۱ و ۲ و ۴ و ۷ و ۹ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۵ — پ ۷: ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۶ و ۸ و ۱۶ و ۱۸ — پ ۸: ۳ و ۵ و ۷ و ۱۰ — پ ۹: ۷ و ۱۱ و ۱۲ و
پ ۱۰: ۳ و ۷ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ — پ ۱۱: ۲ و ۳ و ۴ و ۶ و ۱۱ و ۱۲
پ ۱۲: ۶ و ۹ و ۱۰ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ — پ ۱۳: ۲ و ۵ و ۷ و ۱۳ و ۱۵
پ ۱۴: ۵ و ۸ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۷ و ۲۰ و ۲۱ — پ ۱۵: ۴ و ۶ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۴ و ۱۶
پ ۱۵/۲۱ — پ ۱۶: ۱ و ۳ و ۵ و ۷ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۶ — پ ۱۷: ۲ و ۶ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۵ و ۱۰
پ ۱۷/۱۶ — پ ۱۸: ۱ و ۲ و ۴ و ۷ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۷ — پ ۱۹: ۲ و ۴ و ۵ و ۸ و ۹ و
پ ۱۹: ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۹ — پ ۲۰: ۳ و ۶ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۷ — پ ۲۱: ۱ و ۶ و ۷ و ۸ و
پ ۲۱: ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۰ — پ ۲۲: ۳ و ۵ و ۷ و ۸ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶
پ ۲۳: ۲ و ۶ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۹ و ۱۷ — پ ۲۴: ۱ و ۲ و ۶ و ۸ و ۱۴ و ۱۸
پ ۲۵: ۳ و ۴ و ۵ و ۸ و ۹ و ۱۶ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ — پ ۲۶: ۴ و ۵ و ۷ و ۹ و ۱۰
پ ۲۶: ۱۲ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ — پ ۲۷: ۴ و ۶ و ۵ و ۱۸ و ۱۹ — پ ۲۸: ۱ و ۲ و ۴ و ۵ و
پ ۲۸: ۱۰ و ۱۱ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۷ و ۱۹ — پ ۲۹: ۳ و ۴ و ۷ و ۸ و ۱۱ و ۱۵ و
پ ۲۹: ۱۸ و ۱۹ — پ ۳۰: ۲ و ۳ و ۴ و ۸ و ۱۰ و ۱۴ و ۲۳ و ۲۵ و ۳۲

ذٰلِکِ: یہ، یہی، اسم اشارہ ہے، واحد مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پ ۳/۱۳ پ ۲۶/۱۹

ذٰلِکُمْ: یہ، یہی، اس میں کُمْ ضمیر جمع خطاب کے لیے ہے، پ ۱/۶ پ ۲/۱۴ پ ۳/۷ و ۱۰ و ۱۵ پ ۴/۹ پ ۵/۱ پ ۶/۵ پ ۷/۱۸ و ۱۹ پ ۸/۴ و ۱۸ پ ۹/۹ و ۱۶ پ ۱۰/۱۲ پ ۱۱/۶ و ۹ پ ۱۳/۱۳ پ ۱۷/۵ و ۱۶ پ ۱۸/۱۰ پ ۲۰/۱۴ پ ۲۱/۷ و ۱۶ پ ۲۲/۴ و ۱۴ پ ۲۳/۱۵ پ ۲۴/۷ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۷ پ ۲۵/۳ و ۴ پ ۲۸/۱ و ۸ و ۱۰ و ۱۲ پ ۲۸/۱۷

ذٰلِکُمَا: یہ، یہی، اس میں کُمَا ضمیر تثنیہ خطاب کے لیے ہے، پ ۱۲/۱۵

ذٰلِکُنَّ: یہی۔ اس میں کُنَّ ضمیر جمع مؤنث خطاب کے لیے ہے۔ پ ۱۲/۱۴

ذٰنِکَ: یہ دو، ذَانِ ذَا کا تثنیہ ہے، اسمارِ اشارہ میں سے ہے اور کَ ضمیر خطاب ہے۔ پ ۲۰/۷

ذَاهِبٌ: جانے والا، ذَهَابٌ سے اسم فاعل کا

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو اِذْهَبْ) پ ۲۳/۴

ذَائِقُوْا: چکھنے والے، ذَائِقٌ کی جمع ذَوْقٌ سے
اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، اصل میں ذَائِقُوْنَ تھا،
نون اضافت کے سبب گر پڑا (ملاحظہ ہو ذَاقَا) پ ۲۳/۶

ذَائِقُوْنَ: چکھنے والے، ذَوْقٌ سے، اسم فاعل
کا صیغہ جمع مذکر، پ ۲۳/۶

ذَائِقَةٌ: چکھنے والی، ذَوْقٌ سے اسم فاعل کا
صیغہ واحد مونث، پ ۴/۱۰ پ ۷/۱۷ پ ۲۱/۲

فصل الباء الموحدۃ

ذُبَابٌ: مکھی، اَذِبَّةٌ، ذِبَّانٌ، ذُبٌّ جمع۔ پ ۱۷/۱۴
ذُبَابًا۔ پ ۱۷/۱۴

ذُبِحَ: وہ ذبح کیا گیا، ذَبْحٌ سے ماضی مجہول کا
صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو اِذْبَحُكَ) پ ۶/۵

ذِبْحٌ: قربانی، جس چیز کو ذبح کیا جائے اس کا نام
ذِبْحٌ ہے۔ پ ۲۳/۷

ذَبَحُوْهَا: انھوں نے اس کو ذبح کیا، ذَبَحُوْا
ذِبْحٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ھا ضمیر واحد
مونث غائب، پ ۱/۸

فصل الراء المهملة

ذَرْ: تو چھوڑ دے (سَمِعَ، فَتَحَ) وَذْرٌ سے جس کے
معنی چھوڑ دینے کے ہیں، امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر
اس کی ماضی نہیں آتی ہے۔ پ ۸/۱۴

ذَرَاَ: اس نے پیدا کیا، اس نے پھیلایا، اس نے
بکھیرا، ذَرْءٌ سے، جس کے معنی پیدا کرنے اور ظاہر
کرنے اور پھیلانے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ، واحد
مذکر غائب، پ ۸/۳ پ ۸/۱۴

ذِرَاعًا: گز، بازو، ہاتھ کہنی سے لیکر بیچ کی انگلی
کے سرے تک جو ہاتھ کا حصہ ہے "ذراع" کہلاتا ہے
اَذْرُعٌ اور ذُرْعَانٌ جمع پ ۲۹/۵

ذِرَاعَيْهِ: اس کے دونوں ہاتھ، اس کے دونوں
بازو۔ ذِرَاعَيْ ذِرَاعٌ کا تثنیہ، مضاف ہے اور اضافت
کے سبب نون تثنیہ حذف ہو گیا ہے ہٖ ضمیر واحد
مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۵/۱۵

ذَرَاَكُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا، اس نے تم کو
پھیلایا، اس نے تم کو بکھیر دیا۔ اس میں کُمْ ضمیر جمع
مذکر حاضر ہے (ملاحظہ ہو ذَرَاَ) پ ۸/۵ پ ۲۹/۲

ذَرَاْنَا: ہم نے پیدا کیا، ہم نے پھیلا دیا، ذَرْءٌ سے
ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔ پ ۹/۱۲

ذَرْعًا: طاقت، گنجائش، ہاتھ کی کشادگی۔
ذَرَعَ يَذْرَعُ کا مصدر ہے۔ خازن بغدادی لکھتے ہیں

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ازہری کا بیان ہے کہ ذرع طاقت کی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی اصل یوں ہے کہ اونٹ اپنی رفتار میں اگلے قدموں کو پچھلے قدموں کی وسعت کے اعتبار سے بڑھاتا ہے اور جب اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے اگلے قدم رُک جاتے ہیں اور وہ کمزور ہو کر اپنی گردن لمبی کر دیتا ہے، پس "ضیق ذرع" سے گنجائش اور طاقت کا ختم ہو جانا مراد لیا گیا اور ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا کے معنی ہوئے کہ معاملہ کی خرابی سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہو سکی اور ازہری کے علاوہ دوسرے علما، کا بیان ہے کہ اس کے معنے دل تنگی اور کڑھنے کے ہیں اور اس کی اصل کا پتہ نہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذرع وسعت (گنجائش) سے کنایہ ہے کیونکہ ذراع، ید میں داخل ہے اور عرب والے بولتے ہیں لیس ھذا فی یدی (یہ میرے ہاتھ میں نہیں) اور مراد یہ لیتے ہیں کہ اس کی مجھ میں گنجائش نہیں، اور ضاق فلان ذرعا بلکہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس سے نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔[1] پ ۱۲/۷ پ ۲۰/۱۶

ذَرْعُهَا: اس کا طول، اس کی درازی، اس کا ناپ۔ ذَرْعٌ مصدر ہے جس کے معنی پیمائش کرنے اور ناپنے کے آتے ہیں، مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ۔ پ ۲۹/۵

ذَرْنَا: تو ہم کو چھوڑ دے، اس میں نَا ضمیر جمع متکلم ہے (ملاحظہ ہو ذَرْ) پ ۱۰/۷

ذَرْنِي: تو مجھ کو چھوڑ دے، اس میں نون وقایہ اور ی ضمیر واحد متکلم ہے۔ پ ۲۹/۱۴و۱۳و۱۵

ذَرْوًا: اڑانا، پراگندہ کرنا، جدا کرنا۔ ذَرَا یَذْرُوْ کا مصدر ہے۔ پ ۲۶/۱۸

ذَرُوْا: تم چھوڑ دو، وَذْرٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر (ملاحظہ ہو ذَرْ) پ ۳/۶ پ ۸/۱ پ ۹/۱۲ پ ۲۸/۱۲

ذَرُوْنَا: تم ہم کو چھوڑ دو۔ اس میں نَا ضمیر جمع متکلم ہے۔ پ ۲۶/۱۰

ذَرُوْنِي: تم مجھے چھوڑ دو، اس میں نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم ہے۔ پ ۲۴/۸

ذَرُوْهُ: تم اس کو چھوڑ دو۔ اس میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب ہے۔ پ ۱۲/۱۶

ذَرُوْهَا: تم اس کو چھوڑ دو اس میں ھا ضمیر واحد مونث غائب ہے پ ۸/۱۲ پ ۱۲/۶

[1] لباب التاویل ج ۳ ص ۱۹۸ طبع مصر ۱۳۱۷ھ

ذَرَّۃٍ: ذرہ۔ چھوٹی چیونٹی، ذَرَّاتُ جمع، پ ۵/۳ پ ۱۱/۱۲ پ ۲۲/۷و۹ پ ۳۰/۲۴۔

ذَرْھُمْ: تو ان کو چھوڑ دے، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو ذَرْ) پ ۷/۱۷ پ ۸/۱و۳ پ ۱۴/۱ پ ۱۸/۴ پ ۲۵/۱۳ پ ۲۷/۴ پ ۲۹/۸

ذُرِّیّٰتِنَا: ہماری اولاد، ذُرِّیّٰتِ، ذُرِّیَّۃٌ کی جمع مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۱۹/۴

ذُرِّیّٰتِہِمْ: ان کی اولاد۔ ذُرِّیّٰتِ مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۷/۱۶ پ ۱۳/۹ پ ۲۴/۶۔

ذُرِّیَّۃٌ: اولاد، اصل میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا نام "ذُریت" ہے، مگر عرف میں چھوٹی اور بڑی سب اولاد کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے اور اگرچہ اصل میں یہ جمع ہے مگر واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے، ذُرِّیَّۃ کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) یہ ذَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی پیدا کرنے اور پھیلانے کے ہیں اور اس کی ہمزہ متروک ہوگئی ہے جیسے کہ رَوِیَّۃٌ اور بَرِیَّۃٌ میں (۲) اس کی اصل ذُرُوِیَّۃٌ ہے۔ (۳) ذَرٌّ سے جس کے معنی بکھیرنے کے ہیں فُعْلِیَّۃٌ کے وزن پر ہے جیسے قُمْرِیَّۃٌ ہے ذُرَارِیٌّ اور ذُرِّیَّاتٌ جمع پ ۳/۶و۱۲ پ ۴/۱۲ پ ۸/۴ پ ۹/۱۲ پ ۱۱/۱۴ پ ۱۲/۱۲ پ ۱۵/۱

پ ۱۶/۷:

ذُرِّیَّتَنَا: ہماری اولاد، ذُرِّیَّۃَ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۱/۱۵

ذُرِّیَّتِہٖ: اس کی اولاد، ذُرِّیَّۃِ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ پ ۷/۱۶ پ ۱۵/۷و۱۹ پ ۲۰/۱۵ پ ۲۳/۷

ذُرِّیَّتَہَا: اس کی اولاد، ذُرِّیَّۃَ مضاف، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ، پ ۳/۱۲

ذُرِّیَّتَہُمْ: ان کی اولاد، ذُرِّیَّۃَ مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۹/۱۲ پ ۲۳/۲ پ ۲۷/۳

ذُرِّیَّتِہِمَا: ان دونوں کی اولاد، ذُرِّیَّۃِ مضاف ھُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ پ ۲۳/۷ پ ۲۷/۲۰

ذُرِّیَّتِیْ۔ میری اولاد، ذُرِّیَّۃِ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ ۱/۱۵ پ ۱۳/۱۸

فصل القاف

ذُقْ: تو چکھ، ذَوْقٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر (ملاحظہ ہو ذَاقَا) پ ۲۵/۱۶

فصل الکاف

ذِکْرٌ: ذکر، یاد، پند، نصیحت، بیان، ذکر کیا گیا

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کا مصدر ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں :-
"ذِکر بول کر کبھی تو اس سے نفس کی وہ ہیئت
مراد لی جاتی ہے کہ جس کے ذریعہ انسان کے لیے
جو کچھ معرفت حاصل کرے، اس کا یاد رکھنا
ممکن ہو اور یہ حفظ ہی کی طرح ہے مگر حفظ باعتبار
اس کے حصول کے بولا جاتا ہے اور ذکر باعتبار
اس کے استحضار کے (یعنی حفظ یاد کرنے کے
لیے) اور کبھی ذکر کسی چیز کے دل میں یا گفتگو میں
یاد آجانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اور اسی لیے
کہا گیا ہے کہ ذکر دو ہیں، ذکر قلبی اور ذکر لسانی،
اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں
ایک بھولے پیچھے یاد آنا، دوسرے بغیر بھولے
یاد رہنا بلکہ دائمی یاد رکھنا، نیز ہر قول یعنی گفتگو
اور بیان کو بھی ذکر کہا جاتا ہے"۔

اور بیہقی تاج المصادر میں رقمطراز ہیں :-
ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ذکر جو نسیان
کی ضد ہے جیسے ارشاد باری جل وعلا ہے وَمَآ
اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (اور مجھ
کو بھلایا شیطان ہی نے کہ اس کا مذکور کروں)
اور ایک وہ ذکر جو کہ قول ہے جس کا ذکر ہو اس
کی برائی نہ ہو جیسا کہ عام طور پر گفتگو میں ہوتا ہے
نیز وہ گفتگو بھی جس میں مذکور کا عیب بیان ہو
جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی قوم کی زبانی بیان فرمایا ہے سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ
(ہم نے سنا ہے ایک جوان ان کو کچھ کہتا ہے) یعنی
ان کو عیب دیتا ہے"۔

آیت شریفہ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا
(کیا ہم سب میں سے اسی پر ذکر اتارا گیا) میں ذِکر
سے قرآن مجید مراد ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور
کونسا ذکر ہے۔ پ ۳/۱۴، پ ۷/۲، پ ۸/۱۵و۱۶، پ ۱۲/۱۵، پ ۱۳/۵و۱۰، پ ۱۴/۱ و ۱۲
پ ۱۶/۴، پ ۱۷/۱،۲،۳و۴و۷، پ ۱۸/۱۱و۱۷، پ ۱۹/۱و۵، پ ۲۱/۱، پ ۲۲/۱۸، پ ۲۳/۴و۱۰و
۱۲و۱۳و۱۴و۱۶، پ ۲۴/۱۹، پ ۲۵/۷و۱۰، پ ۲۷/۸و۹و۱۸، پ ۲۸/۲و۱۲و۱۴
پ ۲۹/۱۱و۱۴، پ ۳۰/۶

ذِکرًا: پ ۲/۹، پ ۱۵/۲۱، پ ۱۶/۲و۱۴و۱۵، پ ۱۷/۴، پ ۲۲/۳، پ ۲۳/۵و۹
پ ۲۸/۱۸، پ ۲۹/۲۱

ذَکَرٌ: مرد، نر، ذُکُورٌ اور ذُکْرَانٌ جمع، کبھی اس سے
عضوِ مخصوص کا کنایہ بھی ہوتا ہے، پ ۳/۱۲، پ ۴/۱۱و۱۳، پ ۵/۱۵
پ ۶/۴، پ ۱۴/۱۹، پ ۲۴/۱۰، پ ۲۶/۱۴، پ ۲۷/۵و۷، پ ۲۹/۱۸، پ ۳۰/۱۷

ذَکَرَ: اس نے ذکر کیا، اس نے یاد کیا (نقر) ذِکْرٌ
سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ پ ۲۱/۱۹، پ ۳۰/۱۲

ذُکِرَ: وہ یاد کیا گیا، وہ ذکر کیا گیا۔ ذِکْرٌ سے ماضی
مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۸/۱، پ ۹/۱۵، پ ۱۱/۱۲، پ ۲۴/۲، پ ۲۶/۷

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ذُکِّرَ: اس کو یاد دلایا گیا۔ اس کو سمجھایا گیا، اس کو نصیحت کی گئی، تَذْکِیْرٌ سے جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو تَذْکِیْرًا) پ ۱۵/۲۰ پ ۲۱/۱۵

ذَکِّرْ: تو یاد دلا، تو سمجھا، تو نصیحت کر، تَذْکِیْرٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، پ ۷/۱۴ پ ۲۶/۱۷ پ ۲۷/۲و۴ پ ۳۰/۱۲و۱۳

ذُکْرَانٌ: مرد، ذَکَرٌ کی جمع، پ ۱۹/۱۳

ذُکْرَانًا۔ پ ۲۵/۶

ذَکَرْتَ: تو نے یاد کیا، تو نے ذکر کیا، ذِکْرٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر، پ ۱۵/۵ ۔

ذُکِّرْتُمْ: تم کو سمجھایا گیا، تم کو نصیحت کی گئی، تَذْکِیْرٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ (ملاحظہ ہو تَذْکِیْرًا) پ ۲۲/۱۹

ذِکْرَكَ: تیرا ذکر، تیری یاد، تیرا مذکور، ذِکْرُ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۳۰/۱۹

ذِکْرِکُمْ: تمہارا مذکور، تمہارا ذکر، تمہارا یاد کرنا تمہاری نصیحت، ذِکْرِ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۱۷/۱

ذِکْرِنَا: ہماری یاد، ذِکْرِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، پ ۱۵/۱۶ پ ۲۷/۶

ذَکَرُوْا: اُنہوں نے یاد کیا، اُنہوں نے ذکر کیا، ذِکْرٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۷/۵ پ ۱۹/۱۵

ذُکِّرُوْا: ان کو سمجھایا گیا، ان کو نصیحت کی گئی، ان کو یاد دلائی گئی، تَذْکِیْرٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب، پ ۶/۷ پ ۷/۱۱ پ ۹/۱۱ پ ۱۹/۴ پ ۲۱/۱۵ پ ۲۳/۵

ذَکَرَہٗ: اس کو یاد کیا، اس کو ذکر کیا، ذَکَرَ صیغہ ماضی ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب پ ۲۹/۱۶ پ ۳۰/۵

ذِکْرِهِمْ: ان کا ذکر، ان کی نصیحت، ذِکْرِ مضاف هِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۱۸/۴

ذَکِّرْهُمْ: تو ان کو نصیحت کر، تو ان کو یاد دلا، ذَکِّرْ تَذْکِیْرٌ سے صیغہ امر، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب پ ۱۳/۱۴

ذِکْرٰی: نصیحت کرنا، ذکر کرنا، یاد، پند، موعظت ذَکَرَ یَذْکُرُ کا مصدر ہے، کثرتِ ذکر کے لیے ذِکْرٰی بولا جاتا ہے، یہ ذکر سے زیادہ بلیغ ہے پ ۷/۱۴،۱۶ پ ۸/۸ پ ۱۲/۱۰ پ ۱۴/۶ پ ۱۹/۱۵ پ ۲۱/۱ پ ۲۳/۱۲،۱۶ پ ۲۴/۱۱ پ ۲۵/۱۴ پ ۲۶/۱۵،۱۷ پ ۲۷/۲ پ ۲۹/۱۵ پ ۳۰/۵،۱۲،۱۳و۱۴

ذِکْرِیْ: میری نصیحت، میری یاد، میرا ذکر، ذِکْرِ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ پ ۱۶/۲،۱۰،۱۱،۱۶ پ ۱۸/۶ پ ۲۳/۱۰

ذَکَرَیْنِ: دو مرد، دو نر۔ ذَکَرٌ کا تثنیہ بحالت نصب و جر، پ ۸/۴

ذِکْرِهَا: اس کی یاد، اس کا مذکور، اس کا ذکر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ذِکْرٰی مضاف، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف
الیہ، پ ۳۰/۱۴

ذِکْرٰھُمْ: اُن کا نصیحت پکڑنا، ان کا یاد کرنا۔
ذِکْرٰی مضاف، ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ
پ ۲۶/۶

ذُکُوْرٌ: مرد، ذَکَرٌ کی جمع، پ ۲۵/۶

ذُکُوْرِنَا: ہمارے مرد، ذُکُوْرِ مضاف، نَا ضمیر جمع
متکلم مضاف الیہ پ ۸/۳

ذَکَّیْتُمْ: تم نے ذبح کیا۔ تَذْکِیَۃٌ سے جس کے
معنی ذبح کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر
پ ۶/۵

فصل اللام

ذُلٌّ: تواضع، ذلت، عاجزی، ذَلَّ یَذِلُّ کا
مصدر ہے، دوسرے کے دباؤ اور قہر کی بنا پر جو ذلت
ہو اُس کو ذُلٌّ کہتے ہیں اور بغیر کسی کے قہر اور دباؤ کے
خود اپنی سرکشی اور سخت گیری کے بعد جو ذلت حاصل
ہو وہ ذِلٌّ کہلاتی ہے پ ۵/۲،۳ پ ۲۵/۶

ذُلُلًا: مسخر، مطیع، منقاد، ذَلُوْلٌ کی جمع پ ۱۴/۱۵

ذُلِّلَتْ: وہ پست کر دی گئی، وہ مسخر کر دی گئی،
وہ تابع کر دی گئی، تَذْلِیْلٌ سے۔ ماضی مجہول کا صیغہ
واحد مؤنث غائب (ملاحظہ ہو تَذْلِیْلًا) پ ۲۹/۱۹

ذَلَّلْنٰھَا: ہم نے اُن کو رام کر دیا۔ ہم نے ان کو
فرمانبردار کر دیا، ہم نے ان کو عاجز کر دیا ذَلَّلْنَا
تَذْلِیْلٌ سے، ماضی کا صیغہ جمع متکلم، ھَا ضمیر واحد
مؤنث غائب، اَنْعَام (مویشی) کی طرف راجع ہے
اس لیے جمع کے معنی دیئے۔ پ ۲۳/۴

ذَلُوْلٌ: رام، نرم، مطیع، ہموار، پست، ذُلٌّ
اور ذِلٌّ سے، صفتِ مشبہ کا صیغہ ذُلُلٌ جمع پ ۱/۸

ذَلُوْلًا پ ۲۹/۲

ذِلَّۃٌ: ذلت، خواری، رسوائی، ذَلَّ یَذِلُّ کا
مصدر ہے پ ۱/۶ پ ۴/۳ پ ۹/۹ پ ۱۱/۸ پ ۲۹/۴،۸

فصل المیم

ذِمَّۃٌ: عہد، ذِمَمٌ جمع، پ ۱۰/۸

فصل النون المعجمہ

ذَنْبٌ: گناہ، ذُنُوْبٌ جمع، اصل میں ذَنْبٌ
کے معنی کسی چیز کی دُم پکڑنے کے ہیں، اور دُم کے اعتبار
سے ہی اس کا استعمال ہر اس فعل کے متعلق ہوتا ہے
جس کا انجام بُرا ہو، اور اسی وجہ سے بُرے انجام کا
نام ذنب ہے، اور چونکہ گناہ کا انجام بُرا ہے اس لیے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اسے "ذنب" کہتے ہیں، پ ۱۹/۶ پ ۲۴/۶ پ ۳۰/۶

ذَنْبِكَ: تیرا بُرا انجام، تیرا گناہ، ذَنْبِ مضاف کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۱۲/۱۳ پ ۲۴/۱۱ پ ۲۶/۶ و ۹

ذَنْبِهٖ: اس کا گناہ، ذَنْبِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ن ۲۰/۱۶ پ ۲۷/۱۲

ذَنْبِهِمْ: ان کا گناہ ذَنْبِ مضاف ہِم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۲۹/۱ پ ۳۰/۱۶

ذَنُوْبِ: بھرا ڈول، بطور استعارہ حصہ اور نصیب کے معنی میں بھی آتا ہی، ذَنَائِبُ، ذِنَابُ اور اَذْنِبَةٌ جمع پ ۲۷/۲ ذَنُوْبًا پ ۲۷/۲

ذُنُوْبُ: گناہ، ذَنْبُ کی جمع پ ۴/۵ پ ۱۵/۲ پ ۱۹/۳ پ ۲۴/۳

ذُنُوْبِكُمْ: تمہارے گناہ، ذُنُوْبِ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۲/۱۲ پ ۶/۷ پ ۱۳/۱۴ پ ۲۲/۶ پ ۲۶/۴ پ ۲۸/۱۰ پ ۲۹/۹۔

ذُنُوْبَنَا: ہمارے گناہ، ذُنُوْبَ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۲/۱۰ پ ۴/۶ و ۱۱ پ ۱۲/۵ پ ۲۴/۷

ذُنُوْبِهِمْ: ان کے گناہ، ذُنُوْبِ مضاف هِمْ جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۳/۱۰ پ ۴/۵ پ ۶/۱۱ پ ۷/۷ پ ۹/۳ پ ۱۰/۳ پ ۱۱/۲ پ ۲۰/۱۱ پ ۲۴/۸

فصل الواو

ذُوْ: والا، صاحب، اسم ہی، اس کے ذریعہ اسماءِ اجناس وانواع سے موسوم کیا جاتا ہی، یہ اسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ہی یعنی ان چھ اسموں میں سے ہی کہ جب ان کی تصغیر نہ ہو اور وہ غیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کو پیش کی حالت میں واو، زبر کی حالت میں الف اور زیر کی حالت میں یا آتی ہی جیسے ذو، ذا، ذی۔ یہ ہمیشہ مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اور اسم ظاہر ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے، ضمیر کی طرف نہیں، اور اس کا تثنیہ بھی آتا ہے اور جمع بھی۔ علامہ سہیلی کا بیان ہے :-

"ذُوْ کے وصف میں صاحب کے وصف کی بہ نسبت زیادہ بلاغت ہی اور اس کے ذریعہ اضافت میں زیادہ شرف ہی کیونکہ ذُوْ تابع کی طرف مضاف ہوتا ہے اور صاحب متبوع کی طرف چنانچہ ابو هریرة صاحب النبی بولتے ہو النبی صاحب ابی هریرة نہیں بولتے لیکن ذو کے ساتھ جب ذو المال اور ذو العرش کہو گے تو پہلا اسم تمہیں متبوع ہی ملیگا تابع نہیں، اور یہی فرق ہی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورة الانبیا میں فرمایا ہی وَذَا النُّوْنِ اور اس کی اضافت نون کی طرف کی ہی جس کے معنی مچھلی کے ہیں اور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سورۂ ن میں ارشاد ہے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ
حالانکہ معنی ایک ہی ہیں لیکن دو مختلف حالتوں
کی طرف جس خوبی کے ساتھ دونوں لفظوں
میں اشارہ کیا ہے، بڑا تفاوت ہے، کیونکہ تعریف
کے موقع پر جب ان کا ذکر کیا تو ذا لایا گیا کہ اس
ذریعہ اضافت میں زیادہ بزرگی ہے، نیز لفظ
نون استعمال کیا کہ وہ لفظ حوت سے اشرف ہے،
کیونکہ اوائل سورہ میں موجود ہے اور لفظ حوت
میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس کے ذریعہ
اس کو شرف حاصل ہو، اس لیے اسی کو
استعمال کیا گیا اور جب ایسے مقام پر ان کا ذکر
کیا جہاں ان کی پیروی سے نہی ہے تو صاحب
کا استعمال کیا گیا"[1]

پ ۱/۱۳ پ ۲/۱۲ و ۱۷ پ ۳/۴ و ۹، ۱۶ پ ۴/۷ و ۹ پ ۷/۳ پ ۸/۳ و ۵ پ ۹/۱۸ پ ۱۱/۱۱
پ ۱۳/۲ و ۷ و ۱۹ پ ۱۵/۲۰ پ ۲۰/۲ و ۱۱ پ ۲۳/۱۰ پ ۲۴/۷ و ۱۲ و ۱۹ پ ۲۵/۱ پ ۲۶/۲ و ۵ و
پ ۲۷/۱۱ و ۱۲ و ۱۹ و ۲۰ پ ۲۸/۱۱ و ۱۷ پ ۳۰/۱۰

ذَوَا: والے، صاحب، ذُو کا تثنیہ بحالتِ رفع پ ۸/۳ و ۴

ذَوَاتَا: والیاں، صاحب ذَاتٌ کا تثنیہ بحالتِ
رفع (ملاحظہ ہو ذَات) پ ۲۷/۱۳

ذَوَاتَي: والیاں، صاحب، ذَاتٌ کا تثنیہ بحالتِ
نصب وجر پ ۲۲/۸

ذُوقُوا: تم چکھو، ذَوْقٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر
(ملاحظہ ہو ذَاقَا) پ ۲/۲ و ۱۰ پ ۷/۹ پ ۸/۱۱ پ ۹/۱۸ پ ۱۰/۳ و ۱۱ و ۱۱ پ ۱۱/۱۰
پ ۱۷/۹ پ ۲۱/۲ و ۱۵ پ ۲۲/۱۱ و ۱۶ پ ۲۳/۱۷ پ ۲۶/۴ و ۱۸ پ ۲۷/۹ و ۱۰ پ ۳۰/۱

ذُوقُوهُ: تم اس کو چکھو، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر
غائب ہے، پ ۹/۱۶

ذَوَيْ: والے، صاحب، ذُو کا تثنیہ بحالتِ نصب
وجر، پ ۲۸/۱۷

ذَوِيْ: والے، صاحب، ذُو کی جمع بحالتِ نصب
وجر، پ ۲/۶

فصل الہاء

ذَهَابٍ: جانا، چلنا، چھوڑنا، ذَهَبَ يَذْهَبُ
کا مصدر ہے (ملاحظہ ہو ذَهَبَ) پ ۱۸/۱

ذَهَبَ: وہ گیا، وہ لے گیا۔ ذَهَابٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ پ ۱/۲ پ ۱۲/۲ و ۷ پ ۱۷/۶ پ ۱۸/۵ پ ۲۱/۱۸
پ ۲۹/۱۸۔

ذَهَبٍ: سونا، زر، اَذْهَابٌ، ذُهُوبٌ، ذُهْبَانٌ
جمع پ ۳/۱۰ پ ۱۰/۱۱ پ ۱۵/۱۶ پ ۱۷/۱۰ پ ۲۲/۶ پ ۲۵/۱۱ و ۱۳

ذَهَبًا۔ پ ۳/۱۷

[1] الاتقان مولفہ امام سیوطی ج ۱ ص ۱۶۳ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ذَهَبَتْ: وہ گئی، وہ چلی گئی، ذَهَاب سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب، ۲۸/۸

ذَهَبْنَا: ہم گئے، ہم چلے گئے، ذَهَاب سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر متکلم ۱۲/۱۲

ذَهَبُوا: وہ گئے، وہ لے گئے، ذَهَاب سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ۱۲/۱۲

فصل الیاء المثناۃ

ذِی: والا، صاحب، اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ (ملاحظہ ہو ذُو) ۱/۲ ۵/۳ ۵/۱ ۱/۱ ۱۱/۱۰ ۱۳/۱۸ و ۱۳ ۱۴/۱۹ ۵/۵ ۱۶/۲ ۲۳/۱۷ ۲۴/۹ ۲۷/۱۳ ۲۸/۴ ۲۹/۲۱ ۳۰/۱۵

ذِئْبٌ: گرگ، بھیڑیا۔ ذِئَابٌ، اَذْؤُبٌ، ذُؤْبَانٌ جمع ۱۲/۱۲

بابُ الراء المهملة

فصل الالف

رَاٰ: اُس نے دیکھا، رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ، واحد مذکر غائب، یہ تمام قرآن میں بغیر یا کے تنہا الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے، البتہ سورۃ النجم میں دو جگہ ی کے ساتھ مرقوم ہے (ملاحظہ ہو اٰدی اور دَاٰی) ۱/۱۵ ۱۳/۷ و ۱۲ ۱۴/۱۸ ۱۵/۱۹ ۱۶/۱۰ ۲۱/۱۹

رَابِطُوْا: تم دل لگائے رہو، تم لگے رہو، تم آمادہ رہو، رِبَاطٌ اور مُرَابَطَۃٌ سے جس کے معنی محافظت اور نگرانی کرنے اور چوکی دینے کے ہیں امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں:۔

"مُرَابَطَۃٌ کی اصل یہ ہے کہ اِدھر کے لوگ اپنے گھوڑے اور اُدھر کے لوگ اپنے گھوڑے اس طرح باندھ لیں کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے سے جنگ کے لیے مستعد رہے، بعد میں ہر اُس شخص کو جو سرحد پر اقامت گزین ہو کر سرحد پار کا دفاع کرنے لگا، مُرابط کہنے لگے گو اس کے پاس کوئی سواری بندھی ہوئی نہ ہو"۔[ا]

شرعاً مرابطت کی دو قسمیں ہیں ایک اسلامی سرحد پر کافروں کے مقابلہ میں دفاع کے لیے چوکی دیتے رہنا، دوسرے نفس کی بندش اور نگرانی کرنا، اسی لیے حدیث میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مصروف رہنے کو رباط کہا گیا ہے، ۴/۱۱

ا۔ تفسیر لباب التاویل ۱۲ ص ۳۹۴، ۳۹۵ طبع مصر

رَابِعُهُمْ: ان کا چوتھا، رابع اسم عدد مضاف
ہے ہُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ۱۵/۱۵ پ ۲۸/۲

رَابِیًا- چڑھنے والا، پھولنے والا، بلند۔ رَبْوٌ سے
جس کے معنی پھولنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ
واحد مذکر پ ۱۳/۸

رَابِیَۃً: سخت، زائد، رُبُوٌّ سے جس کے معنی
بڑھنے اور زائد ہونے کے ہیں۔ اسم فاعل کا صیغہ
واحد مؤنث پ ۲۹/۵ ۔

رَأَتْہُ: اس (عورت) نے اس کو دیکھا، رَأَتْ
رُؤْیَۃٌ سے، ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو آدَیٰ اور رَأَی)
پ ۱۹/۱۸

رَأَتْهُمْ: اس نے ان کو دیکھا، اس میں ہُمْ
ضمیر جمع مذکر غائب ہے، پ ۱۸/۱۷

رَاجِعُوْنَ: پھر جانے والے، لوٹنے والے رُجُوْعٌ
سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، رَاجِعٌ کی جمع بحالت
رفع (ملاحظہ ہو اِرْجِعْ اور رَجْعٌ) پ ۱/۵ پ ۳/۳
پ ۱۷/۶ پ ۱۸/۴

رَاجِفَۃُ: کانپنے والی، رَجْفٌ سے اسم فاعل
کا صیغہ واحد مؤنث (ملاحظہ ہو تَرْجُفُ) پ ۳/۳

رَاحِمِیْنَ: رحم والے، مہربانی کرنے والے رُحْمٌ
اور رَحْمَۃٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، رَاحِمٌ
کی جمع بحالت نصب وجر (ملاحظہ ہو رُحْمًا اور رَحْمَۃ)
پ ۹/۸ پ ۱۲/۲ پ ۱۳/۴ پ ۱۷/۶ پ ۱۸/۶

رَآدٌّ: رد کرنے والا، پھیرنے والا، دفع کرنے والا،
رَدٌّ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو تَرُدُّ)
پ ۱۱/۱۶

رَادِفَۃُ: پیچھے آنے والی، رِدْفٌ سے جس کے
معنی پیچھے ہونے اور کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنے کے
ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث پ ۳۰/۳

رَآدُّكَ: تجھ کو پھیرنے والا، تجھ کو لوٹانے والا، رَآدٌّ
مضاف کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۲۰/۱۲

رَآدُّوْهُ: اس کو پھیرنے والے، اس کو لوٹا دینے والے
رَآدُّوْ، رَدٌّ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب رَآدُّوْ اصل میں رَآدُّوْنَ تھا
نون جمع اضافت کے سبب گر پڑا۔ پ ۲۰/۴

رَآدِّیْ: پھیر دینے والے، لوٹا دینے والے، رَدٌّ
سے۔ اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب جر
یہ بھی اصل میں رَآدِّیْنَ تھا، نون جمع اضافت کے
سبب سے ساقط ہو گیا ہے، پ ۱۴/۱۶

رَازِقِیْنَ: رزق دینے والے، روزی دینے والے
رِزْقٌ سے، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر (ملاحظہ ہو

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اُرْزُقْ اور رِزْقُ) پ ۷/۵ پ ۱۴/۲ پ ۱۷/۱۵ پ ۱۸/۴ پ ۲۲/۱۱ پ ۲۸/۱۲

رَاسٌ: سر، رُؤُسٌ جمع۔ پ ۹/۸ پ ۱۶/۴

رَاسِخُوْنَ: ثابت قدم، مضبوط، پکّے رُسُوْخٌ سے جس کے معنی کسی شے کے استوار اور مضبوط ہونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر پ ۳/۹ پ ۶/۲

رَاْسِهٖ: اس کا سر، رَاْسٌ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۲/۸ پ ۱۲/۱۵ پ ۲۵/۱۶

رَاْسِیْ: میرا سر، رَاْس مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ ۱۲/۱۵ پ ۱۶/۱۴

رٰسِیٰتٍ: ایک جگہ دھری رہنے والی چولھوں پر قائم رہنے والی، رُسُوْءٌ سے جس کے معنی کسی چیز پر قائم رہنے اور استوار ہونے کے ہیں۔ اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث رَاسِیَۃٌ واحد، پ ۲۲/۸

رَاشِدُوْنَ: بھلائی پانے والے، راہ یافتہ رَشَدٌ اور رُشْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر رَاشِدٌ کی جمع (ملاحظہ ہو رَشَدٌ اور رُشْدٌ) پ ۲۶/۱۳

رَاضِیَۃً: پسندیدہ، خوش، من بھاتی، راضی، رِضٰی سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث، (ملاحظہ ہو ترضی) پ ۲۹/۵ پ ۳۰/۱۳، ۱۴ و ۲۶

رَاعِنَا: ہماری رعایت کر، ہمارا خیال رکھ، ہماری طرف کان لگا، رَاعِ مُرَاعَاۃٌ سے جس کے معنی کسی کی بات پر کان رکھنے اور دوسرے کے حق کی رعایت کرنے کے ہیں، امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر نا ضمیر جمع متکلم، شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں:-

"یہود پیغمبر کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے بعضی بات جو نہ سُنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے رَاعِنَا یعنی ہماری طرف بھی متوجہ ہوں، ان سے مسلمان بھی سیکھ کر کسی وقت یہ لفظ کہتے، سو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو اس کے معنی بھی یہی ہیں اور آگے سے سُنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے، یہود کو اس کہنے میں دغا تھی اس کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہو جاتا یعنی چرواہا اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے تھے"[1]

پ ۱/۱۳ پ ۵/۴

رَاعُوْنَ: نباہنے والے، رعایت کرنے والے، خبردار، رِعَایَۃٌ سے جس کے معنی نگہداشت رکھنے اور نگرانی کرنے کے ہیں، اسم فائل کا صیغہ جمع مذکر رَاعِیْ کی جمع بحالتِ رفع۔ پ ۱۸/۱ پ ۲۹/۷

رَاغَ: وہ جا گھسا، وہ پوشیدہ طور سے گیا (نَصَرَ) رَوْغٌ سے جس کے معنی چپکے سے کسی چیز کی طرف ہونے

[1] موضح القرآن سورۂ بقرہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور خفیہ داؤگھات لگانے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۲۳/۷ ۲۶/۱۹

رَاغِبٌ: رغبت کرنے والا، بے رغبتی کرنے والا رَغْبَةٌ سے، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، جب اس کے صلہ میں عن آتا ہے تو اس کے معنی بے رغبتی کرنے اور منہ پھیرنے کے ہوتے ہیں، اور یہاں یہی صورت ہے (رَغَبٌ اور رَغَبًا) پ ۱۶/۶

رَاغِبُوْنَ: رغبت کرنے والے، رَغْبَةٌ سے، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع رَاغِبٌ کی جمع۔

پ ۱۲ پ ۲۹/۳

رَافِعُكَ: تجھ کو اُٹھانے والا، رَافِعٌ رَفْعٌ سے جس کے معنی اُٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر مضاف ہے، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، واضح رہے کہ یہاں رفع سے رفع حقیقی جسمانی مراد ہے، رفع روحانی یا رفع درجات مراد نہیں ہے، جیسا کہ منکرین نزول مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خیال ہے، کیونکہ یہود مدعیانِ قتلِ مسیح ہیں اور آیت ان کے اس زعمِ باطل کی تردید میں ہے اور ظاہر ہے کہ اگر رفع روحانی یا رفع درجات مراد لیا جائے تو تردید کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، کیونکہ رفع روحانی یا رفع درجات اور قتل میں باہم کوئی منافات نہیں ہے، پس قتل کی تردید اس بات کے کہنے سے کس طرح ہو سکتی ہے کہ ان کی روح آسمان پر اُٹھا لی گئی یا ان کے درجے بلند ہو گئے، ہاں اگر رفع حقیقی جسمانی مراد لیا جائے تو بلا شبہ ان کے ادعاءِ قتل کی واشگاف تردید ہے کہ اُنہوں نے تو داؤ لگایا ہی ہے مگر ہم تم کو صحیح و سالم مع جسم کے اُٹھا لینگے، آیت کو بغور پڑھیئے کہ رفع حقیقی جسمانی یعنی صحیح و سالم زندہ و سلامت آسمان پر اُٹھا لینے کے علاوہ دوسرے معنی مناسب ہو ہی نہیں سکتے، ارشاد ہے:-

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ.

اور خفیہ تدبیر کی اُنہوں نے اور خفیہ تدبیر کی اللہ نے اور اللہ تدبیر کرنیوالوں میں بہتر ہے جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تجھ کو پھیر لونگا اور اُٹھا لونگا اپنی طرف،

شاہ عبد القادر صاحب رح فرماتے ہیں۔

یہود کے عالموں نے اس وقت کے بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص ملحد ہے، توریت کے حکم سے خلاف بتلاتا ہے، اس نے لوگ بھیجے کہ ان کو پکڑ لادیں، جب وہ پہنچے حضرت عیسیٰ کے یار سرک گئے۔ اس شتابی میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پر اُٹھالیا اور ایک صورت ان کی رہ گئی اسی کو پکڑ لائے پھر سولی پر چڑھایا[1]،،

غور کیجیے یہود کی خفیہ تدبیر تو یہ تھی کہ انھوں نے مکروفریب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانا چاہا اور حق تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو زندہ وسلامت آسمان پر اُٹھالیا اور جو شخص سب سے پہلے ان کو گرفتار کرنے آیا تھا اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی اور یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں اسی شخص کو سولی پر چڑھا دیا، اب یہاں کس طرح سے رفعِ جسمانی حقیقی کے علاوہ کچھ اور مراد لیا جا سکتا ہے ۳/۱۴

رَافِعَۃٌ: بلند کرنے والی، اونچا کرنے والی رَفْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث، ۲۷/۱۴

رَأْفَۃٌ: ترس، مہربانی، شفقت، رحمت، نرمی، رَأَفَ یَرْأَفُ کا مصدر ہے۔ ۱۸/۲ ۲۷/۲۰

رَاقٍ: افسوں کنندہ، جھاڑ نے پھونکنے والا رُقْیَۃٌ سے جس کے معنی افسوں اور جھاڑ پھونک کرنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، ۲۹/۱۷

رَآكَ: اس نے تجھ کو دیکھا، رَأَی رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب کَ ضمیر واحد مذکر حاضر (ملاحظہ ہو اَرَأَیْ اور رَأَی) ۱۷/۳

رَاكِعًا۔ جھکنے والا، عاجزی کرنے والا۔ سجدہ کرنے والا، رکوع کرنے والا، رُكُوعٌ سے جس کے معنی انحنا یعنی جھکنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، رکوع کا استعمال کبھی تو نماز کی ہیئتِ مخصوصہ کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی تواضع وتذلل یعنی عاجزی اور گڑگڑانے کے لیے خواہ کسی عبادت میں ہو یا غیر عبادت میں ۲۳/۱۱

رَاكِعُوْنَ۔ رکوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے، جھکنے والے۔ رُكُوْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع، رَاكِعٌ کی جمع، ۶/۱۲ ۱۱/۳

رَاكِعِیْنَ: جھکنے والے، رکوع کرنے والے رُكُوْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالتِ نصب وجر رَاكِعٌ کی جمع ۱/۵ ۳/۱۳

رَانَ۔ اس نے زنگ پکڑ لیا۔ (ضَرَبَ) رَیْنٌ سے جس کے معنی زنگ آلودہ ہونے اور میل پکڑنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ۳۰/۸

رَاَوْا: انھوں نے دیکھا، رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، رَاَوْا اصل میں رَاَیُوْا تھا، ی متحرک ما قبل اس کا مفتوح اس یار کو الف سے بدلا، اب الف اور واؤ دو ساکن جمع ہوئے، الف کو

[1] موضح القرآن سورۂ آل عمران۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حذف کردیا۔ پ ۹/۸ پ ۱۶/۸ پ ۲۳/۵ پ ۲۳/۱۴ پ ۲۵/۶ پ ۲۸/۱۲ پ ۲۹/۱۲

رَاَوْا: انہوں نے دیکھا، رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۲/۴ پ ۱۱/۱۱ پ ۱۲/۱۴ پ ۲۰/۱۰ پ ۲۲/۱۰

رَاوَدْتُّنَّ: تم نے گفت وشنید کی، تم نے بہلایا تم نے پھسلایا، مُرَاوَدَۃٌ سے جس کے معنی دوسرے کو کسی کام پر جس کے کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو، پھسلانے، آمادہ کرنے، اور اس کے متعلق گفت وشنید کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ جمع مؤنث حاضر۔

راغب لکھتے ہیں:۔

والمراودۃ ان تنازع	مراودت یہ ہے کہ تمہاری اپنے غیر
غیرك فی الارادۃ	سے ارادہ میں نزاع ہو اور تم اس
فترید غیر ما یرید	بات کی خواہش کرو جو وہ نہیں چاہتا
او ترود غیر ما	یا تم بسہولت اس چیز کے طالب
یرود،	ہو جس کا وہ بسہولت طالب ہو

پ ۱۳/۱۷

رَاوَدَتْنِیْ۔ اس نے مجھے پھسلایا، اس نے مجھ سے گفت وشنید کی، اس نے مجھ سے خواہش کی رَاوَدَتْ مُرَاوَدَۃٌ سے۔ ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب، ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم، پ ۱۳/۱۳

رَاوَدْتُّهٗ: میں نے اس کو پھسلایا، میں نے اس سے گفت وشنید کی۔ رَاوَدْتُّ مُرَاوَدَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، پ ۱۲/۱۴و۱۷

رَاوَدَتْهُ: اس (عورت) نے اس کو پھسلایا، اس نے اس کو بہلایا۔ اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، پ ۱۳/۱۳

رَاوَدُوْهُ: انہوں نے اس سے گفت وشنید کی انہوں نے اس کو پھسلایا۔ رَاوَدُوْا مُرَاوَدَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب پ ۲۷/۹

رَاَوْكَ: انہوں نے تجھ کو دیکھا، اس میں كَ ضمیر واحد مذکر حاضر ہے (ملاحظہ ہو رَاَوْا) پ ۱۹/۲

رَاَوْهُ: انہوں نے اس کو دیکھا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے پ ۲۱/۸ پ ۲۶/۳ پ ۲۹/۲

رَاَوْھَا: انہوں نے اس کو دیکھا، اس میں ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے پ ۲۹/۳

رَاَوْھُمْ: انہوں نے ان کو دیکھا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے پ ۳۰/۴

رَاٰهُ: اس نے اس کو دیکھا۔ رَاٰی رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب۔ (ملاحظہ ہو رَاٰی) پ ۱۹/۱۸ پ ۲۲/۱۴ پ ۲۳/۶ پ ۲۸/۵ پ ۳۰/۶و۳

رَاٰھَا: اس نے اس کو دیکھا۔ اس میں ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے۔ پ ۱۹/۱۶ پ ۲۰/۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رَأْيٌ: دیکھنا، رَأَی یَرٰی کا مصدر ہے نیز غلبۂ ظن کی بنا پر نقیضین[1] میں سے کسی ایک پر نفس کے اعتقاد کا نام "رائے"[2] ہے، اس کی جمع آرَاءٌ ہے پ ۳۰/۱ ع ۱۳/۳

رَأٰی: اس نے دیکھا، رُؤْیَۃٌ اور رَائٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، رُؤْیَۃٌ کے معنی ادراکِ مرئی کے ہیں اور نفس کے مختلف قویٰ کے اعتبار سے اس کی مختلف قسمیں ہیں، اول آنکھ سے یا ایسی چیز سے جو آنکھ کے قائم مقام ہو دیکھنا جیسے لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ (البتہ تم دیکھو گے دوزخ کو پھر دیکھو گے دوزخ کو یقین کی آنکھ سے) یعنی بچشم سر دیکھو گے۔ اور فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (پس اب اللہ دیکھیگا تمہارے کام) آنکھ کے دیکھنے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ذرہ ذرہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو آنکھوں کی احتیاج نہیں، دوسرے بذریعہ وہم و تخیل جیسے وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (اور کبھی تو دیکھے جس وقت جان لیتے ہیں کافروں کی) کہ یہاں دیکھنے سے اس وقت کا خیال کرنا مراد ہے تیسرے بذریعہ تفکر جیسے اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ (میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے یعنی میں اس تفکر میں ہوں جس میں تم نہیں۔ چوتھے بذریعہ عقل جیسے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰی (جھوٹ نہیں کہا دل نے جو دیکھا) کہ یہاں رویت بذریعہ عقل ہے نیز جب رَأٰی کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہوگا تو علم کے معنی کا مقتضی ہوگا جیسے وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (اور جانتے ہیں وہ لوگ کہ جن کو علم دیا گیا ہے)[2] پ ۲۲ ع ۵

رَأَیْتُ: میں نے دیکھا۔ رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم۔ یہاں خواب میں دیکھنے کا مذکور ہے، بیداری کی حالت میں دیکھنے اور بحالت خواب دیکھنے میں یہ فرق ہے کہ بیداری میں حقیقۃً بذریعہ بصر اس شئے کا ادراک ہوتا ہے اور خواب میں اس شئے کا تصور قلب میں ہوتا ہے، اس توہم پر کہ بذریعہ حاسہ بصر اس کا ادراک ہو رہا ہے۔ حالانکہ بذریعۂ حاسۂ ادراک نہیں ہوتا"[4] پ ۱۲ ع ۱۱

رَأَیْتَ: تو نے دیکھا، رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر، اَرَأَیْتَ (کیا تو نے دیکھا۔ بھلا تو نے دیکھا) میں الف اولیٰ بلفظِ استفہام تقریر و تنبیہ کے لیے ہے محض استفہام کے لیے نہیں ہے۔[5]

---

۱ کلام میں وہ دو باتیں کہ ایک کے صحیح ہوتے دوسری صحیح نہ ہو سکے نقیضین کہلاتی ہیں، مثلاً کسی ایک ہی چیز کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سپید ہے اور وہ سپید نہیں، باہم نقیضین ہیں۔

۲ مفردات امام راغب۔ ۳ التحفۃ النظامیہ فی الفروق الاصطلاحیہ للشیخ علی اکبر النخلی طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۰۹ھ ۴ کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم لابن خالویہ ص ۲۰۱ طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۶۰ھ

امام راغب لکھتے ہیں :-

"اَرَاَیتَ اَخبِرنِی (تو مجھے بتا) کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس پر کٖ داخل ہوتا ہے اور تا کو تثنیہ جمع اور تانیث میں اسی کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور تغیر و تبدل کاف پر ہوتا ہے تا پر نہیں ہوتا، ارشاد ہے اَرَاَیتَكَ هٰذَا الَّذِی، قُل اَرَاَیتَکُم"

پ ۵/۶ ک ۷/۱۴ ث ۱۵/۲۱ ی ۱۶/۸ ب ۱۹/۲و۱۵ ث ۲۵/۱۹ ڈ ۲۶/۶ ث ۲۷/۷ ن ۳۰/۲۱و۲۲

ن ۳۰/۳۵ -

رَاَیتَكَ : تو نے دیکھا، یہاں اَرَاَیتَكَ (آیا تو نے دیکھا، بھلا دیکھ تو) ہے۔ اس میں الف بلفظ استفہام تنبیہ کے معنی میں ہے اور رَاَیتَ رُؤیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور كَ ضمیر واحد مذکر حاضر خطاب کے لیے ہے۔ امام اللغۃ علامہ ابنِ خالویہ لکھتے ہیں کہ

"اس کاف میں جو تا کے بعد ہے تین اقوال ہیں کسائی کے قول میں موضع نصب میں ہے، اس کی تقدیر اَرَاَیتَ نَفسَكَ ہے، اور فراء کے قول میں موضع رفع میں ہے اور تقدیر اَرَاَیتَ اَنتَ نَفسُكَ ہے اور اہل بصرہ کے قول میں کاف کا کوئی موضع نہیں بلکہ تاکید خطاب کے لیے آیا ہے جس طرح کہ ذَاكَ اور ذٰلِكَ میں سمجھا جاتا ہے"[1]

ث ۱۵/۷

رَءَیتُکُم : تم نے دیکھا، یہاں اَرَءَیتُکُم (دیکھو تو، کیا دیکھا ہے تم نے) ہے، اس میں ہمزہ بلفظِ استفہام تنبیہ کے معنی میں ہے، رَءَیتَ صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور کُم ضمیر جمع مذکر حاضر، خطاب جمع کے لیے ہے۔ علامہ ابن الشجری نے امالی میں تصریح کی ہے کہ اَرَاَیتَکُم وغیرہ میں جو تا کو فتحہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ تذکیر، تانیث کی اصل ہے اور توحید تثنیہ اور جمع کی، پس جب صیغہ واحد مذکر حاضر کو فتحہ تا سے مخصوص کر کے تا کو خطاب سے مجرد کر لیا گیا اور کاف اور جو کاف پر زیادہ کیا گیا ہے مثلاً کُمَا، کُم اور کُنَّ خطاب کے لیے مستقل ہو گیا تو تا کے لیے حرکت اصلیہ کو لازم کر دیا گیا[2]

ث ۷/۱۰و۱۱

رَءَیتُم : تم نے دیکھا۔ رُؤیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، اَرَءَیتُم اور اَفَرَءَیتُم میں ہمزہ بلفظ استفہام تنبیہ کے معنی میں ہے، ک ۱۱ ب ۱۱/۱۰و۱۱ ب ۱۲/۳و۶و۸

ث ۱۹/۹ ن ۲۰/۱۰ ب ۲۲/۱۷ ٹ ۲۴/۱ ث ۲۵/۱ ت ۲۶/۱ ب ۲۷/۵و۱۵ ث ۲۹/۲

رَاَیتُمُوهُ : تم نے اس کو دیکھا، اس میں واو

[1] اعراب ثلاثین سورة من القرآن الکریم ص ۲۰۲ [2] ملاحظہ ہو امالی ابن الشجری ج ۱، ص ۲۹۹ طبع دائرة المعارف

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اتباع کا اور ہُ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، پ ۱۴/۵

رَاَیْتَہٗ: تو نے اس کو دیکھا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو رَاَیْتَ) پ ۲۵/۶

رَاَیْتَھُمْ: تو نے ان کو دیکھا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے، پ ۱۶/۱۴ ۲۱/۱۸ ۲۸/۱۲ ۲۹/۱۹

رَاَیْتُھُمْ: میں نے ان کو دیکھا۔ اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو رَاَیْتُ) پ ۱۲/۱۱

رَاَیْنَہٗ: ان عورتوں نے اس کو دیکھا رَاَیْنَ، رُؤْیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مؤنث غائب۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، پ ۱۲/۱۴

فصل الباء الموحّدۃ

رَبٌّ: پروردگار، مالک، صاحب، یہ اصل میں رَبَّ یَرُبُّ کا مصدر ہے جس کے معنی تربیت کے ہیں اور پھر مبالغہ کے لیے عَدْلٌ کی طرح بطور وصف استعمال کیا جانے لگا اور بعض کا قول ہے کہ بَرٌّ کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ امام راغب کا بیان ہے کہ رَبٌّ مصدر ہے جو فاعل کے لیے مستعار ہے۔ تربیت کی تعریف امام موصوف نے ان الفاظ میں کی ہے۔ ھو انشاء الشیء حالًا فحالًا الی حد التمام[1] یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ حد کمال تک پہنچ جائے، اس معنی کے اعتبار سے امام حلیمی نے جو رَبّ کی تعریف کی ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے، امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں رقمطراز ہیں:-

قال الحلیمی رحمہ اللہ	حلیمی رحمہ اللہ نے رب کے
فی معنی الرب ھو	معنی میں فرمایا ہے کہ رب وہ
المبلغ کل ما ابدع	ہے جو ہر اس چیز کو جسے اس نے
حد کمالہ الذی	ایجاد کیا ہے کمال کی اس حد
قدرہ فھو یسل	تک پہنچا دیتا ہے کہ جو حد اس
النطفۃ من الصلب	چیز کے لیے اس نے مقدر
ثم یجعلھا علقۃ ثم	فرما دی ہے، پس وہ نطفہ کو
العلقۃ مضغۃ ثم	پشت سے نکالتا، پھر اس
یخلق المضغۃ عظمًا	کو پھٹکی بناتا پھر پھٹکی کو بوٹی
ثم یکسو العظم لحمًا	پھر بوٹی سے ہڈیاں پیدا کرتا
ثم یخلق فی البدن	پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا
الروح ویخرجہ	پھر بدن میں جان ڈالتا
خلقًا اٰخر وھو	اور اس کو ایک نئی صورت
صغیر ضعیف فلا	میں جبکہ وہ ناتواں بچہ ہوتا
یزال ینمیہ وتنشیہ	ہے نکال کھڑا کرتا اور برابر
حتی یجعلہ رجلا	اس کو نشو و نما کرتا رہتا ہے

[1] مفردات

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ویکون فی بدء امرہ شابا ثم یجعلہ کہلا ثم شیخا وھکذا کل شیٔ خلقہ فہو القائم علیہ والمبلغ ایاہ الحد الذی وضعہ لہ وجعلہ نہایتہ ومقدارلہ[1]

یہاں تک کہ اس کو پورا مرد کر دیتا ہو اور ابتدار حال میں وہ جوان ہوتا ہی پھر اس کو ادھیڑ پھر بوڑھا بنا دیتا ہی اور جو چیز بھی اس نے پیدا کی اس کا بھی طور ہے پس رب وہ ہی جو اس کا نگراں اور اس حد پر اس کو پہنچانیوالا ہو جو حد کہ اس کے لیے اس نے مقرر کی اور اس کی نہایت و مقدار قرار دی ہے۔

ابن خالویہ لغوی نے تصریح کی ہے کہ رب کے معنی لغت میں سید اور مالک کے ہیں[2] امام بیہقیؒ کتاب الاسماء و الصفات میں امام خطابیؒ سے ناقل ہیں کہ بہت سے مفسرین سے آیۂ کریمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ رب کے معنی سید (سردار) کے ہیں اور یہ معنی اس وقت بن سکتے ہیں جب کہ ہم عالمین کے معنی جماد کو چھوڑ کر ممیزین یعنی ذوی العقول کے قرار دیں کیونکہ جس طرح سید الناس کہا جاتا ہی اس طرح سید الشجر والجبال وغیرہ کہنا درست نہیں ہے اور اسی معنی میں ارشاد الٰہی ہی۔ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ مَا بَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ (پھر جا اپنے آقا کے پاس اور اس سے پوچھ کیا حقیقت ہی ان عورتوں کی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے) کہ یہاں رب بمعنی سید (آقا، خاوند) ہے، اور بعض کا قول ہی کہ رب بمعنی مالک ہی اور اس اعتبار سے اضافت بربنائے عموم درست ہی اور بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسم عالم تمام کائنات کے لیے بولا جاتا ہے، ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہی قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ (بولا فرعون کیا معنی جہان کا صاحب، موسیٰ نے کہا صاحب آسمان اور زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہی اگر تم یقین کرو)[3]

امام راغب نے لکھا ہی کہ

"رَبّ مطلقاً (یعنی جب بغیر کسی شرط کے استعمال ہو) سوائے اللہ تعالیٰ کے جو مصالح موجودات کا کفیل ہی اور کسی کے لیے نہیں بولا جاتا چنانچہ ارشاد ہی بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (دیس ہی پاکیزہ اور رب ہی گناہ بخشتا) اور اسی طرح اللہ

[1] کتاب الاسماء والصفات ص۵۶ طبع انوار احمدی الہ آباد [2] کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم ص۲۱ [3] کتاب الاسماء والصفات ص۵۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کا قول ہے وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا (اور نہیں لائق کہ تم کو حکم کرے کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب) یعنی انہیں معبود قرار دو اور خالق اور مسبب الاسباب اور بندوں کی مصلحتوں کا کفیل سمجھو۔

اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور غیر اللہ کے لیے بھی آتا ہے جیسے ارشاد ہے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سارے جہان کا صاحب) اور رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (صاحب تمہارا اور صاحب تمہارے اگلے باپ دادوں کا) اور رب الدار (گھر والا) اور رب الفرس (گھوڑے والا) ان دونوں کے مالک کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں ارشادِ الٰہی ہے اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ فَاَنْسٰہُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّہٖ (میرا ذکر کیجیو اپنے بادشاہ کے پاس سو بھلا دیا شیطان نے ذکر کرنا اپنے بادشاہ سے) اور ارشاد ہے اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ (پھر جا اپنے بادشاہ کے پاس)

آیت کریمہ (قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (اس نے کہا۔ خدا کی پناہ وہ مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو) میں بعض کا قول ہے کہ رب سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ مراد ہے جس نے ان کی تربیت کی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کے زیادہ مناسب پہلے معنی ہیں۔ اَرْبَابٌ جمع

پ ۱: ۱۵ و ۱۶ — پ ۳: ۲ و ۱۲ و ۱۳ — پ ۶: ۸ و ۹ — پ ۷: ۱۱ و ۱۵ — پ ۸: ۷ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶

پ ۹: ۳ و ۴ و ۷ و ۸ و ۹ — پ ۱۱: ۵ و ۶ و ۹ — پ ۱۲: ۴ و ۱۴ — پ ۱۳: ۵ و ۸ و ۱۸ — پ ۱۴: ۳

پ ۱۵: ۳ و ۹ و ۱۲ و ۱۴ — پ ۱۶: ۴ و ۷ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶ — پ ۱۷: ۲ و ۵ و ۶ و ۷

پ ۱۸: ۲ و ۳ و ۵ و ۶ — پ ۱۹: ۱ و ۶ و ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و

پ ۱۹: ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ — پ ۲۰: ۳ و ۵ و ۶ و ۷ و ۱۵ — پ ۲۱: ۱۴ — پ ۲۲: ۸ — پ ۲۳: ۲ و ۵ و ۷ و

پ ۲۳: ۸ و ۹ و ۱۲ و ۱۴ — پ ۲۴: ۵ و ۱۲ و ۱۶ — پ ۲۵: ۱۱ و ۱۳ و ۱۴ و ۲۰ — پ ۲۶: ۲ و ۱۸

پ ۲۷: ۷ و ۱۱ و ۱۶ — پ ۲۸: ۵ و ۱۴ و ۲۰ — پ ۲۹: ۶ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۳ — پ ۳۰: ۲ و ۶ و ۸ و ۳۱

پ ۳۰: ۳۸ و ۳۹

رَبًّا پ (ملاحظہ ہو اَرْبَابًا)

رِبًا: بیاج، سود، امام راغب لکھتے ہیں:

"راس المال (اصل سرمایہ) پر جو زیادتی ہو وہ "ربا" ہے لیکن شرع میں وہ اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے جو ایک خاص ہی طریقہ پر ہو اور دوسری طرح نہ ہو۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:-

"الربٰا مقصور ہے اور مد بھی بیان کیا گیا ہے جو شاذ ہے۔ یہ رَبَا یَرْبُو سے ہے اور الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے لیکن قرآن کے رسم الخط میں واو کے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ساتھ واقع ہے اور ربا کی اصل زیادت ہی خواہ نفس
شئے میں ہو جیسے ارشادِ الٰہی ہی اَهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
(وہ لہلہائی اور بڑھی) یا مقابلہ میں جیسے دو درہم
کے بدلہ ایک درہم اب بعض کا قول تو یہ ہے کہ
یہ دونوں معنی میں حقیقت ہی اور بعض کہتے ہیں کہ
پہلے میں حقیقت ہی اور دوسرے میں مجاز، ابن
سریج کہتے ہیں کہ یہ دوسرے معنی میں حقیقتِ
شرعیہ ہے، نیز ربا کا اطلاق ہر بیع حرام پر بھی ہوتا
ہے۔" لہ

حضرت الاستاذ فقیہ النفس علامہ محمود حسن خانصاحب
ٹونکی صاحب معجم المصنفین فرماتے ہیں :-

"ربا اور بیع لغاتِ عرب سے ہی، جب تک کوئی
اصطلاح شرعی توقیفی خلاف لغت کے مغیر نہ ہو،
کتاب وسنت کے معنی لغتِ عرب سے معلوم
ہوتے ہیں "ربا" لغۃً زیادۃ ہے اور لسان العرب
وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت "بیع" کی
معاہدہ فی تعاوض الاموال ہی پس لغوی اعتبار
سے ربا کی تعریف یہ ہی کہ تعاوض الاموال کے
معاہدہ میں عوضین متماثلین سے ایک عوض کا
دوسرے عوض پر زیادت مذکور ہونا، یا عوضین
میں سے عوض دین پر زیادت مذکور ہونا، اور
جب معاہدہ میں زیادت مذکور ہوئی تو اس
زیادت کا نام عرب میں "ربا" ہے وھو المتعامل
فیما بین الناس اور معاہدہ میں مذکور ہونے
کی وجہ سے اس کو مشروط کہا جائیگا کسائر
شروط البیع والمعاوضات"

باجماع امت ربا دو قسم ہی ایک حسی جس
کو کتاب اللہ نے لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ
میں بیان فرمایا ہی اور حدیث صحیح الفضل ربا
میں اسی حسی ربا کو بیان کیا گیا ہی اور حدیث
فلا یاخذن الا مثلا بمثل (بروایۃ مسلم
عن فضالہ) اور حدیث لا تاخذوا الدینار
بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین
(طبرانی عن ابن عمر) بھی بحق ربا کتاب اللہ کی
تفسیر ہے اور تفسیر اضعافا کے تحت داخل ہی
حدیث بخاری بھی ربا حسی کی مفسر ہی الذھب بالذھب
مثلا بمثل والورق بالورق مثلا بمثل (رواہ
البخاری) یعنی فضل ربا ہی پس اس حسی ربا میں شارع
نے لغوی معنی میں اور شرعی معنی میں مغائرت
پیدا نہیں فرمائی ہی پس حسی ربا شرعی کی بھی یہی
تعریف ہی جس کی عربی عبارت یہ ہی ھو الفضل

لہ فتح الباری ج ۴ ص ۲۶۴ طبع میریہ مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

الخالی عن العوض المشروط فی البیع۔

دوسرا ربا حکمی ہے کہ حساً تفاضل عوضین میں نہیں ہے لیکن شارع نے سداً للباب الربا صورتِ تماثل کو بھی ربا حسی کے حکم میں قرار دیا ہے جبکہ معاوضہ یداً بیدٍ نہ ہو کیونکہ مادہ ربا کا تاخیر و تعجیل ہے اور بغیر تاخیر کے فضل غیر متعامل ہے اسی معنی پر محمول ہے حدیث مسلم کی لا ربا فیما کان یداً بید فضل حسی کا دروازہ اسی ربا حکمی سے مفتوح ہے کہ تجارت حاضرہ میں فضل حسی عادۃً ناممکن ہے، اس ربا حکمی کو شارع نے حدیث نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع دینار اور حدیث الذهب بالورق ربا الا هاء وهاء الحدیث فی الاشیاء الستۃ المنصوصہ میں بیان فرمایا ہے اس ربا شرعی پر لغوی ربا صادق نہیں ہے[1]"

حضرت الاستاذ مدظلہم نے ربوا کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں ربا کی حقیقتِ شرعیہ پر نہایت مجتہدانہ اور سیر حاصل بحث ہے، اس عہدِ ضلالت میں جبکہ ربوا کی حقیقتِ شرعیہ کے سمجھنے میں عوام تو عوام خواص کو غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں اس رسالہ کا غور مطالعہ ان تمام غلط فہمیوں کے ازالہ کا ضامن ہے[2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں:۔

"ربا وہ قرض ہے جو اس شرط پر ہو کہ قرضدار قرضخواہ کو جتنا لیا ہے اس سے زیادہ یا اس سے اچھا واپس ادا کرے[3]"

اور بعد چند سطور کے ارقام فرماتے ہیں۔

"واضح رہے کہ ربا کی دو صورتیں ہیں، حقیقی اور نزول بر حقیقی لیکن حقیقی ربا تو وہ دیوں میں

---

[1] ملاحظہ ہو "صدارت کے استفتاء کا جواب مسئلہ ربوا میں" ص ۱۱۳ و ۱۱۴

[2] اس رسالہ کی تصنیف دفتر صدارت عالیہ محکمہ امور مذہبی حیدرآباد دکن سے شائع کیے ہوئے ایک استفتاء کے جواب میں جو ربا القرض کے متعلق ہے عمل میں آئی ہے اور چونکہ جواب مجتہدانہ مطلوب تھا اس لیے حسب فرمائش سلیقۂ اجتہاد پر ہی جواب تحریر کیا گیا۔ حضرت الاستاذ مدظلہم العالی کی فقہ و اصول میں جو مجتہدانہ شان ہے اس کا اندازہ علماء کو اس کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۴۸ھ میں دستی پریس کے ذریعہ طبع ہو کر حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔

[3] حضرت الاستاذ فرماتے ہیں "یہ تعریف ربا کی بالکل صحیح اور جامع تعریف ہے اس لیے کہ قرض لغتِ عرب میں دین ہے لسان العرب، صحاح، مصباح وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے اور جملہ دیون کو لفظ قرض شامل ہے" ص ۱۲۳۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہوتا ہے اور ہم ذکر کرچکے ہیں کہ اس میں معاملات جن غرض کے لیے وضع کیے گئے ہیں وہ غرض اُلٹ جاتی ہے، لوگ زمانۂ جاہلیت میں اس کے اندر بہت منہمک تھے، اس کے باعث وسیع جنگیں پیش آئی ہیں اور یہ تھوڑا سا بھی بہت کی دعوت دیتا ہے پس اس کا دروازہ سرے سے مسدود کرنا واجب ہے چنانچہ قرآن میں اس کے بارے میں جو اُترنا تھا اُتر چکا۔

دوسرے ربا الفضل (یعنی تجارت میں بڑھتی لینا) اور اصل اس بارے میں حدیث مستفیض الذهب بالذهب والفضة بالفضة و البر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلف الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد (بیچو سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے اور گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو سے اور کھجور کو کھجور سے اور نمک کو نمک سے جتنا ایک اُتنا دوسرا برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ، اور جب جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو)۔ یہ ربا الفضل ربا حقیقی سے مشابہت کی بنا پر تغلیظاً ربا سے موسوم ہے جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منجم کو کاہن فرمایا ہے، اور اسی سے لا ربا الا فی النسیئة (ربا نہیں مگر نسیئہ یعنی دین میں) کے معنی سمجھے جاسکتے ہیں پھر شریعت میں ربا کا استعمال اس معنی میں کثرت سے ہوا یہاں تک کہ وہ اس معنی میں بھی حقیقتِ شرعیہ بن گیا واللہ اعلم"[۵۱]

ایام جاہلیت میں ربا کا جس طور معمول تھا اس کے متعلق امام مالک، زید بن اسلم سے جو مشہور تابعی ہیں ناقل ہیں کہ انھوں نے بیان کیا جاہلیت میں ربا یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ ایک مدت معینہ کے لیے حق (واجب الادا) ہوتا پس جب مدت پوری ہوچکتی تو کہتا کہ تو ادا کرتا ہے یا زیادہ کرتا ہے۔ اب اگر وہ ادا کردیتا تو اس کو لے لیتا ورنہ اپنا حق زیادہ کردیتا اور مہلت میں تاخیر کردیتا۔[۵۲]

امام طبری نے عطا اور مجاہد سے اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے، نیز قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جاہلیت میں ربا کا یہ دستور تھا کہ ایک شخص مدت معینہ پر سودا بیچتا جب مدت پوری ہوجاتی اور خریدار کے

---

۵۱ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۸۰، طبع مصر سنہ ۱۳۲۲ھ

۵۲ موطا مع شرح تنویر الحوالک ج ۲ ص ۱۶۳ طبع دار احیاء الکتب العربیۃ سنہ ۱۳۴۳ھ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پاس ادا کرنے کے لیے نہ ہوتا تو یہ رقم زیادہ کر دیتا اور مدت کو موخر کر دیتا۔[۱۰] ب ۲۱ ، ۷

رِبَاطِ: باندھنا، سرحد پر چوکی دینا، یہ باب مفاعلت کا مصدر ہے اور مجرد میں رَبَطَ کا بھی، جس کے معنی مضبوط اور مستحکم باندھنے کے ہیں، نیز اسم بھی آتا ہے اس شئے کے معنی ہیں جس کے ساتھ دل یا گھوڑے باندھے جائیں اور اس جگہ کے معنی ہیں بھی جہاں دشمن کے دفاع کے لیے لشکر کا پڑاؤ ہوتا ہی جیسے مورچہ اور چھاؤنی یہاں اس کا استعمال مصدر ہی کے معنی ہیں بمعنی گھوڑی باندھنے کے ہوا ہے (ملاحظہ ہو رَابِطُو) ب ۱۰، ۴

رُبٰعَ: چار چار، یہ اَرْبَعٌ اَرْبَعٌ سے معدول ہے اور چونکہ اس میں دو عدل ہیں ایک اس کے صیغہ سے دوسری اس کی تکرار سے اس لیے غیر منصرف ہی، یہ علامہ زمخشری کی رائے ہے اور قاضی بیضاوی کے خیال میں بنا بر عدل و وصف غیر منصرف ہی۔ وہ کہتے ہیں رباع مبنی بر صفت ہے اگرچہ اس کی اصل وصف پر مبنی نہیں ہے۔[۲] ب ۴، ۱۲ ب ۲۲، ۱۳

رَبَّانِیُّوْنَ: زاہد، خدا پرست، درویش، اللہ والے مربی، مرشد خلق، رَبَّانِیٌّ کی جمع بحالتِ رفع۔

امام راغب لکھتے ہیں :-

"رَبَّانِیٌّ کے متعلق بعض کا قول ہی کہ وہ رَبَّان کی طرف منسوب ہی اور لفظ فعلان فَعِلَ (بکسر العین) سے بنایا جاتا ہی جیسے عطشان اور سکران اور قلت کے ساتھ فَعَلَ (بفتح العین) سے بنتا ہے چنانچہ نعسان آیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ رَبٌّ کی طرف منسوب ہی جو مصدر ہے اور ربانی وہ ہے کہ جو علم کی پرورش کرے جیسے کہ حکیم ہے اور بعض کا قول ہی کہ یہ منسوب تو اسی کی طرف ہی جو مصدر ہی اور اس کے معنی ہیں اس شخص کے جو اپنے نفس کی علم کے ذریعہ تربیت کرے اور حقیقت میں یہ دونوں معنی باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے بذریعہ علم اپنے نفس کی پرورش کی اس نے علم کی پرورش کی اور جس نے علم کی پرورش کی اس نے اس کے ذریعہ اپنے نفس کی پرورش کی اور بعض کا قول ہے کہ یہ رَبٌّ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہی، پس جیسے اِلٰهِیٌّ ہی اسی طرح رَبَّانِیٌّ ہے اور نون کی زیادتی اس میں ایسی ہے جیسی کہ اہلِ عرب لحیانی اور جسمانی کے بولتے وقت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہی انا ربانی هٰذِهِ الامة (میں اس امت کا ربانی ہوں) جمع

---

[۱] فتح الباری ج ۴ ص ۴۴، ۱۶ [۲] الکمالین علی الجلالین لشیخ سلام اللہ ص ۱۳ ضمیمہ ص ۶۷ طبع نولکشور۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رَبَّانِيُّوْنَ ہی اور بعض کا قول ہے کہ لفظ رَبَّانِی
اصل میں سریانی ہے اور یہی زیادہ مناسب
معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ اہلِ عرب کے کلام
میں قلیل الوجود ہے" ب ۶/۱۱ و ۱۳

رَبَّانِيِّيْنَ: زاہد، خدا پرست، درویش، اللہ والے
مربی، مرشد خلق، رَبَّانِیٌّ کی جمع بحالتِ نصب وجر
ب ۳/۱۶

رَبَائِبُكُمْ: تمہاری جوروؤں کی لڑکیاں، رَبَائِبُ
رَبِيْبَةٌ کی جمع جس کے معنی اس زیر پرورش لڑکی کے
ہیں جو اگلے شوہر سے ہو۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر
حاضر مضاف الیہ۔ ربیبہ کو ربیبہ اس لیے کہا جاتا ہے
کہ وہ اپنی ماں کے دوسرے شوہر کے آغوشِ تربیت
میں ہوتی ہے۔ ب ۴/۱۵

رَبَتْ: وہ بڑھی، وہ پھولی، وہ ابھری (نَصَرَ)
رَبْوٌ سے جس کے معنی بڑھنے پھولنے اور بلند ہونے کے
ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب ب ۱۷/۸ ۲۴/۱۹

رَبِحَتْ: وہ سود مند ہوئی، اس نے فائدہ دیا،
اس نے نفع دیا (سَمِعَ) رِبْحٌ سے جس کے معنی نفع
دینے اور سود مند ہونے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد
مونث غائب۔ ب ۱/۲

رَبَطْنَا: ہم نے گرہ دی، ہم نے باندھ دیا (ضَرَبَ)
رَبْطٌ سے جس کے معنی باندھنے کے ہیں ماضی کا صیغہ
جمع متکلم ب ۱۵/۱۴ ۲۰/۴

رُبُعٌ: چوتھائی، حصہ چہارم، اسم ہے اَرْبَاعٌ جمع
ب ۴/۳

رَبُّكَ: تیرا رب، تیرا پروردگار، تیرا مالک، تیرا
صاحب، رَبٌّ مضاف کَ ضمیر واحد مذکر حاضر
مضاف الیہ۔ آیت شریفہ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ (پھر جا
اپنے بادشاہ پاس) اور اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ (میرا ذکر
کیجیو اپنے بادشاہ کے پاس) میں رَبّ بمعنی بادشاہ،
سردار اور آقا کے ہے۔ ب ۱/۴ و ۷ و ۸ ب ۲/۱ و ۲ ب ۳/۱۲ و ۱۳ و ۱۴ ب ۵/۶
ب ۶/۸ و ۱۳ و ۱۴ ب ۷/۵ و ۱۶ و ۱۹ ب ۸/۱ و ۲ و ۳ و ۵ و ۷ ب ۹/۶ و ۹ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۴ و ۱۵
ب ۹/۱۶ ب ۱۱/۷ و ۹ و ۱۲ و ۱۵ ب ۱۲/۲ و ۶ و ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۵ و ۱۷ ب ۱۳/۷ و ۹
ب ۱۴/۲ و ۳ و ۶ و ۱۰ و ۱۵ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ ب ۱۵/۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و
ب ۱۵/۹ و ۱۰ و ۱۶ و ۱۸ و ۲۰ ب ۱۶/۴ و ۷ و ۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ ب ۱۷/۴ و ۱۳ و
ب ۱۷/۱۴ و ۱۶ ب ۱۸/۴ و ۱۷ ب ۱۹/۳ و ۵ و ۶ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴
ب ۲۰/۲ و ۳ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ ب ۲۱/۱۴ و ۱۶ و ۱۷
ب ۲۲/۷ و ۸ ب ۲۳/۹ و ۱۰ و ۱۴ ب ۲۴/۶ و ۱۱ و ۱۹ و ۲۰ ب ۲۵/۳ و ۹ و ۱۱ و ۱۳ و
ب ۲۵/۱۴ و ۱۶ و ۱۸ ب ۲۶/۱۷ و ۱۹ ب ۲۷/۳ و ۴ و ۶ و ۷ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶
ب ۲۹/۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۷ و ۲۰ ب ۳۰/۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۹ و ۱۰ و
ب ۳۰/۱۲ و ۱۴ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۱ و ۲۴ و ۳۰ و ۳۳ و ۳۵

رَبُّكِ: تیرا رب، تیرا پروردگا، تیرا مالک، رَبٌّ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مضاف لِکِ ضمیر واحد مؤنث حاضر مضاف الیہ،

ل ۱۶/۵ ب ۲۶/۱۹ ت ۳۰/۱۴

رَبُّکُمْ: تمہارا رب، تمہارا پروردگار، تمہارا مالک
تمہارا صاحب، رَبّ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر
حاضر مضاف الیہ۔ ب ۱/۳، ۶ و ۹، ۱۳ او ۱۶ — ب ۲/۶ و ۹ و ۱۶

ب ۳/۳ و ۱۶ — ب ۴/۴ و ۵ و ۱۱ او ۱۲ — ب ۶/۳ و ۴ و ۱۴ — ب ۷/۶ و ۱۲ او ۱۹

ب ۸/۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۱۲ و ۱۴ او ۱۵ او ۱۶ و ۱۷ او ۱۸ — ب ۹/۳ و ۵ و ۶ و ۱۱ او

ب ۹/۱۲ او ۱۴ او ۱۵ — ب ۱۱/۶ و ۹، ۱۱ و ۱۶ او ۱۷ — ب ۱۲/۳ و ۵ و ۸ — ب ۱۳/۷ و ۱۲ او ۱۴

ب ۱۴/۷ و ۹، ۱۰ او ۱۲ — ب ۱۵/۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۶ و ۷ و ۹ و ۱۴ او ۱۵ او ۱۶

ب ۱۶/۵، ۱۳ او ۱۴ — ب ۱۷/۵، ۶ و ۸ و ۱۷ — ب ۱۸/۴ — ب ۱۹/۶ و ۱۳ — ب ۲۱/۱۳ و ۱۴

ب ۲۲/۸ و ۹ و ۱۴ — ب ۲۳/۱ و ۸ و ۱۵ او ۱۶ او ۱۷ — ب ۲۴/۳، ۵ و ۸ و ۹ و ۱۰ او ۱۱

ب ۲۴/۱۲ و ۱۷ — ب ۲۵/۳ و ۶ و ۷ و ۱۲ او ۱۴ او ۱۸ — ب ۲۷/۱۷ او ۱۹ — ب ۲۸/۷، ۱۷ و ۲۰

ب ۲۹/۹ ت ۳۰/۳

رَبُّکُمَا: تم دونوں کا رب، تم دونوں کا پروردگار
تم دونوں کا مالک، تم دونوں کا صاحب، رَبّ
مضاف کُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر مضاف الیہ

ش ۹ ب ۱۶/۱۱ ب ۲۷/۱۱ او ۱۲ و ۱۳

رُبَمَا: کسی وقت، بہت وقت، رُبَّ حرف
جر ہے اور مَا کافہ ہے اور بعض کے خیال میں نکرہ موصوفہ
ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

رُبَّ حرف جر ہے اس کے معنی میں آٹھ اقوال
ہیں (۱) وہ دائمی طور پر تقلیل کے لیے آتا ہے، اکثر
علماء اسی پر ہیں (۲) وہ دائمی طور پر تکثیر کے لیے
آتا ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (بہت وقت آرزو
کرینگے یہ لوگ جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان)
کیونکہ وہ کثرت سے اس کی تمنا کرینگے، اور
اوّل قول کے قائل یہ کہتے ہیں کہ وہ اہوالِ
قیامت کی مدہوشیوں میں اس طرح مشغول
ہونگے کہ بہت کم ہوش میں آئینگے جب اس
کی تمنا کرینگے (۳) وہ تقلیل و تکثیر دونوں کے
لیے مساوی طور پر آتا ہے (۴) وہ اکثر تقلیل
کے لیے آتا ہے اور نادراً تکثیر کے لیے اور یہ بھی
اختیاری ہے (۵) اس کے بالکل برعکس (یعنی
تکثیر کے معنی میں کثرت سے اور تقلیل کے معنی
میں ندرت سے) (۶) ان دونوں معنی میں
سے کسی کے لیے اس کی وضع عمل میں نہیں
آئی بلکہ حرف اثبات ہے جو نہ تکثیر پر دلالت
کرتا ہے، نہ تقلیل پر اور جو کچھ سمجھا جاتا ہے خارجی
طور پر سمجھا جاتا ہے (۷) فخر و مباہات کے موقع
پر تکثیر کے لیے اور دیگر مواقع پر تقلیل کے لیے
(۸) مبہم عدد کے لیے خواہ تقلیل ہو یا تکثیر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور اس پر مَا کافہ بھی داخل ہوتا ہی جو اس
کو عملِ جر سے روک کر جملوں پر داخل کرتا ہے،
اس صورت میں بیشتر اس کا دخول ایسے جملہ
فعلیہ پر ہوتا ہے جس کا فعل ماضی ہو خواہ وہ
لفظاً موجود ہو یا معناً، اور آیت سابقہ میں
وہ مستقبل پر داخل ہوا ہے، اور بعض کا
قول ہے کہ یہ اس بنیاد پر ہے گویا صور پھونک
چکا اور قیامت آگئی (یعنی مستقبل یہاں
معناً ماضی ہی ہے) [۱] پ۱۴/۱

رَبَّنَا: ہمارا رب، ہمارا پروردگار، ہمارا صاحب
ہمارا مالک، رَبّ مضاف، نا ضمیر جمع متکلم،
مضاف الیہ۔ پ۱/۱۵ و ۱۶ پ۲/۹ و ۱۷ پ۳/۸، ۹، ۱۰، ۱۳
پ۴/۶ و ۱۱ پ۵/۷ و ۸ پ۷/۱ و ۵ و ۹ پ۸/۲، ۹ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ پ۹/۱ و ۶، ۸
پ۱۱/۴ پ۱۳/۱۸ و ۱۹ پ۱۴/۱۸ پ۱۵/۱۲، ۱۳، ۱۴ پ۱۶/۱۱ و ۱۲ و ۱۷ پ۱۷/۷ و ۱۳
پ۱۸/۶ پ۱۹/۱ و ۴ و ۷ پ۲۰/۸ و ۹ و ۱۰ پ۲۱/۱۵ پ۱۲/۵ و ۸ و ۹ و ۱۶ و ۱۹
پ۲۳/۶ و ۱۱ و ۱۲ پ۲۴/۵ و ۷ و ۱۶ و ۱۸ پ۲۵/۳ و ۷ و ۱۴ پ۲۶/۲ و ۴ و ۱۶
پ۲۸/۴ و ۷ و ۲۰ پ۲۹/۳ و ۱۱ و ۱۹

رِبٰوا: سود، بیاج، یہ لفظ تمام قرآن میں ب کے
بعد واؤ اور واؤ کے بعد الف سے مرقوم ہے مگر
ایک جگہ سورہ الروم میں با کے بعد الف سے لکھا
ہوا ہے۔ قاضی بیضاوی اس کی وجہ یہ بتاتے
ہیں:-

"چونکہ ایک لغت پر اس میں تفخیم ہے اس لیے
صلوٰۃ کی طرح واو سے اس کو لکھا گیا اور
واؤ کے بعد الف اس لیے زیادہ کر دیا گیا
کہ واؤ جمع سے مشابہ ہو" [۲]
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رِبًا) پ۳/۶ پ۴/۵ پ۶/۲ پ۲۱/۷

رَبْوَةٍ: بلندی، بلند جگہ، ٹیلا، اسم ہے، رِبًا
اور رُبُوٌّ سے مشتق ہی رُبًی اور رُبِیٌّ جمع (ملاحظہ
ہو رَابِيًا) پ۳/۴ پ۱۸/۳

رَبُّهٗ: اس کا رب، اس کا پروردگار، اس کا
صاحب، اس کا مالک، رَبّ مضاف ہٗ ضمیر
واحد مذکر غائب مضاف الیہ، آیت شریفہ
اَمَّا اَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهٗ خَمْرًا (ایک جو ہے تم
دونوں میں سو پلاویگا اپنے بادشاہ کو شراب) اور
فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (سو بھلا دیا اس
کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے بادشاہ سے) میں رب
سے مراد آقا اور بادشاہ ہی، ذات باری نہیں۔
پ۱/۴ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۹ پ۳/۳، ۶، ۷ و ۸ و ۱۲ پ۷/۱۰ پ۸/۴ و ۱۷ پ۹/۷ پ۱۱/۷
پ۱۲/۲ و ۴ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ پ۱۳/۷ و ۱۰ پ۱۴/۴ پ۱۵/۳ و ۱۹ و ۲۰ پ۱۶/۲ و ۳ و

۱؎ الاتقان ج۱ ص ۱۶۳ طبع مصر۔ ۲؎ تفسیر انوار التنزیل ج۱ ص ۱۰۲ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ ۱۶: ۴ و ۷ و ۱۲ و ۱۶ و ۱۷، پ ۱۷: ۶ و ۱۱، پ ۱۸: ۶، پ ۱۹: ۳، پ ۲۱: ۱ و ۱۵، پ ۲۲: ۸
پ ۲۳: ۷ و ۱۱ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۷، پ ۲۴: ۸، پ ۲۵: ۱۴، پ ۲۶: ۶، پ ۲۷: ۵ و ۸ و ۱۳
پ ۲۸: ۱۹، پ ۲۹: ۴ و ۱۱ و ۱۳ و ۲۰، پ ۳۰: ۲ و ۳ و ۴ و ۹ و ۱۲ و ۱۴ و ۱۷ و ۲۳
پ ۳۰: ۲۵

رَبُّهَا: اس کا رب، اس کا پروردگار، اس کا مالک، اس کا صاحب، رَبِّ مضاف، هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ، پ ۳: ۱۲
پ ۱۳: ۱۶، پ ۲۴: ۶، پ ۲۶: ۳، پ ۲۸: ۱۳ و ۲۰، پ ۲۹: ۱۷، پ ۳۰: ۹

رَبُّهُمْ: ان کا رب، ان کا مالک، ان کا پروردگار، ان کا صاحب، رَبّ مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱: ۳ و ۵ و ۸ و ۱۶
پ ۲: ۳، پ ۳: ۴ و ۶ و ۱۰ و ۱۷، پ ۴: ۵ و ۸ و ۱۱، پ ۶: ۵ و ۱۳، پ ۷: ۷ و ۹ و ۱۰
پ ۷: ۱۲ و ۱۹، پ ۸: ۲ و ۵ و ۶ و ۱۷، پ ۹: ۹ و ۱۵، پ ۱۰: ۳ و ۹، پ ۱۱: ۶، پ ۱۲: ۲ و ۳ و ۵
پ ۱۲: ۶، پ ۱۳: ۷ و ۸ و ۹ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶، پ ۱۴: ۱۲ و ۱۳ و ۱۹، پ ۱۵: ۶ و ۱۴ و ۱۵
پ ۱۵: ۲۰، پ ۱۶: ۳، پ ۱۷: ۱ و ۴ و ۹، پ ۱۸: ۴، پ ۱۹: ۴، پ ۲۱: ۲ و ۴ و ۷ و ۱۰ و ۱۴ و ۱۵
پ ۲۲: ۱۰ و ۱۵ و ۱۷، پ ۲۳: ۲ و ۳ و ۱۶ و ۱۷، پ ۲۴: ۱ و ۵ و ۶، پ ۲۵: ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۱۷ و ۲۰
پ ۲۶: ۵ و ۶ و ۱۸، پ ۲۷: ۱ و ۳ و ۵ و ۱۸، پ ۲۹: ۱ و ۴ و ۵ و ۷ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۹
پ ۳۰: ۸ و ۱۶ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۵

رَبُّهُمَا: ان دونوں کا رب، ان دونوں کا پروردگار، ان دونوں کا صاحب، ان دونوں کا مالک، رَبّ مضاف هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۵: ۹، پ ۹: ۱۴، پ ۱۶: ۱

رَبِّیْ: میرا رب، میرا پروردگار، میرا مالک، میرا صاحب، رَبّ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ ۳: ۳ و ۱۳، پ ۶: ۱۴، پ ۷: ۶ و ۸ و ۱۳ و ۱۵، پ ۸: ۷ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۵ و
پ ۸: ۱۶ و ۱۷، پ ۹: ۱ و ۱۳ و ۱۴، پ ۱۱: ۷ و ۱۰، پ ۱۲: ۳ و ۴ و ۵ و ۸ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۷
پ ۱۳: ۱۵، ۱۰ و ۱۸، پ ۱۵: ۱ و ۱۱ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷، پ ۱۶: ۲ و ۳ و ۵ و ۶ و ۱۱ و ۱۵
پ ۱۷: ۱، پ ۱۹: ۴ و ۶ و ۸ و ۱۰ و ۱۴ و ۱۸، پ ۲۰: ۴ و ۷ و ۱۲ و ۱۵، پ ۲۲: ۷ و ۱۰
پ ۲۲: ۱۱ و ۱۲، پ ۲۳: ۱ و ۶ و ۷ و ۱۲ و ۱۶، پ ۲۴: ۸ و ۹ و ۱۲، پ ۲۵: ۱ و ۳ و ۱۲ و ۱۴
پ ۲۸: ۱۵، پ ۲۹: ۱۲، پ ۳۰: ۱۴

رَبَّیٰنِیْ: اُن دونوں نے مجھ کو پالا، ان دونوں نے میری پرورش کی، رَبَّیَا، تَرْبِیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے، الف تثنیہ نون سے قبل محذوف ہے، ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم، پ ۱۵: ۳

رِبِّیُّوْنَ: خدا کے طالب، خدا پرست، اللہ والے، ہزاروں، جماعتیں۔ رِبِّیٌّ کی جمع جو رَبَّانِیٌّ کی طرح ہے، یہ امام راغب کا بیان ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کے معنی جماعتوں کے کیے ہیں اور اس کا واحد رِبِّیٌّ بتایا ہے یہ معنی اصل میں امام لغت ابو عبیدؒ سے منقول ہیں[1]، اس صورت میں رِبِّیٌّ حسب تصریح قاضی

[1] ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۱۵۵ طبع میریہ مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بیضاوی دِبِّیۃٌ کی طرف بطور مبالغہ منسوب ہے
جس کے معنی جماعت کے ہیں[۱]۔ امام بغوی لکھتے
ہیں :-

رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ کے معنی حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ
اور قتادہؒ نے جماعاتِ کثیرہ کے بیان کیے ہیں اور
حضرت ابنِ مسعودؓ نے ہزاروں بتائے ہیں،
کلبیؒ کا قول ہے کہ ایک ربیہ دس ہزار کا ہوتا ہے
ضحاک ایک ہزار کہتے ہیں اور حسن بصریؒ فقہاء و
علماء ترجمہ کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ربیون
اتباع ہیں ربانیون حکام اور ربیون رعیت
اور بعض کہتے ہیں کہ رب کی طرف منسوب ہے
یعنی وہ لوگ جو رب کی عبادت کرتے ہیں[۲]"
اور ابو حاتم احمد بن حمدان لغوی نے کتاب الزینۃ
میں تصریح کی ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے[۳]۔ ۴/۶

فصل التاء المثناۃ

رَتْقًا: منہ بند، ملا ہوا، جڑا ہوا، رَتَقَ یَرْتُقُ کا
مصدر ہے۔ "رتق" کے معنی اصل میں بند ہونے اور
جُڑ جانے کے ہیں خواہ خلقی طور پر ہو یا صناعی طور پر

۱ انوار التنزیل ج ۱ ص ۱۳۲
۲ معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۶۲ طبع مصر ۱۳۳۱ھ
۳ الاتقان ج ۱ ص ۱۳۹۔

مصدر یہاں پر اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی میں
ہے۔ ۱۷/۳

رَتِّلْ: کھول کھول کر پڑھ، آہستہ آہستہ یعنی واضح
پڑھ، تَرْتِیْلٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر (ملاحظہ
ہو تَرْتِیْلًا) ۲۹/۱۳

رَتَّلْنٰہُ: ہم نے اس کو تھم تھم کر پڑھا، ہم نے اس
کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا، رَتَّلْنَا، تَرْتِیْلٌ سے ماضی کا
صیغہ جمع متکلم ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ۱۹/۱

فصل الجیم المعجمۃ

رَجًّا: کپکپانا، لرزانا، ہلانا۔ رَجَّ یَرُجُّ کا مصدر
ہے، اس کے معنی کسی چیز کو ہلانے اور جنبش دینے
کے ہیں۔ ۲۷/۱۴

رِجَالٌ: مرد، پیادے، پاؤں چلتے، اول معنی
کے اعتبار سے رَجُلٌ کی جمع ہے اور دوسرے معنی
کے اعتبار سے رَاجِلٌ کی جیسے رِکَابٌ رَاکِبٌ
کی جمع ہے رَاجِلٌ رِجْلٌ سے مشتق ہے جس کے
معنی پیر کے ہیں اور اسی مناسبت سے پاؤں
پیدل اور پیادہ کو رَاجِلٌ کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ مردانِ جن کے لیے بھی رِجَالٌ
کا استعمال ہوتا ہے، ارشاد ہے وَاِنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مِنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (اور بہت سے مرد آدمیوں میں سے پناہ لیتے ہیں جنوں کے مردوں سے) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے کہ رجال الغیب جن ہی ہوتے ہیں اور اسی آیت کو استدلال میں پیش کیا ہے[۱]۔ قرآن مجید میں دو جگہ رجال پیادوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے ایک فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لو یا سوار) اور دوسرے یَاْتُوْكَ رِجَالًا (آوینگے تیرے پاس پاؤں چلتے)

پ ۲/۱۲، پ ۴/۱۲، پ ۵/۲و۳ے و۱۱، پ ۸/۱۲و۱۷، پ ۱۱/۲، پ ۱۸/۱۰و۱۱، پ ۱۹/۱۹
پ ۲۰/۱۵، پ ۲۱/۱۹، پ ۲۶/۱۱، پ ۲۹/۱۱، رِجَالًا پ ۲/۱۵، پ ۴/۱۲، پ ۶/۴
پ ۸/۱۳، پ ۱۳/۶، پ ۱۴/۱۲، پ ۱۷/۱۱و۱، پ ۲۳/۱۳

رِجَالِكُمْ: تمہارے مرد، رِجَالِ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۳/۷ پ ۲۲/۲

رُجَّتْ: وہ ہلائی گئی، اس کو جنبش دی گئی (نَصَرَ) رُجٌّ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب پ ۲۷/۱۴

رُجْزَ: پلیدی، گناہ، عذاب، بت۔ امام بغوی وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابو سلمہ کا بیان ہے کہ رُجز سے مراد اوثان یعنی بت ہیں، پس اللہ نے فرمایا کہ اس سے دور رہ اور قریب نہ جا، اور بعض کا قول ہے کہ ز اس میں سین سے بدل لی گئی ہے اہلِ عرب قرب مخرج کے سبب سین اور زے کو ایک دوسرے کی جگہ لے آتے ہیں اس تاویل کی دلیل فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کے معنی ہیں گناہوں سے دور رہ، اور ابو العالیہ اور ربیع کہتے ہیں کہ رُجز را کے پیش سے بمعنی بت اور را کے زیر سے بمعنی نجاست و معصیت ہے، ضحاک نے اس کا ترجمہ شرک سے کیا ہے اور کلبی نے عذاب کے معنی بتائے ہیں"[۲] پ ۲۹/۱۵

رِجْزٍ: عقوبت، بلا، عذاب۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:۔

"کہ رجز اصل میں وہ چیز ہے جس سے گھن آئے اور رجس بھی اسی کی طرح ہے"[۳]

---

۱ ملاحظہ ہو الصارم المنکی فی الرد علی السبکی للحافظ ابن عبد الهادی المقدسی ص ۱۲۳ طبع مصر ۱۳۱۸ھ امام موصوف کی عبارت یہ ہے "و رجال الغیب ہم الجن قال تعالیٰ وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوہم رہقا"

۲ معالم التنزیل ج ۷، ص ۱۴۴

۳ انوار التنزیل ج ۱ ص ۴۴ و ۴۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

لیکن علامہ زمخشری، الفائق فی غریب الحدیث
میں رقمطراز ہیں

رجز اور رجس کے معنی عذاب کے ہیں، ابو تراب
کا بیان ہو کہ میں نے ابوالسمیدع حصینی سے
سنا وہ کہتے تھے کہ رجز اور رجس وہ سخت
مصیبت ہو جو لوگوں پر نازل ہو، یہ اہل عرب
کے محاورہ ارتجزت السماء بالرعد وارتجست
(آسمان بجلی کی کڑک سے کانپ اُٹھا اور لرز
گیا) اور رعد مرتجز و مرتجس (کپکپا دینے اور
لرزا دینے والی گرج) سے ماخوذ ہو اور وہ ایسی
جنبش ہو جس کے ساتھ شور ہو کیونکہ جو عذاب
کہ اُترتا ہے اس میں ضروری ہو کہ جن پر اُترے
وہ ہل جائیں اور چیخ اٹھیں"[۱]

اور امام راغب فرماتے ہیں:

"رِجز کی اصل اضطراب (یعنی خوب ہلنا
اور جنبش کرنا ہے) اور اسی سے رجز البعیر رجزا
فھو ارجز و ناقۃ رجزاء آتا ہو جبکہ اونٹ یا
اونٹنی کے قدم قریب قریب پڑنے اور ضعف
کے سبب ڈگمگانے لگیں"

آیہ شریفہ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ (بلا کی مار کر
دکھ والی) میں رجز یہاں زلزلہ کی طرح ہے"۔

پ۹/۶و۱۶ پ۲۲/۷ پ۲۵/۱۷ رِجْزًا پ۱/۶ پ۹/۱۰ ن۲۷/۱۶

رِجْسٌ: ناپاک، پلید، گندہ، عقوبت، عذاب
بلا، اَرْجَاسٌ جمع، رجس کی چار صورتیں ہیں۔
(۱) طبیعت کی جہت سے (۲) عقل کی جہت سے
(۳) شرع کی جہت سے (۴) ان تینوں جہت
سے رجس شرعی جوا اور شراب، رجس عقلی شرک اور
لحم خنزیر، تینوں کا مجموعہ میتۃ (مردار) ہو، حق تعالے
نے سب کے لیے لفظِ رجس استعمال فرمایا ہے
بعض کا قول ہو کہ رِجْزٌ اور رِجْسٌ زور کی چیخ
کو کہتے ہیں (ملاحظہ ہو رِجز) پ۷/۲ پ۸/۲،۵،۱۶ پ۱۱/۱،۱۵

پ۱۷/۱۱ پ۲۲/۱ رِجْسًا پ۱۱/۵

رِجْسِهِمْ: ان کی نجاست، ان کی گندگی، ان کی
پلیدی۔ رِجْسِ مضاف هِم ضمیر جمع مذکر غائب
مضاف الیہ۔ پ۱۱/۵

رَجْعٌ: پھر آنا، لوٹ آنا، مینہ، بارش، رَجَعَ یَرْجِعُ
کا مصدر ہو، متعدی آتا ہو، آیت شریفہ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ
الرَّجْعِ میں بعض نے تو ذاتِ الرجع کا ترجمہ چکر مارنے
والا کیا ہے، شاہ عبد القادر صاحب نے بھی اسی کو
اختیار کیا ہو، اور قاضی بیضاوی کا بھی رجحان اسی

[۱] الفائق فی غریب الحدیث طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

طرف ہے اس اعتبار سے آسمان کو "ذات الرجع"
اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے ہر دورہ میں جس جگہ
سے حرکت کرتا ہے وہیں لوٹ آتا ہے[1] لیکن اکثر
مفسرین اور ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق
یہاں رجع اپنے معنی مصدری میں نہیں بلکہ بارش
اور مینہ کے معنی میں اسم ہے۔ علامہ ابن خالویہ لغوی
ابوعبیدہ سے ناقل ہیں کہ رجع مطر یعنی بارش کو کہا
جاتا ہے اور ابن الاعرابی روایت کرتے ہیں کہ کل
مطر یثبت فی الارض فھو رجع[2] (ہر وہ بارش
جو زمین میں ٹھہر جائے رجع ہے) بارش یا مینہ کا نام
رجع کیوں پڑا، قاضی بیضاوی نے اس کی دو
وجہیں لکھی ہیں "لان اللہ یرجعہ وقتاً فوقتاً
اولما قیل من ان السحاب یحمل الماء من البحار
ثم یرجعہ الی الارض[3] (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
وقتاً فوقتاً بارش کو لوٹاتا رہتا ہے یا اس لیے کہ کہا
گیا ہے کہ ابر سمندروں سے پانی لادلیتا اور پھر زمین
کی طرف لوٹا دیتا ہے) حاکم نے بسند صحیح حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی
ہے کہ رجع کے معنی بارش کے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب رح نے بھی اسی
ترجمہ کو اختیار کیا ہے۔ ۲۶/۱۵ ۳۰/۱۱

رَجَعَ: وہ لوٹا، وہ پھر آیا (ضَرَبَ) رُجُوعٌ سے جس
کے معنی جہاں سے ابتدا ہوئی یا ابتداء کا اندازہ ہوا
وہیں لوٹنے کے ہیں خواہ وہ کوئی مکان ہو یا فعل
ہو یا قول، اور خواہ رجوع بذاتہ ہو یا کسی جز کے
ذریعہ یا کسی فعل کے ذریعہ غرض رجوع کے معنی
عود کرنے اور لوٹنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب ہے، واضح رہے کہ رجوع مصدر لازم
ہے، ۹/۸ ۱۶/۱۳

رُجِعْتُ: میں لوٹایا گیا، رَجْعٌ سے ماضی مجہول
کا صیغہ واحد متکلم۔ ۲۵/۱

رَجَعْتُمْ: تم لوٹے، تم پھرے، رُجُوعٌ سے ماضی
کا صیغہ جمع مذکر حاضر ۲/۸ ۱۱/۱

رَجَعَكَ: تجھ کو واپس لوٹایا، تجھ کو پھیر لایا،
رَجَعَ رَجْعٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب
كَ ضمیر واحد مذکر حاضر، ۱۰/۱۷

رَجَعْنَا: ہم لوٹے، ہم واپس ہوئے، ہم پھرے
رُجُوعٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ۲۸/۱۳

---

[1] انوار التنزیل ج ۲ ص ۳۶۸ طبع مصر
[2] کتاب اعراب ثلاثین سورہ من القرآن الکریم ص ۴۹ و ۵۱
[3] انوار التنزیل ج ۲ ص ۳۶۸
[4] مستدرک ج ۲ ص ۵۲۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رَجَعْنٰكَ: ہم نے تجھ کو واپس لوٹا دیا، ہم تجھ کو پھیر لائے، رَجَعْنَا رَجْعٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر۔ پ ۱۶/۱۱

رَجَعُوْا: وہ پھرے، وہ واپس لوٹے، رُجُوْعٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۱۱/۴ پ ۱۳/۲ پ ۱۷/۵

رَجْعِهٖ: اس کو لوٹانا، اس کو پھیر لانا رَجْعٌ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ پ ۳۰/۱۱

رُجْعٰى: پھر جانا، لوٹنا، رَجَعَ يَرْجِعُ کا مصدر ہی لازم آتا ہی۔ پ ۳۰/۲۱

رَجْفَةٌ: زلزلہ، بھونچال، کپکپاہٹ، لرزش اسم ہی۔ پ ۸/۱۷ پ ۹/۹،۱ پ ۲۰/۱۶

رَجُلٌ: مرد، جس کی مردی و مردانگی ظاہر ہو، رِجَالٌ جمع پ ۳/۷ پ ۴/۱۳ پ ۸/۱۵،۱۶ پ ۱۱/۶ پ ۱۲/۷ پ ۱۸/۲،۳ پ ۲۰/۵ پ ۲۱/۱۷ پ ۲۲/۷،۱۱،۱۹ پ ۲۳/۱۷ پ ۲۴/۹ پ ۲۵/۹

رَجُلًا پ ۷ پ ۹/۹ پ ۱۵/۵،۷ پ ۱۸/۱۶ پ ۲۳/۱۷ پ ۲۴/۹

رَجُلٰنِ: دو مرد، رَجُلٌ کا تثنیہ، بحالتِ رفع۔ واضح رہے کہ اسم و فعل کے تثنیہ میں الف جب تک طرف (آخر) میں واقع نہ ہو، قرآن کے رسم الخط میں وہ لکھا نہیں جاتا، صرف قَدَّمَتْ يَدٰكَ اس سے مستثنیٰ ہے، پ ۶/۸

رِجْلِكَ: تیرا پاؤں، رِجْلِ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۲۳/۱۳

رَجِلِكَ: تیرے پیادے، رَجِلِ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ رَجِلٌ رَاجِلٌ کی جمع ہی، پ ۱۵/۷

رَجُلَيْنِ: دو مرد، رَجُلٌ کا تثنیہ بحالتِ نصب و جر، پ ۶/۷ پ ۱۴/۱۶ پ ۱۵/۱۷ پ ۲۰/۵

رِجْلَيْنِ: دو پیر، دو پاؤں، رِجْلٌ کا تثنیہ بحالتِ نصب و جر، پ ۱۸/۱۲

رَجْمًا: سنگسار کرنا، قتل کرنا، بے سوچے سمجھے منہ سے بات نکال دینا، لعنت کرنا، برا بھلا کہنا پھٹکارنا، دھتکارنا، رَجَمَ يَرْجُمُ کا مصدر رہے اصل میں رَجْمٌ کے معنی رِجَامٌ (پتھروں) سے مارنے کے ہیں اور بقیہ تمام معانی مستعار ہیں پ ۱۵/۱۵

رَجَمْنٰكَ: ہم نے تجھ کو سنگسار کیا، ہم نے تجھ پر پتھراؤ کیا، رَجَمْنَا رَجْمٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم كَ ضمیر واحد مذکر حاضر پ ۱۲/۸

رُجُوْمًا: آلاتِ سنگساری، رَجْمٌ کی جمع، رجم اصل میں مصدر رہے اور جس چیز کے ذریعہ سنگسار کیا جائے اس کے لیے بطور اسم مستعمل ہی، پ ۲۹/۱

رَجِيْمٌ: ملعون، مردود، راندہ ہوا، رَجْمٌ سے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ یعنی مَرْجُوْمٌ مسمی شیطان
چونکہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے راندہ ہوا اور مردود ہے
اس لیے یہ اس کی مخصوص صفت ہے اور قرآن
مجید میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی کی صفت
میں آیا ہے۔ ۳/۱۲ ۱۴/۲،۳،۱۹ ۲۳/۱۴ ۳۰/۶

فصل الحاء المہملۃ

رِحَالِهِمْ: ان کی خرجیں، ان کے کجاوے
رِحَالِ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب، مضاف
الیہ رِحَالِ رَحْلٌ کی جمع ہے، ۱۳/۲

رَحُبَتْ: وہ کشادہ ہوئی، وہ فراخ ہوئی (کَرُمَ)
رُحْبٌ سے جس کے معنی فراخ ہونے کے ہیں ماضی
کا صیغہ واحد مؤنث غائب ۱۰/۱۱

رَحْلِ: کجاوہ خرجیں، شلیتہ، اصل میں اونٹ
پر سواری کے لیے جو چیز رکھی جاتی ہے یعنی پالان
کو رحل کہتے ہیں اور مجازاً منزل و مسکن اور سامان
سفر خرجیں اور شلیتہ وغیرہ کے لیے بھی اس کا استعمال
ہوتا ہے۔ رِحَالٌ جمع ۱۳/۱

رَحْلِهٖ: اس کا اسباب سفر، اس کا پالان، اس
کا کجاوہ، رَحْلِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب
مضاف الیہ، ۱۳/۳

رِحْلَۃ: سفر کرنا، کوچ کرنا، کجاوہ کسنا، اصل میں
تو اس کے معنی اونٹ پر پالان کسنے کے ہیں اور
چونکہ اس کا مقصد کوچ اور سفر ہوتا ہے اس لیے
سفر کے معنی میں آنے لگا، رَحَلَ یَرْحَلُ کا مصدر
ہے، ۳۰/۳۱

رَحِمَ: اس نے رحم کیا، اس نے مہربانی کی۔
(سَمِعَ) رُحْمٌ اور رَحْمَتٌ سے ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب، ۱۲/۴،۱۰ ۱۳/۱ ۲۵/۱۵

رُحْمًا: شفقت، محبت، مہربانی۔ رَحِمَ یَرْحَمُ
کا مصدر ہے، ۱۶/۱

رُحَمَآءُ: بڑے نرم دل، بڑے مہربان، رَحِیْمٌ
کی جمع (ملاحظہ رَحِیْمٌ) ۲۶/۱۲

رَحْمَتِكَ: تیری مہربانی، تیری مہر، تیری
بخشائش۔ رَحْمَةِ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر
مضاف الیہ (ملاحظہ ہو رَحْمَۃ) ۹/۸ ۱۱/۱۴ ۱۹/۱،۲

رَحْمَتِنَا: ہماری مہربانی، ہماری رحمت، ہماری
بخشش، رَحْمَةِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم
مضاف الیہ ۱۳/۱ ۱۶/۶،۷ ۱۷/۵،۶

رَحْمَتِهٖ: اس کی رحمت، اس کی مہربانی،
رَحْمَةِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ ۱/۸،۱۳ ۳/۱۶ ۵/۸،۱۴ ۸/۱۴ ۱۱/۱،۱۱ ۱۵/۶،۱۴ ۱۸/۷،۸،۹

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ ۱۹/۳ پ ۲۰/۱و۱۰ پ ۲۱/۸ پ ۲۴/۱ پ ۲۵/۲و۴و۲۰ پ ۲۶/۱۱ پ ۲۷/۲۰ پ ۲۹/۲۰

رَحِمْتَهٗ: تونے اس پر رحم کیا، تونے اس پر مہربانی کی، رَحِمْتَ رُحْمٌ اور رَحْمَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب

پ ۲۴/۶

رَحْمَتِیْ: میری رحمت، میری مہربانی رَحْمَۃِ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ہٖ پ ۲۰/۱۵

رَحْمٰن: بڑا مہربان، بہت بخشش کرنے والا چونکہ اس لفظ کے معنی بجز ذاتِ باری کے اور کسی پر صادق نہیں آتے کیونکہ اسی کی رحمت سب پر عام ہے اس لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا، علماء عربیت کا اس میں اختلاف ہے کہ رحمٰن عربی زبان کا لفظ ہے یا نہیں اور عربی ہونے کی صورت میں یہ مشتق ہے یا غیر مشتق، مبرد اور ثعلب جو لغت و عربیت کے امام ہیں اس طرف گئے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اور اس کی اصل خا ر معجمہ سے ہے[۱]۔ امام خطابی رح لکھتے ہیں:-

"رحمٰن کی تفسیر اور اس کے معنی میں نیز اس امر میں کہ وہ رحمۃ سے مشتق ہے یا نہیں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ غیر مشتق ہے کیونکہ اگر یہ رحمۃ سے مشتق ہوتا تو مرحوم کے ذکر کے ساتھ آتا اور جس طرح کہ رحیم لعبادہ کہا جاتا ہے رحمٰن لعبادہ کہنا جائز ہوتا، نیز اس لیے کہ اگر رحمۃ سے مشتق ہوتا تو عرب سننے کے ساتھ ہی اس پر انکار نہ کرتے کیونکہ وہ رحمتِ پروردگار کے منکر نہ تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے کیا تو جس کو کہیگا اس کو ہم سجدہ کرینگے، اس سے ان کی نفرت میں اور زیادتی ہوتی جاتی ہے) اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ عبرانی نام ہے، اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ یہ رحمۃ سے مشتق ہے اور مبالغہ پر مبنی ہے۔ اس کے معنی رحمت والے کے ہیں، اس سلسلہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جس طرح رحیم کا تثنیہ اور جمع آتا ہے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا، فعلان کا وزن کلامِ عرب میں مبالغہ کا وزن ہے چنانچہ

---

[۱] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۹

شدید الامتلاء کو ملآن اور خوب پیٹ بھرے
کو شبعان کہتے ہیں۔[1]

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ خدا کے لیے رحمٰن کا لفظ اسلام سے پہلے عام طور پر عربوں میں مستعمل نہ تھا اور صرف یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذاہب اس کو بولتے تھے، چنانچہ نجد کے آخری کتبات میں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے، سد عرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز بنعمۃ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، اسی لیے اسلام نے جب ابتداءً رحمٰن کا نام لیا تو قریش کو اچنبھا ہوا کہ یہ کون نیا نام ہے، صلح حدیبیہ میں جب حضرت علیؓ نے عہد نامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریش نے ماننے سے انکار کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے[2]

جو لوگ رحمٰن کو رحمت سے مشتق بتاتے ہیں وہ رحمٰن و رحیم میں نہایت دقیق اور نازک فرق بیان کرتے ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں

"اس میں اختلاف ہے کہ آیا رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں جس طرح کہ ندمان اور ندیم کے ہیں اور ان دونوں کو جو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ تاکید کے لیے ہے یا باعتبار تعلق دونوں میں باہم مغائرت ہے پس رحمٰن ہے دنیا کے لیے اور رحیم ہے آخرت کے لیے کیونکہ دنیا میں اس کی رحمت مومن و کافر سب کے لیے عام ہے اور آخرت میں مومن کے ساتھ مخصوص ہے یا مغائرت کسی اور جہت سے ہے کہ رحمٰن تو اس حیثیت سے زیادہ بلیغ ہے کہ وہ بڑی بڑی نعمتوں اور ان کے اصول پر مشتمل ہے جیسے کوئی غضب میں بھرا ہو تو اسے غضبان کہتے ہیں اور رحیم کو اس کے بعد ہی اس لیے لایا گیا کہ بطور تتمہ ہو کر چھوٹی نعمتوں کو شامل ہو جائے اور بعض کا قول ہے کہ رحیم زیادہ بلیغ ہے کیونکہ فعیلٌ کا صیغہ مبالغہ کا مقتضی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ مبالغہ کی جہت دونوں میں مختلف ہے"[3]

علامہ ابن خالویہ لغوی کا بیان ہے کہ رحمٰن کو رحیم پر اس لیے مقدم کیا گیا کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کا اسم خاص ہے اور رحیم

---

[1] کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی ص ۲۷ طبع انوار احمدی الہ آباد۔ [2] ارض القرآن ج ۲ ص ۲۳۹۔ طبع معارف پریس اعظم گڈھ۔ [3] فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۸ طبع میریہ مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اسم مشترک ہے کیونکہ رجل رحیم تو بولتے ہیں مگر رجل رحمٰن نہیں بولتے، پس خاص کو عام پر مقدم کیا گیا۔ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم دو ایسے اسم ہیں جن میں رقت کے معنی ہیں اور ایک ہیں بہ نسبت دوسرے سے رقت کا مفہوم زیادہ ہے اور دوسروں کا بیان ہے کہ رحمٰن میں رحم زیادہ ہے اور رحیم میں رقت زیادہ ہے پس رحیم لطیف کی طرح ہے اور ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ رحیم اور رحمٰن دونوں نعتیں ہیں پس رحیم تو رحمۃ سے بروزن فعیل ہے اور رحمٰن بروزن فعلان۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ اہل عرب کے نزدیک زبان میں وسعت ہے جیسے کہ ندیم اور ندمان کے ایک ہی معنی ہیں، ابو عبیدہ نے اس شعر کو پیش کیا ہے[۵]

وَنَدْمَانٍ يَزِيدُ الْكَأْسَ طِيبًا
سَقَيْتُ وَقَدْ تَغَوَّرَتِ النُّجُومُ

اور دوسرے علماء کا قول ہے کہ رحمٰن عبرانی کا رخمان ہے، ان لوگوں نے جریر کی یہ بیت استشہاد میں پیش کی ہے:۔

أَوْ تَتْرُكُونَ إِلَى الْقَسَّيْنِ هِجْرَتَكُمْ
وَمَسْحَكُمْ صُلْبَهُمْ رَحْمَانَ قُرْبَانَا

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں ایک اور فرق نمایاں کیا ہے، فرماتے ہیں۔

"اگرچہ یہ دونوں اسم رحمت سے ہیں لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں، عربی میں فعلان کا باب عموماً ایسے صفات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں یعنی ظہور ان کے لیے ضروری نہیں ہوتا جیسے پیاسے کے لیے عطشان غضبناک کے لیے غضبان سراسیمہ کے لیے حیران، مست کے لیے سکران، لیکن فعیل کے وزن میں صفات قائمہ و فاعلہ کا خاصہ ہے یعنی عموماً ایسے صفات کے لیے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں اور اپنا فعلی ظہور بھی رکھتے ہیں مثلاً کریم کرم کرنے والا، عظیم بڑائی رکھنے والا، حکیم حکمت رکھنے والا۔ پس الرحمٰن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے اور الرحیم

۵ کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم ص ۱۳۔

19-66
(5)

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس کی رحمت اپنا فعلی ظہور بھی رکھتی ہے اور تمام کائنات اس سے فیضیاب ہو رہی ہے"[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں ایک اور نکتہ واضح فرماتے ہیں :-

"باید دانست کہ از لوازم پرورش دو قسم رحمت ست، قسم اول رحمتے کہ در عین پرورش می باشد و آں رحمت اگر نباشد پرورش متصور نشود و حقیقت آں رحمت توجہ تام بدفع حاجات پروردہ خود و تعہدِ ضروریات او در ہر وقت و تفقد بایست و نابایست او در ہر آن ست و ازیں رحمت باسم رحمان تعبیر فرمودہ اند، و قسم دوم از رحمت آنست کہ بعد از پرورش بحصول کمال ثمرات آن کمال را مترتب فرمایند و آں کمال را رائیگاں نسازند و ازیں رحمت تعبیر فرمودہ اند برحیم"[2]

بہر حال یہ سب نکتہ سنجیاں اس بنیاد پر ہیں کہ رحمٰن کا اشتقاق رحمت سے ہے اور وہ عربی زبان کا لفظ ہے ورنہ اگر اس کو عبرانی لفظ مان لیا جائے تو پھر کسی دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں رہتی، اس صورت میں یہ لفظ اللہ کی طرح ذات باری کا عَلم ہوگا، قرآن مجید میں یہ لفظ ترپن ۵۳ جگہ مذکور ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال بطور صفت نہیں بلکہ بطور عَلم ہوا ہے۔ پ ۲/۳، پ ۱۳/۱۰، پ ۱۵/۱۲، پ ۱۶/ ۵ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۴ و ۱۵، پ ۱۷/ ۲ و ۳ و ۴ و ۷، پ ۱۹/ ۱ و ۲ و ۴ و ۵ و ۶، پ ۲۲/ ۱۸ و ۱۹، پ ۲۳/ ۱ و ۳، پ ۲۴/ ۱۵، پ ۲۵/ ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۳، پ ۲۶/ ۱۷، پ ۲۷/ ۱۱، پ ۲۸/ ۹، پ ۲۹/ ۱ و ۲، پ ۳۰/ ۲

رَحِمْنَا۔ اس نے ہم پر رحم کیا، اس نے ہم پر مہربانی کی، اس نے ہم پر رحمت کی، رَحِمَ صیغہ ماضی نَا ضمیر جمع متکلم ہے (ملاحظہ ہو رَحِمَا پ ۲۹/۲)

رَحِمْنٰہُمْ ہم نے ان پر مہربانی کی، ہم نے ان پر رحم کیا، ہم نے ان پر بخشش کی۔ رَحِمْنَا رَحْمٌ اور رَحْمَۃٌ سے، ماضی کا صیغہ جمع متکلم ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب، پ ۱۸/۴

رَحِمَہٗ: اس پر رحم کیا، اس پر مہربانی کی، اس پر بخشش کی، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، (ملاحظہ ہو رَحِمَ) پ ۸/۷

رَحْمَۃٌ: رحمت، بخشش، مہربانی، رَحِمَ یَرْحَمُ کا مصدر ہے، امام راغب لکھتے ہیں۔

[1] ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۹ طبع دہلی ۱۳۵۰ھ
[2] تفسیر فتح العزیز ص ۴ طبع محمدیہ ۱۲۶۴ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

"رحمۃ وہ رقت ہے جو مرحوم کی طرف (یعنی جس پر رحم کیا جائے) احسان کی مقتضی ہو، اور کبھی اس کا استعمال مجرد رقت کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں جو رقت سے خالی ہو، جیسے رحمہ اللہ فلانا (اللہ نے فلانے پر رحم کیا) جب اس سے ذاتِ باری کو موصوف کیا جائیگا تو صرف احسان مراد ہوگا، رقت مراد نہ ہوگی، اس لیے مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے رحمت انعام اور فضل ہے اور آدمیوں کی طرف سے رحمت رقت وتعطف (شفقت) ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے اپنے رب سے نقل کیا ہے کہ جب اس نے رحم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا میں رحمٰن ہوں اور تو رحم ہے، میں نے تیرے نام کو اپنے نام میں سے نکالا ہے پس جو تجھے ملائیگا میں اسے ملاؤنگا اور جو تجھے قطع کریگا میں اسے پارہ پارہ کردونگا، یہ اسی طرف اشارہ ہے جو سابق میں گزرا کہ رحمت رقت اور احسان دو معنوں پر مشتمل ہے۔ پس رقت کو تو طبائع انسانی میں جگہ دی اور احسان کے ساتھ خود منفرد رہا تو یہ ہوا کہ جس طرح لفظ رحم رحمت سے ہے اسی طرح اس کے جو معنی لوگوں میں موجود ہیں وہ اس معنی سے ہیں جو ذاتِ باری کے لیے پائے جاتے ہیں اور ان دونوں کے معنوں میں بھی وہی تناسب ہے جو ان دونوں کے لفظوں میں ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے اُردو میں رحمت کی اچھی تشریح کی ہے جو ان ہی کے لفظوں میں درج ذیل ہے:-

"عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے، پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرد محبت لطف اور فضل سے زیادہ وسیع ہے"[1]

۲: ۳و۶و۱۱ — ۳: ۹ — ۴: ۲و۸ — ۵: ۱۰ — ۶: ۴ — ۷: ۸و۱۲ — ۸: ۲و۵و۶و۷
۸: ۱۳و۱۴و۱۶ — ۹: ۹و۱۴ — ۱۰: ۹و۱۴ — ۱۱: ۸و۱۱ — ۱۲: ۲و۳و۵و۶و۷و۸
۱۳: ۶ — ۱۴: ۴و۱۴و۱۸ — ۱۵: ۳و۹و۱۰و۱۱و۱۳و۲۰و۲۱ — ۱۶: ۱و۲
۱۶: ۴و۵ — ۱۷: ۶و۷ — ۲۰: ۲و۸و۱۲ — ۲۱: ۱و۶و۷و۸و۱۰و۱۸ — ۲۲: ۱۳
۲۳: ۲و۱۰و۱۳و۱۵ — ۲۴: ۱و۳و۱۹ — ۲۵: ۱و۶و۹و۱۴و۱۸ — ۲۶: ۲ — ۲۷: ۱۸و۲۰

[1] ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۹

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رَحِیْق: شراب ناب، اسم جامد ہے، علامہ ابومنصور ثعالبی، فقہ اللغۃ میں ابوعبید سے ناقل ہیں[١] الرحیق صفوۃ الخمر التی لیس فیھا غش، رحیق وہ شرابِ صاف ہے جس میں ذرا آمیزش نہ ہو۔ ٣٠/٨

رَحِیْم: بڑا مہربان، نہایت رحم والا، رَحْمَۃٌ سے بروزن فَعِیْلٌ مبالغہ کا صیغہ رُحَمَاءُ جمع رحیم اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے اس کا استعمال غیر کے لیے بھی ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کہا گیا ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں رحمٰن وہ ذات ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے اور رحیم وہ ذات ہے کہ اس سے نہ مانگا جائے تو غضب میں آئے[٢] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رحمٰن)

١/١و٣و٦و١٥ ٢/١،٢و٥و٦و٨و٩و١١و١٢ ٣/١٢و١٧ ٤/٣
٥/١ ٦/٥و٩و١٠و١٤ ٧/٣و١٢ ٨/٥و٧ ٩/٩و١١ ١٠/٥،٦،٧و
١٠/١٠و١٨ ١١/١و٢و٣،٥و١٦ ١٢/٤و٨ ١٣/١و٥و١٨ ١٤/٤و٧و٨و١٢
١٤/٢٠و٢١ ١٧/١٦ ١٨/٧و٨و٩و١٠و١٥ ١٩/٥و٨و٩و١٠و١١و١٢و
١٩/١٣و١٤و١٥و١٦و١٧ ٢٠/٥ ٢١/٤و١٤ ٢٢/٧و١٨ ٢٣/٣ ٢٤/٣و
٢٤/٥و١٨ ٢٥/٢و١٥ ٢٦/١و١٣و١٤ ٢٧/٣،١٧و٢٠ ٢٨/٢و٤و٦و١٨
٢٨/١٦و١٩ ٢٩/١٤

رُحَمَاءُ۔ ٣/١٤و١٥ ٥/٢و٦و١٠و١١و١٣و١٦ ٧/١
١٥/٧ ١٨/١٦ ١٩/٤ ٢١/١٧و١٩ ٢٢/٣و٥و٦ ٢٦/١٠

فصل الخاء المعجمة

رُخَاءً: ملائم، نرم نرم، اسم ہے، رِخْوَۃٌ اور رَخَاوَۃٌ سے جس کے معنی نرم ہونے کے ہیں ماخوذ ہے۔ ٢٣/١٢

فصل الدال المهملة

رَدَّ: اس نے پھیر دیا، اس نے لوٹا دیا، اس نے واپس کر دیا (نَصَرَ) رَدٌّ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو رَدَّھَا) ٢١/١٩

رِدْاً: مددگار، مدد دینے والا، جو دوسرے کی مدد کے لیے ساتھ چلے رِدْءٌ کہلاتا ہے، رِدْءٌ سے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں، صفت مشبہ کا صیغہ، اَرْدَاءٌ جمع، ٢٠/٤

رُدَّتْ: وہ واپس کر دی گئی، وہ لوٹا دی گئی، رَدٌّ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ١٣/٢

[١] فقہ اللغۃ باب ٢٤ فصل ١٥ فی تفصیل اسماء الخمر وصفاتہا [٢] فتح الباری ج ٨ ص ١١٨

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رُدِدْتُ: میں لوٹایا گیا، مجھ کو واپس کیا گیا، مجھے پھیرا گیا، رَدٌّ سے، ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم، پ ۱۵/۱۷

رَدَدْنَا: ہم نے پھیر دیا، ہم نے لوٹا دیا، ہم نے واپس کر دیا، رَدٌّ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم پ ۱۵/۱

رَدَدْنٰهُ: ہم نے اس کو پھیر دیا، ہم نے اس کو واپس کر دیا، ہم نے اس کو لوٹا دیا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، پ ۲۰/۴ پ ۳۰/۲

رَدِفَ: وہ پیچھے لگا، وہ پیچھے ہوا (سَمِعَ) رَدْفٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو رَادِفَۃٌ) پ ۲۰/۲

رَدْمًا: موٹی دیوار، مضبوط دیوار، سدِ محکم، رَدَمَ یَرْدِمُ کا مصدر ہے، جس کے معنی رخنہ کو پتھر دل سے بند کر دینے کے ہیں مگر یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، پ ۱۶/۲

رَدُّوْا: انہوں نے الٹا دیا، انہوں نے لوٹایا، انہوں نے پھیر دیا، رَدٌّ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، آیہ شریف فَرَدُّوْا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ (پھر انہوں نے اپنے ہاتھ الٹے دیے اپنے منہ میں) کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں (۱) غصے کے مارے پشتِ دست کاٹنے لگے (۲) منہ پر ہاتھ لیجا کر خاموش کرنے لگے (۳) اَفْوَاهِهِمْ میں هِمْ کی ضمیر بجانب انبیاء راجع کی جائے یعنی انبیاء کے منہ پر ہاتھ رکھنے لگے رَدَّ کے استعمال سے یہاں اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ انہوں نے بار بار ایسا کیا۔ پ ۱۳/۱۴

رُدُّوْا: وہ واپس لائے گئے، وہ لوٹائے گئے، وہ پھیرے گئے، رَدٌّ سے، ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۵/۹ پ ۷/۱۴ و ۹ پ ۱۱/۸

رَدُّوْهُ: انہوں نے اس کو لوٹا دیا۔ اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو رَدُّوْا) پ ۵/۸

رُدُّوْهُ: اس کو رجوع کرو، اس کو لوٹاؤ، اس کو پھیر دو، رُدُّوْا رَدٌّ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، پ ۵/۵

رُدُّوْهَا: اس کو پھیر دو، اس کو واپس لاؤ، اس میں هَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے پ ۵/۸ پ ۲۳/۱۲

رَدَّهَا: اس کا پھیر دینا، رَدَّ مضاف هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ، رَدٌّ، رَدَّ یَرُدُّ کا مصدر ہے جس کے معنی کسی شئے کے لوٹانے کے ہیں خواہ ذات شئے کو لوٹا جائے یا اس کی کسی حالت کو، پ ۱۷/۳

رَدِّهِنَّ: ان (عورتوں) کا لوٹانا، ان کا پھیر لینا رَدِّ مضاف هِنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب مضاف الیہ پ ۲/۱۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فصل الزاء المعجمہ

رَزَّاقٌ: رزق دینے والا، روزی دینے والا، رِزْقٌ سے جس کے معنی روزی دینے کے ہیں بروزن فَعَّالٌ مبالغہ کا صیغہ، امام حلیمیؒ کہتے ہیں "رزق پر رزق کثرت سے اور وسعت کے ساتھ دینے والا رزاق ہے، امام خطابیؒ کا بیان ہے کہ رزاق وہ ذات ہے جو رزق کی متکفل ہے اور ہر جان کے قیام کے لیے جس قدر قوت کی ضرورت ہے اس کی بہم پہنچانیوالی ہے؎ یاد رہے کہ اس لفظ کا اطلاق بجز ذاتِ باری کے غیر پر جائز نہیں ہے، پ ۲۷/۲

رِزْقٌ: روزی، رزق۔ راغب لکھتے ہیں کہ "رزق کبھی تو عطا جاری کو کہا جاتا ہے خواہ دنیوی ہو یا اخروی اور کبھی حصہ کو، اور کبھی جو پیٹ میں پہنچ کر غذا بن جاتی ہے اس کو" عطاءِ دنیوی کی مثال فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ (آسمان میں ہے تمہاری روزی) اور عطاءِ اُخروی کی مثال وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام) اور حصہ کی مثال وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ (اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو) اور غذا کی مثال فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (سو وہ تمہارے لیے اس میں سے کھانا لے آئے) ہے۔ اَرْزَاقٌ جمع پ ۱/۲ پ ۳/۱۱ پ ۹/۱۵،۹ پ ۱۰/۶ پ ۱۱/۱۱ پ ۱۳/۹ پ ۱۴/۱۶ پ ۱۵/۳،۳،۱۵ پ ۱۶/۱۷ پ ۱۷/۱۴ پ ۱۸/۹ پ ۲۰/۱۱،۱۴ پ ۲۱/۲،۷ پ ۲۲/۷،۸،۹،۱۰،۱۱ پ ۲۳/۶ پ ۲۴/۲ پ ۲۵/۳،۴،۱۷ پ ۲۷/۲۔

رِزْقًا پ ۱/۳ پ ۳/۱۲ پ ۱۲/۸ پ ۱۳/۱۷ پ ۱۴/۱۵،۱۶ پ ۱۶/۱۷ پ ۱۷/۱۵ پ ۲۰/۹،۱۴ پ ۲۲/۱ پ ۲۴/۷ پ ۲۶/۱۵ پ ۲۸/۱۸

رِزْقُكُمْ: تمہارا رزق، تمہاری روزی، رِزْقٌ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۲۶/۱۸ پ ۲۷/۱۴

رَزَقَكُمْ: اُس نے تم کو روزی دی، اُس نے تم کو رزق دیا۔ رَزَقَ رَزْقٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر (ملاحظہ ہو اُرْزُقْ) پ ۷/۲ پ ۸/۱۳،۱۴ پ ۹/۱۷ پ ۱۴/۱۶،۲۱ پ ۱۷/۷ پ ۲۳/۳ پ ۲۴/۱۲

رِزْقُنَا: ہمارا رزق، ہماری روزی، رِزْقٌ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۲۳/۱۲

رُزِقْنَا: ہمیں روزی دی گئی، ہمیں رزق دیا گیا، رَزْقٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم پ ۱/۳

رَزَقْنٰكُمْ: ہم نے تم کو رزق دیا، ہم نے تم کو روزی دی، رَزَقْنَا رَزْقٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر پ ۱/۶ پ ۲/۵ پ ۳/۲ پ ۹/۱۰

؎ کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی ص ۵۰۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ ۱۶/۱۳ ، ۲۱/۱ ، ۲۸/۱۴

رَزَقْنٰهُ: ہم نے اس کو روزی دی، ہم نے اس کو رزق دیا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے،

پ ۱۴/۶

رَزَقْنٰهُمْ: ہم نے ان کو روزی دی، ہم نے ان کو رزق دیا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے، پ ۱/۱ ، ۹/۱۵ ، ۱۱/۱۵ ، ۱۳/۹،۱۷ ، ۱۴/۱۳ ، ۱۵/۷
پ ۱۷/۱۲ ، ۲۰/۹ ، ۲۱/۱۵ ، ۲۲/۱۶ ، ۲۵/۵ و ۱۸

رَزَقَنِیْ: اس نے مجھے رزق دیا، اس نے مجھے روزی دی، ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم۔

(ملاحظہ ہو رَزَقَکُمْ) پ ۱۲/۸

رُزِقُوْا، وہ روزی دیے گئے، ان کو رزق دیا گیا، رَزَقَ سے، ماضی مجہول کا صیغہ، جمع مذکر غائب۔ پ ۱/۳

رِزْقِهٖ: اس کا رزق، اس کی روزی، رِزْق مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب، مضاف الیہ، پ ۲۸/۱۶ ، ۲۹/۲ ، ۳۰/۱۴

رِزْقُهَا: اس کا رزق، اس کی روزی۔ رِزْق مضاف ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ پ ۱۲/۱ ، ۱۴/۲۱ ، ۲۱/۱

رِزْقُهُمْ: ان کا رِزق، ان کی روزی، رِزْق مضاف، ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ

پ ۱۴/۱۶ ، ۱۷/۶

رَزَقَهُمْ: اس نے ان کو رزق دیا۔ اس نے ان کو روزی دی، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو رَزَقَکُمْ) پ ۵/۳ ، ۸/۳ ، ۱۷/۱۲،۱۱ و

رِزْقُهُنَّ: ان (عورتوں) کی روزی، ان کا رزق، رِزْقُ مضاف، ھُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب مضاف الیہ، پ ۲/۱۴

فصل السین المہملۃ

رَسّ: کنواں، ابن ابی حاتم نے مجاہد سے جو کبار تابعین میں سے مشہور مفسر ہیں یہی معنی نقل کیے ہیں۔ امام بخاریؒ نے "رس" کے معنی معدن (کان) کے بیان کیے ہیں، اور اس کی جمع رساس بتائی ہے۔ ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔ خلیل کہتے ہیں "ہر وہ کنواں جس کی کوٹھی پختہ نہ تعمیر کی جائے "رس" کہلاتا ہے"[۱]۔ راغب لکھتے ہیں

"بعض کا قول ہے کہ "رس" ایک وادی ہے شاعر کہتا ہے ؎ وَھُنَّ لِوَادِی الرَّسِّ کَالْیَدِ لِلْفَمِ

اور اصل میں "رس" کسی شے کا تھوڑا سا اثر

[۱] فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۰

جو پایا جاتا ہے اُس کو کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے
سمعت رسا من الخبر (میں نے کچھ یوں ہی
سی خبر سُنی) رس الحدیث فی نفسی (میرے
جی میں کچھ بات پڑی) وجد رسا من حمی
(اس نے بخار کا کچھ اثر محسوس کیا) رُسّ المیّتُ
(میت دفن کی گئی) یعنی اس کی ذات کے بعد
اس کا نشان رکھا گیا"
"اصحاب الرس" کے متعلق جو تحقیق تھی سابق میں گزر
چکی، پ۱۹/۲ پ۲۶/۱۵

رِسٰلٰتِ: پیغامات۔ رِسَالَۃٌ کی جمع پ۸/۱۵و۱۶
پ۹/۱ پ۲۲/۲ پ۲۹/۱۲

رِسٰلٰتِہٖ: اس کے پیغامات، رِسَالَاتِ مضاف
ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ۲۹/۱۲

رِسٰلٰتِیْ: میرے پیغامات، رِسَالَاتِ مضاف
ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ۹

رِسَالَۃ: پیغام، اِرْسَالٌ سے جس کے معنی بھیجنے
کے ہیں اسم ہے، اس کے معنی پیغام اور خط کے آتے ہیں
رَسَائِلُ اور رِسَالَاتٌ جمع "رسالت" کی شرعی تعریف
علامہ سعد الدین تفتازانی نے ان الفاظ میں کی ہے
ھی سفارۃ العبد بین اللہ وبین ذوی
الالباب من خلیقتہ لیزیح بھا عللھم
فیما قصرت عنہ عقولھم من مصالح
الدنیا والآخرۃ[1] (وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی
ہوشمند مخلوق کے مابین بندہ کی سفارت ہے
تاکہ اس کے ذریعہ ان کی ان بیماریوں کو زائل
کردیا جائے کہ جن میں ان کی عقلیں دنیا و آخرت
کی مصلحتوں سے عاجز ہو چکی ہیں" پ۸/۱۷

رِسَالَتَہٗ: اس کا پیغام۔ رِسَالَۃَ مضاف ہ
ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ۶/۱۴ پ۸/۲

رُسُل: رسول، پیغمبر، رَسُوْل کی جمع ہے۔ پ۱/۱۱ پ۳/۱
پ۴/۶و۱۰ پ۶/۲و۷و۱۴ پ۷/۵و۷و۱۰ پ۸/۲و۳و۱۱و۱۲و۱۳ پ۱۲/۷و۱۰
پ۱۳/۶و۱۱و۱۹ پ۱۴/۱۱ پ۱۷/۳ پ۱۸/۴ پ۱۹/۲ پ۲۲/۱۳ پ۲۳/۱۰ پ۲۴/۱۵و۱۶و۱
پ۲۴/۱۹ پ۲۶/۱و۴و۱۵ پ۲۹/۲۱ رُسُلٌ پ۶/۳و۱۴ پ۱۱/۱۳ پ۱۳/۱۲
پ۱۷/۱۷ پ۲۱/۸ پ۲۲/۱۳ پ۲۴/۱۳

رُسُلُکَ: تیرے پیغمبر، تیرے رسول، رُسُلِ مضاف
کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، پ۴/۱۱

رُسُلُکُمْ: تمہارے رسول، تمہارے پیغمبر۔ رُسُلُ
مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ۲۴/۱

رُسُلُنَا: ہمارے بھیجے ہوئے، ہمارے رسول، ہمارے
پیغمبر، رُسُلُ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ

[1] شرح عقائد تفتازانی ص ۹۰ طبع علوی لکھنؤ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ٦/٩ پ٧/١٤ پ٨/١١ پ١١/٨و٥ پ١٢/٧ پ١٨/٣ پ٢٠/١٦ پ٢٤/١١و١٤ پ٢٥/١٠و١٤ پ٢٧/١٩و٢٠

رُسُلِہٖ: اِس کے رسول، اس کے پیغمبر، رُسُلُ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ

پ٣/١٢ پ٣/٨ پ٤/٩ پ٥/١٧ پ٦/١و٣ پ١٢/٥ پ١٣/١٩ پ٢٧/١٨و١٩ پ٢٨/١٤و١٨

رُسُلُهُمْ: ان کے رسول، ان کے پیغمبر رُسُلُ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ

پ٩/٣ پ١٠/١٥ پ١١/٧ پ١٣/١٤و١٥ پ٢١/٤ پ٢٢/١٨ پ٢٨/٣

رُسُلِی: میرے رسول، میرے پیغمبر، رُسُلُ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ٦/١٧ پ١٦/٣ پ٢٢/١١ پ٢٨/٣

رَسُوْل: پیغمبر بھیجا ہوا، رسول، رِسَالَۃٌ سے ہے۔ شیخ شمس الدین قہستانی لکھتے ہیں۔[۱]

"فعولٌ مبالغہ ہے مُرسَلٌ مُفعَلٌ بالفتح کا اور فعولٌ کا استعمال اس طرح پر نادر ہی ہوتا ہے"

نبی اور رسول کے مابین کیا نسبت ہے[۲]، اس بارے میں تین مختلف رائیں ہیں:-

(۱) یہ دونوں مساوی ہیں یعنی ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد

۱؎ جامع الرموز ص ۵ طبع نول کشور

۲؎ جو کچھ ذہن میں حاصل ہو وہ مفہوم ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، جزئی، اور کلّی، جزئی وہ مفہوم ہے جس کے ایک ذات سے زیادہ پر صادق ہونے کو عقل روا نہ رکھے جیسے مفہوم موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام اور کلی وہ مفہوم ہے جس کے ایک ذات سے زیادہ پر صادق ہونے کو عقل روا رکھے جیسے مفہوم نبی اور رسول کا۔

جو دو کلی ہیں ان میں نسبت چار ہی طرح کی متصور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یا تو دونوں میں سے ہر ایک کلی دوسری کلی کے ہر فرد پر صادق آئیگی جیسے انسان اور ناطق کہ انسان ناطق کے ہر فرد پر صادق آتا ہے اور ناطق انسان کے ہر فرد پر ایسی دو کلیوں کو "متساوین" کہتے ہیں، اور ان کی نسبت کو "تساوی" یا دونوں میں سے ہر ایک دوسری کے کسی فرد پر صادق نہ آئیگی جیسے انسان اور گھوڑا، کہ نہ انسان گھوڑے کے کسی فرد پر صادق آتا ہے نہ گھوڑا انسان کے کسی فرد پر ایسی دو کلیوں کو "متباثنین" کہتے ہیں اور ان کی نسبت کو تباین، یا دونوں میں سے ایک تو دوسری کے ہر فرد پر صادق آئیگی اور دوسری پہلی کے ہر فرد پر صادق نہ آئیگی بلکہ صرف بعض افراد پر جیسے حیوان اور انسان کہ حیوان تو انسان کے ہر فرد پر صادق آتا ہے اور انسان حیوان کے صرف بعض افراد پر، ایسی دو کلیوں میں سے اول کو اعم کہتے ہیں اور دوسری کو اخص اور ان کی نسبت کو عموم خصوص مطلق، مثال مذکور میں حیوان اعم ہے اور انسان اخص، اور یا ان دونوں میں سے ہر ایک دوسری کے صرف بعض افراد پر صادق آئیگی جیسے حیوان اور سپید کہ حیوان سپید کے صرف بعض افراد پر صادق آتا ہے اور سپید حیوان کے صرف بعض افراد پر چنانچہ بطخ پر دونوں صادق ہیں اور ہاتھی پر صرف حیوان صادق ہے اور ہاتھی دانت پر صرف سپید، ایسی دو کلیوں کو اعم و اخص من وجہ کہتے ہیں اور ان کی نسبت کو عموم و خصوص من وجہ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

نسفی اور شرح مقاصد میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام ابن ہمام نے المسائرہ میں اس کو محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"واما علی ما ذکرہ المحققون من ان النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق"[۱] (لیکن محققین نے جو ذکر کیا ہے کہ "نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا ہو کہ جو کچھ اس کی طرف وحی کی ہے اس کی تبلیغ کرے اور اسی طرح سے رسول، اس بنا پر کوئی فرق نہیں ہے"۔

لیکن آیۂ شریفہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الآیہ (اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی) اس قول کی تردید کر رہی ہے کیونکہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے اور احد المتساویین کی نفی متساوی آخر کی نفی کو مستلزم ہے، پس اگر ان کے مابین تساوی مانی جائے تو وَلَا نَبِيٍّ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نبی تو رسول ہی کے ذکر میں آگیا اب علیحدہ ذکر کی کیا حاجت

(۲) یہ دونوں متباینین ہیں رسول وہ ہے جو جدید شرع لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو جدید شرع لے کر نہ آئے۔ پس کوئی رسول نبی نہیں اور کوئی نبی رسول نہیں، لیکن یہ محض غلط ہے، کیونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں صاف تصریح ہے وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (اور تھا رسول نبی) اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں وارد ہوا ہے۔

(۳) ان دونوں کے مابین عموم خصوص مطلق ہے۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے اب بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ رسول اعم ہے اور نبی اخص، کیونکہ رسول فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی، ارشاد ہے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں) اور نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے فرشتہ نہیں، پس ہر رسول نبی ہوا لیکن ہر نبی رسول نہیں کیونکہ بعض رسول فرشتے ہوتے ہیں اور جمہور کا یہ قول ہے کہ نبی اعم ہے اور رسول اخص[۲] پس ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں مگر اس صورت میں نبی اور رسول میں فرق کیا ہوگا اور ان دونوں کی شرعی تعریف کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں سخت

---

[۱] المسائرہ مع شرحہ المسامرہ ص ۹۴ طبع انصاری دہلی ۱۳۲۰ھ

[۲] واضح رہے کہ اس بحث کے سلسلہ میں ہمارے پیش نظر نبراس شرح شرح عقائد مصنفہ علامہ عبد العزیز بن احمد فرہاری۔ ص ۹، طبع ہاشمی میرٹھ ہے۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اختلاف اقوال ہے جو درج ذیل ہے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رح نے جمہور کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے۔

"جس کو اللہ سے وحی آئی وہ نبی ہے اور ان میں جو خاص ہیں امت رکھتے ہیں یا کتاب وہ رسول ہیں"۔ [۱]

قاضی ناصر الدین علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی لکھتے ہیں:۔

"رسول وہ ہے جس کو اللہ نے شریعتِ جدیدہ دے کر مبعوث فرمایا ہو تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے اور نبی اس کو بھی عام ہے اور اس کو بھی کہ جس کو شرع سابق کے برقرار رکھنے کے لیے بھیجا ہو، جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے مابین ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کو ان انبیاء سے اسی بنا پر تشبیہ دی ہے، پس نبی، رسول سے اعم ہے اور اس پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار، عرض کیا گیا ان میں رسول کتنے ہیں فرمایا، تین سو تیرہ کا جم غفیر۔ اور بعض کا قول ہے رسول وہ ہے کہ معجزہ اور کتاب جو اس پر نازل کی گئی ہو دونوں کا جامع ہو اور جو نبی ہے رسول نہ ہو وہ ہے جس کے پاس کتاب نہ ہو اور بعض کہتے ہیں رسول وہ ہے جس کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی اس کو بھی کہا جاتا ہے اور نیز اس کو بھی جس کی طرف خواب میں وحی کی جائے"۔ [۲]

محدث ملا علی قاری، المنہج الازہر شرح الفقہ للاکبر میں فرماتے ہیں۔

"زیادہ تر مشہور فرق جو ان دونوں میں منقول ہے یہ ہے کہ نبی رسول سے اعم ہے کیونکہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہو اور نبی وہ ہے جس کی طرف وحی کی جائے خواہ وہ تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو"۔ [۳]

شیخ ابن ہمام نے المسائرہ میں اس فرق کو بعض اہل ظواہر و اصحاب حدیث کی طرف منسوب کیا ہے[۴]

۱؎ موضح القرآن، تفسیر سورۂ مریم
۲؎ تفسیر انوار التنزیل ج ۲ ص ۶۴
۳؎ شرح فقہ اکبر ص ۵۸ طبع مصر
۴؎ المسائرہ ص ۹۴۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی بھی فتوحات مکیہ میں اسی
کے قائل ہیں[1]۔ اور علامہ جلال الدین دوانی نے
بھی تفسیر جلالین میں اسی کو اختیار کیا ہے[2]۔ شیخ
الاسلام ابن تیمیہؒ نے کتاب النبوات میں اس
سلسلہ میں ایک نفیس بحث سپرد قلم فرمائی ہے جو
ہدیہ ناظرین ہے فرماتے ہیں :-

"نبی وہ ہے جس کو اللہ بتلاتا ہے اور وہ جو کچھ
اللہ بتلاتا ہے اس کو بتاتا ہے اب اگر اسی کے ساتھ
وہ اس شخص کی طرف بھی بھیجا گیا کہ جو حکم الٰہی کا
مخالف ہے تاکہ اس کو اللہ کے پیغام کی تبلیغ کرے
تو وہ رسول ہے، لیکن جس صورت میں کہ وہ پہلی
ہی شریعت پر عامل ہے اور کسی کی طرف اس کو
بھیجا نہیں گیا کہ جسے وہ اللہ کی طرف سے
پیغام پہنچائے تو وہ "نبی" ہوگا رسول نہیں۔
اللہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (اور ہم نے جو رسول بھیجا تجھ سے
پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان
نے ملا دیا اس کے خیال میں) "ارسال" کا ذکر
فرما کر جو ہر دو نوع کو عام ہے ان میں سے ایک کو
بایں طور خاص کیا ہے کہ وہ رسول ہے اور یہی
وہ رسول مطلق ہے جو اللہ کے مخالفوں کی طرف
تبلیغ رسالت پر مامور ہے جیسے حضرت
نوح علیہ السلام۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے
کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف
مبعوث ہوئے اور ان سے پہلے جو تھے انبیاء
تھے جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس
علیہما السلام اور ان دونوں سے بھی پہلے حضرت
آدم علیہ السلام جو نبی مکلم تھے (یعنی ان سے حق
تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا) حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور
حضرت نوح علیہما السلام کے مابین دس
قرن گزرے ہیں جو سب کے سب اسلام پر
تھے، ان انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی
آتی تھی جس پر یہ خود بھی عمل پیرا ہوتے تھے،
اور ان مومنوں کو بھی حکم فرماتے تھے جو ان کے
پاس تھے کیونکہ وہ سب ان پر ایمان رکھتے
تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک شریعت
والے ان تمام باتوں کو مانتے ہیں کہ جن کی علماء
رسول کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور یہی حال

[1] فتوحات مکیہ باب ۱۴، ۱۵۹ [2] تفسیر جلالین سورۂ حج

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

انبیاء بنی اسرائیل کا ہے کہ وہ شریعت تورات کے
مطابق حکم کرتے تھے اور گو ان میں سے کسی کی
طرف ایک معین واقعہ میں خاص وحی بھی کی
جاتی تھی تاہم شریعت تورات میں ان کی مثال
اسی عالم کی سی ہے جس کو اللہ عزوجل کسی قضیہ
میں ایسے معنی سمجھا دیں جو مطابق قرآن ہوں
جیسے کہ اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام
کو اس قضیہ کا حکم سمجھایا کہ جس میں انہوں نے
اور حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا تھا
پس انبیاء کو تو اللہ تعالیٰ بتلاتا اور اپنے امر
نہی اور خبر سے ان کو مطلع فرماتا ہے اور وہ ان
لوگوں کو کہ جو ان پر ایمان لاتے ہیں اللہ عزوجل
نے جو کچھ خبر دی ہے اور امر و نہی سے مطلع فرمایا
ہے بتلاتے ہیں، پھر اگر کفار کی طرف بھی رسول
ہوئے تو ان کو توحید الٰہی اور اس وحدہٗ لا
شریک لہٗ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔
نیز یہ ضروری ہے کہ رسولوں کی ایک قوم تکذیب
کرے، اللہ عزوجل فرماتا ہے كَذٰلِكَ مَآ اَتَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا
سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح ان سے پہلے
لوگوں کے پاس جو رسول آیا تو یہی کہا کہ
جادوگر ہے یا دیوانہ) اور ارشاد ہے مَا يُقَالُ
لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ
(تجھ سے وہی کہینگے جو کہہ دیا ہے سب رسولوں
سے تجھ سے پہلے) وجہ یہ ہے کہ رسول مخالفوں
ہی کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس لیے اُن
کی ایک جماعت ان کو جھٹلاتی ہے ارشاد
ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ حَتّٰٓى
اِذَا اسْتَيْاَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ
نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے
یہی مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں
کے رہنے والے سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے
ملک میں کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام ان کا جو
ان سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے پرہیز
کرنے والوں کو، کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے
یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی
ان کو مدد ہماری، پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا
اور پھیری نہیں جاتی آفت ہماری قوم گنہگار
سے) اور فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ
(ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان
والوں کی دنیا کی زندگانی میں اور جب کھڑے
ہونگے گواہ)

ارشاد ربانی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اس امر کی دلیل ہے
کہ نبی بھی مرسل ہی ہوتا ہے لیکن اطلاق کے
وقت وہ رسول سے موسوم نہیں ہوگا کیونکہ
وہ کسی قوم کی طرف ایسی باتیں لے کر نہیں
بھیجا گیا کہ جن سے وہ واقف نہ ہوں بلکہ اہلِ
ایمان کو ان باتوں کا حکم دیتا تھا کہ جن کے حق
ہونے کو وہ جانتے ہیں جو نوعیت کہ ایک عالم
کی ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسی لیے ارشاد فرمایا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء
(علماء انبیاء کے وارث ہیں)۔

نیز رسول کی شرط یہ بھی نہیں ہے کہ وہ نئی
شریعت ہی لے کر آئے کیونکہ حضرت یوسف
علیہ السلام باوجود رسول ہونے کے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے، نیز حضرت
داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں
کے دونوں رسول تھے اور شریعت تورات
پر تھے، حق تعالیٰ مومن آلِ فرعون کی زبانی
فرماتے ہیں وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ
قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا
جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ
یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (اور
تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے
کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں
ان چیزوں سے جو وہ لایا یہاں تک کہ جب
مر گیا کہنے لگے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اس کے بعد
کوئی رسول) اور فرمایا اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ
اَوْحَیْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ
وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ
وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰى وَاَیُّوْبَ
وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ
زَبُوْرًا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ
مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ
وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا (ہم نے وحی بھیجی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوحؑ پر اور ان نبیوں
پر جو اس کے بعد ہوئے اور وحی بھیجی ابراہیمؑ
پر اور اسمٰعیلؑ پر اور اسحٰقؑ پر اور یعقوبؑ پر اور
اس کی اولاد پر اور عیسٰیؑ پر اور ایوبؑ پر اور یونسؑ
پر اور ہارونؑ پر اور سلیمانؑ پر اور ہم نے دی داؤدؑ
کو زبور اور بھیجے ایسے رسول جن کا احوال ہم
نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول
جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں
اللہ نے موسٰی سے بول کر۔

اور ارسال اسم عام ہے جو ارسالِ ملائکہ
ارسال ریاح، ارسالِ شیاطین اور ارسال
نار، سب پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ
(چھوٹتے ہیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور
دھواں ملے) اور ارشاد ہے جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ
رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ (جس نے ٹھہرائے فرشتے
پیغام لانے والے جن کے پر ہیں) یہاں سب
فرشتوں کو رسول قرار دیا گیا ہے اور مَلَک لغت
میں اس کو کہتے ہیں جو الوکۃ یعنی رسالت کا
حامل ہو اور دوسری جگہ فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِی
مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ چھانٹ
لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور
آدمیوں میں) اور یہ وہ ہیں جن کو وحی دے کر
بھیجتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ
أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ
حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ
مَا يَشَاءُ (اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ
اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا
پردے کے پیچھے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا
پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو وہ چاہے)
اور فرمایا هُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ (وہی ہے کہ چلاتا ہے
ہوائیں خوشخبری لانے والی مینہ سے پہلے) اور
ارشاد فرمایا إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى
الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (ہم نے چھوڑ رکھے
ہیں شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں ان کو
ابھار کر) لیکن لفظ رسول جبکہ اللہ کی طرف
مضاف ہو اور رسول اللہ کہا جائے تو اس
سے وہی سمجھا جائیگا جو اللہ کی طرف سے
پیغام لے کر آئے خواہ فرشتہ ہو خواہ بشر ہو، چنانچہ
ارشاد ہے اَللّٰہُ یَصْطَفِی مِنَ الْمَلَائِكَةِ
رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اور فرشتے کہتے ہیں

٨٠-٩٥

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ (اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے وہ ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک) اور عام فرشتوں اور ہواؤں اور جنوں کا ارسال کسی فعل کی انجام دہی کے لیے ہوتا ہے تبلیغ رسالت کے لیے نہیں، اللہ فرماتا ہے اُذْكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرًا (یاد کرو احسان اللہ کا جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا) پس اللہ کے جو رسول اللہ کی طرف سے امر و نہی کی تبلیغ کرتے ہیں عند الاطلاق یہی اللہ کے رسول ہیں[1]"

غرض امام موصوف کے نزدیک جس کو اللہ کی طرف سے وحی آئے اور وہ مومنین ہی کو احکام الٰہی کی تعلیم دے وہ نبی ہے اور جو اس کی دعوت کافروں کے لیے بھی عام ہو تو رسول ہے امام موصوف نے طبقات انبیاء کے سلسلہ میں بھی ایک اہم فرق واضح کیا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے، فرماتے ہیں۔

"جس طرح اولیاء اللہ میں دو طبقے ہیں سابقین مقربین، اور اصحاب یمین مقتصدین) اسی کی نظیر انبیاء علیہم السلام میں عبد رسول اور نبی ملک کی تقسیم ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کے درمیان اختیار عطا فرمایا تھا کہ خواہ "عبد رسول" بنیں خواہ "نبی ملک" آپ نے "عبد رسول" بننا اختیار فرمایا۔ پس "نبی ملک" تو جیسے داؤد و سلیمان علیہما السلام اور ان کے امثال ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے میں ارشاد فرماتا ہے، قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ‌ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ ۙ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ (اس نے عرض

[1] ملاحظہ ہو کتاب النبوات ص ۲، ۱ و ۳، ۱، ۴، ۱ طبع منیریہ مصر ۱۳۴۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کیا کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھ کو عطا فرما ایسی بادشاہی کہ کسی کو سزاوار نہ ہو میرے بعد بیشک تو بہت دینے والا ہے تو ہم نے اس کا تابع بنا دیا ہوا کو کہ چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچا چاہتا، اور شیطان سارے عمارت بنانے والے اور غوطے لگانے والے اور کتنے اور بندھے ہوئے بیڑیوں میں، یہ ہے ہماری عطا پس تو احسان کر دیا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہیں، پس "نبی ملک" پر جو کچھ فرض کیا گیا وہ اس کو انجام دیتا ہے اور جس کو اللہ نے اس پر حرام کر دیا اسے ترک کر دیتا ہے اور ولایت و مال میں جس طرح پسند کرتا اور مناسب سمجھتا ہے تصرف کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس پر کچھ گناہ ہو۔

لیکن عبد رسول بغیر اپنے رب کے حکم کے کسی کو نہیں دیتا اور یہ نہیں کرتا کہ جسے چاہے عطا کر دے اور جسے چاہے محروم رکھے بلکہ جس کو عطا کرنے کا رب حکم دے اسے عطا کرتا اور جس کی تولیت کا امر کرے اسے والی بناتا ہے پس اس کے سارے کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی عبادات ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ انی و اللہ لا اعطی احدا و لا امنع احدا انما انا قاسم اضع حیث امرت میں اللہ کی قسم نہ کسی کو عطا کرتا ہوں اور نہ کسی سے روکتا ہوں میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم دیا گیا رکھ دیتا ہوں۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اموالِ شرعیہ کو اللہ اور رسول کی طرف منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ (کہہ دو کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا) اور مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ (جو کچھ دلایا اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ اور رسول کے لیے) اور وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ (اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے)۔

اور اسی لیے اقوالِ علما میں ظاہر تر یہی قول

ہر کہ یا موالِ ولی الامر کے اجتہاد کے مطابق وہاں خرچ کیے جائیں جہاں اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہو، چنانچہ امام مالکؒ اور دیگر سلف کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی یہی مشہور ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے تین حصے کر دیے جائیں چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں۔

مقصود یہاں یہ ہے کہ عبد رسول، نبی ملک سے افضل ہے چنانچہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل ہیں حضرت یوسف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام سے کہ مقربین سابقین ابرار اصحاب الیمین سے افضل ہیں۔"[1]

امام ابنِ تیمیہؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

"اولیاء اللہ میں سب سے افضل مرسلین ہیں اور مرسلین میں سب سے افضل اولو العزم ہیں، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ان اولو العزم میں سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین امام المتقین، سید ولد آدم اور امام الانبیاء ہیں"[1]

اور محدث ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل ہیں اور (بقیہ تینوں حضرات میں) ظاہر یہ ہے کہ نوح علیہ السلام افضل ہیں پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام۔ اور ہمارے شیخ المشائخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ ان تینوں میں کون افضل ہے اس کے متعلق میں کسی روایت پر واقف نہیں ہو سکا۔"[2]

انبیاء و رسل کی تعداد کے بارے میں جو روایتیں آئی ہیں ان پر تفصیلی بحث لفظ "انبیاء" کے ضمن میں گزر چکی ہے اور چونکہ ان روایتوں کو قطعیت کا درجہ حاصل نہیں، اس لیے علماء کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ ان کی تعداد کا مسئلہ ظنی ہے اعتقادی نہیں۔

جن میں بھی رسول ہوئے ہیں یا نہیں، علماء اس میں مختلف ہیں، ضحاک سے جب اس کے متعلق سوال ہوا تو کہنے لگے ہاں، کیا اللہ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ (اے جماعت جنوں کی اور آدمیوں

[1] الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان ص ۴۴ طبع احمدی لاہور [2] المنبع الازہر شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کی، کیا نہ آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تمہیں میں سے)
یعنی انسانوں میں سے پیغمبر اور جنوں میں سے پیغمبر۔
کلبی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت سے قبل جن و انس دونوں میں رسول
مبعوث ہوتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و
سلم جن و انس سب کی طرف مبعوث ہوئے[1]۔

علامہ ابن حزم کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے
وکان النبی یبعث فی قومہ (اور نبی اپنی قوم
میں مبعوث ہوتا تھا) اور جن قوم انس میں سے نہیں
لہذا ثابت ہوا کہ جن کے لیے بھی جن ہی میں انبیاء
ہوئے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ بجز ہمارے پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم کے کہ ان کی بعثت جن و انس کے لیے
بالاتفاق عام ہے انسانوں میں سے کوئی نبی جن
کی طرف مبعوث نہیں ہوا[2]۔

اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن میں
کوئی رسول نہیں ہوا، صرف انسانوں میں رسول
ہوئے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

"جمہور ضحاک کے استدلال کا یہ جواب دیتے
ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "رسل انس" وہ
رسول ہیں جو انسانوں کی طرف اللہ کی جانب
سے بھیجے گئے ہیں اور "رسل جن" کو اللہ نے
زمین پر منتشر فرمایا کہ وہ "رسل انس" کی باتوں
کو سن کر اپنی قوم کو تبلیغ کریں۔ اسی لیے ان
کا کہنے والا کہتا ہے اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ
مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی الآیہ (ہم نے سنی ایک کتاب
جو اتری ہے موسیٰ کے بعد[1])"

امام بغوی فرماتے ہیں:

"مجاہد کہتے ہیں کہ انسانوں میں رسول ہوئے
ہیں اور جنوں میں رسول نذیر، اور انہوں نے
تلاوت کیا وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ۔
(پھر گئے اپنی قوم کی طرف ڈراتے ہوئے) منذرین
وہ ہیں جو پیغمبروں کی باتیں سن کر جو کچھ سنا
جنوں میں جا کر اس کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن
میں پیغمبر نہیں ہوتے، اس صورت میں ارشاد
الٰہی رُسُلٌ مِّنْکُمْ میں کُمْ کی ضمیر ایک صنف
یعنی صرف انس کی طرف راجع ہوگی، جس
طرح کہ ارشاد ہے۔ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ
(نکلتا ہے ان سے موتی اور مونگا) حالانکہ کھاری
سے نکلتا ہے شیریں سے نہیں، اور فرمایا وَجَعَلَ
الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا (اور رکھا چاند ان میں اجالا)

---

[1] معالم التنزیل امام بغوی ج ۲ ص ۱۵۲
[2] فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حالانکہ وہ صرف ایک ہی آسمان میں ہے[۱]"

واضح رہے کہ قرآن مجید میں رسول سے کہیں فرشتہ مراد ہے اور کہیں نبی، اس لیے حسب موقع و محل معنی لیے جائیں گے، نیز لفظ رسول کا اطلاق واحد اور جمع دونوں کے لیے ہوتا ہے، ارشاد ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا) اور اَنَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا)، رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ ہے۔

۱/۱۱و۱۲ ۲/۱و۱۰ ۳/۸، ۱۲و۱۳، ۱۷ ۴/۵، ۶، ۷و۹و۱۰

۵/۳، ۵و۶، ۸و۱۴ ۶/۲و۳و۱۰، ۱۴ ۷/۱، ۲، ۳، ۴ ۸/۱۵، ۱۶

۹/۲، ۹و۱۰، ۱۵و۱۷ ۱۰/۸، ۱۴و۱۷ ۱۱/۱و۴، ۵و۱۰

۱۲/۱۷ ۱۳/۱۲و۱۳ ۱۴/۱و۲ ۱۵/۵و۱۴ ۱۶/۲، ۴و۱۷ ۱۷/۱۳و۱۴، ۱۵

۱۸/۱۶ ۱۹/۱، ۶، ۸و۱۱و۱۲، ۱۳، ۱۴ ۲۰/۱۴ ۲۱/۱۹ ۲۲/۲و۴ ۲۳/۱

۲۴/۱۳ ۲۵/۹و۱۱و۱۴ ۲۶/۸و۱۰و۱۲و۱۰ ۲۷/۲و۱۷ ۲۸/۲و۴و۷و۹و

۲۸/۱۲و۱۶ ۲۹/۵و۶و۱۲و۱۳ ۳۰/۶و۱۶و۲۳

رَسُوْلًا ۱/۱۵ ۲/۲ ۳/۱۳ ۴/۸ ۵/۸ ۱۴/۱۱ ۱۵/۲و۱۰و۱۱

۱۶/۷و۱۷ ۱۸/۱۲ ۱۹/۲ ۲۰/۸و۹ ۲۲/۵ ۲۴/۹ ۲۵/۶ ۲۸/۱۱و۱۸

۲۹/۱۲

رَسُوْلَا: دو بھیجے ہوئے، دو رسول، رَسُوْلٌ کا تثنیہ اصل میں رَسُوْلَانِ تھا، اضافت کے سبب نون تثنیہ حذف ہوگیا ۱۶/۱۱

رَسُوْلُكُمْ: تمہارا پیغمبر، تمہارا رسول، رَسُوْلٌ مضاف كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ۔ ۱/۱۳ ۹/۱۶

رَسُوْلُنَا: ہمارا پیغمبر، ہمارا رسول رَسُوْلٌ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ۶/۷ ۷/۲ ۲۸/۱۲

رَسُوْلُهٗ: اس کا پیغمبر، اس کا رسول، رَسُوْلٌ مضاف هٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ

۳/۶ ۴/۱و۱۳ ۵/۱۱و۱۷ ۶/۹و۱۲ ۹/۱۰، ۱۵و۱۶و۱۷ ۱۰/۲ و۷ و۸

۱۰/۹و۱۰، ۱۱، ۱۳و۱۴، ۱۵، ۱۶و۱۷و۱۸ ۱۱/۱و۲ ۱۸/۱۲، ۱۳و۱۷

۲۱/۱۸و۱۹، ۲۰ ۲۲/۱و۲و۴، ۶ ۲۶/۹و۱۰، ۱۱و۱۲، ۱۳و۱۴

۲۷/۷و۲۰ ۲۸/۱و۲و۳، ۴و۹و۱۰و۱۳و۱۵ ۲۹/۱۲

رَسُوْلُهَا: اس کا پیغمبر، اس کا رسول رَسُوْلٌ مضاف هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ۱۸/۳

رَسُوْلُهُمْ: ان کا پیغمبر، ان کا رسول۔ رَسُوْلٌ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ

۱۱/۱۰ ۱۸/۴ ۲۳/۶

رَسُوْلِیْ: میرا پیغمبر، میرا رسول۔ رَسُوْلٌ مضاف

---

[۱] فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۵ [۲] معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۵۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ہے

فصل الشین المعجمہ

رَشَادٌ: نیکی، راستی، بھلائی، رَشَدَ یَرْشُدُ کا مصدر ہے، اس کے معنی راہ راست اختیار کرنے کے ہیں۔ پ۲۴ ع۱۰۹

رُشْدٌ: ہدایت، صلاحیت، راہ یابی، بھلائی، راستی، ہوشیاری، حسن تدبیر رَشَدَ یَرْشُدُ کا مصدر ہے، ہدایت کی جگہ استعمال ہوتا ہے،

آیہ شریفہ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کردو ان کے مال) میں رشد سے مراد صلاحیت ہے دین میں اور مال کے تصرف میں،

صلاح دینی سے مراد یہ ہے کہ ان فواحش و معاصی سے مجتنب رہے جو عدالت کو ساقط کر دیتے ہیں اور مال میں صلاح کا یہ مطلب ہے کہ فضول خرچ نہ ہو یعنی ایسی جگہ مال خرچ نہ کرے کہ جہاں دنیا کی کوئی خوبی اور آخرت کا کوئی ثواب نہ ہو، نیز مال کا صرف کرنا جانتا ہو کہ لین دین میں غبن نہ اٹھائے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یتیموں کی رشد نہ دیکھا جائے تو ان کو مال سپرد نہ کیا جائے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے،

لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اٹھارہ برس سن بلوغ کی آخری حد ہے اس لیے سات برس زائد یعنی پچیس برس کے سن تک اور انتظار کیا جائے کیونکہ سات برس کی مدت تغیر احوال کے لیے معتبر ہے، طفل کو اس مدت میں تمیز ہو جاتی ہے اور اس پر نماز کا حکم کیا جاتا ہے۔ پس اس قدر انتظار کر کے اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائیگا، اگرچہ اس سے رشد نہ دیکھا جائے۔ اور مفہوم سے استدلال کرنا ہمارے نزدیک ناتمام ہے اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو آیت میں لفظ رُشد نکرہ ہے۔ پس ادنیٰ رشد جس پر بولا جاتا ہے وہ مراد ہوگا اور اس سن پر اس قدر پایا جاتا ہے پ۴ ع۲ پ۹ ع۷ پ۱۱ ع۲۹

رُشْدًا پ۱۵ ع۱۲ پ۱۵ ع۲۱

رَشَدًا: راستی، بھلائی، نیکی، راہ یابی، رَشَدَ یَرْشُدُ کا مصدر ہے اس کے معنی راہ راست پانے کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں:-

بعض علماء کا بیان ہے کہ رَشَدًا رُشد سے اخص ہے کیونکہ رُشد امور دنیویہ اور اخرویہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور رَشَد صرف

امور اخروی میں بولا جاتا ہے اور رَاشِدٌ اور
رَشِیْدٌ دونوں کے لیے آتے ہیں ارشاد ہے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (وہ لوگ ہی ہیں
نیک چال پر) اور مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ
(نہیں بات فرعون کی نیک چال رکھتی)"
پ ۱۵/۱۳و۱۶ پ ۲۹/۱۱و۱۲

رُشْدَہٗ: اس کی راہ یابی۔ اس کی نیک راہ،
اس کی ہدایت رُشْدَ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر
غائب مضاف الیہ۔ پ ۱۷/۵

رَشِیْدٌ: نیک چال والا، بھلائی والا، شائستہ
رُشْدٌ سے بروزن فَعِیْلٌ بمعنی فاعل ہے پ ۱۲/۷و۸و۹

فصل الصّاد المهملة

رَصَدًا: چوکیدار، نگہبان، گھات۔ رَصَدَ یَرْصُدُ
کا مصدر ہے، جس کے معنی نگاہ رکھنے اور گھات لگانے
کے ہیں، واضح رہے کہ مصدر مذکور اسم فاعل اور
اسم مفعول دونوں کے معنی میں مستعمل ہے نیز واحد،
تثنیہ اور جمع سب کے لیے آتا ہے، قرآن مجید میں جہاں
لفظ رصد کا استعمال ہوا ہے ان سب معانی کا
استعمال ہے۔ پ ۲۹/۱۱و۱۲

فصل الضاد المعجمة

رَضَاعَۃ: دودھ پلانا، شیرخوارگی، مصدر ہے
اور اس کا فعل باب ضَرَبَ سَمِعَ اور فَتَحَ تینوں
سے مستعمل ہے۔ لغت میں اس کے معنی تھن یا پستان
سے دودھ پینے کے ہیں اور شرعاً بچہ کا حقیقۃً یا حکماً
وقت مخصوص میں عورت کے خالص یا ملے ہوئے
دودھ کو جب کہ دودھ غالب ہو پینے کا نام ہے[1]
حکماً پینے کا مطلب حلق میں ڈالنا یا ناک کے
ذریعہ پیٹ میں اُتارنا ہے۔ پ ۲/۱۴۔ پ ۲۸/۱۵

رَضُوْا: وہ راضی ہوئے، وہ خوش ہوئے انہوں
نے پسند کیا، رِضیً سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر
غائب۔ راغب لکھتے ہیں:

بندے کا اللہ سے راضی ہونا یہ ہے کہ جو کچھ
اس پر قضاء الٰہی جاری ہو وہ اسے مکروہ نہ
سمجھے، اور اللہ کا بندہ سے راضی ہونا یہ کہ اس
کو اپنے حکم کا فرماں بردار اور اپنی نہی سے پرہیزگار
دیکھے۔"

(ملاحظہ ہو ترضیٰ) پ ۶/۱۰/۱۳و۱۷و۱۸ پ ۱۱/۲و۴ پ ۲۸/۳
پ ۳۰/۲۳

---

[1] جامع الرموز ص ۲۱۷ طبع نول کشور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رِضْوَانُ : رضامندی، خوشنودی، مرضی،
رضا، رَضِیَ یَرْضٰی کا مصدر ہے "رضائے کثیر" یعنی بڑی
رضامندی اور نہایت خوشنودی کو رِضْوَان کہتے
ہیں اور چونکہ سب سے بڑی رضا اللہ کی رضا ہے
اس لیے قرآن مجید میں رضوان کا لفظ جہاں بھی
استعمال ہوا ہے رضائے الٰہی کے لیے مخصوص ہے
پ ۳/۱۰ پ ۴/۸ و ۹ پ ۱۰/۹ و ۱۵ پ ۱۱/۲ پ ۲۷/۱۹ و ۲۰

رِضْوَانًا پ ۶/۵ پ ۲۶/۱۲ پ ۲۸/۴

رِضْوَانَهٗ: اس کی رضا، اس کی خوشنودی
رِضْوَانَ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ پ ۶/۷ پ ۲۶

رَضِیَ : وہ راضی ہوا، وہ خوش ہوا، اس نے
پسند کیا، رَضِیَ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب
(ملاحظہ ہو رَضِیَ) پ ۶/۶ پ ۱۱/۲ پ ۱۶/۱۵ پ ۲۶/۱۱ پ ۲۸/۳ پ ۳۰/۱۳

رَضِیًّا: پسندیدہ، من مانا، رَضِیَ سے صفت
مشبہ کا صیغہ، فَعِیْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے پ ۱۶/۴

رَضِیْتُ: میں راضی ہوا، میں خوش ہوا، میں نے
پسند کیا، رَضِیَ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم (ملاحظہ
ہو رَضِیَ) پ ۶/۵

رَضِیْتُمْ: تم راضی ہوئے، تم خوش ہوئے، تم
نے پسند کیا رَضِیَ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔
پ ۱۱/۱۲ و ۱۷

فصل الطاء المہملة

رَطْبٌ : ہرا، تر، یَابِسٌ کی ضد ہے جس کے معنی
سوکھے اور خشک کے ہیں، اور رُطُوْبَۃٌ سے جس کے معنی
تر ہونے کے ہیں صفت مشبہ کا صیغہ ہے، آیت شریفہ
وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (اور
نہ ہرا اور نہ سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں) کی تفسیر میں
علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں:

"ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رطب
پانی اور یابس صحرا ہے، اور عطا کہتے ہیں
کہ اگنے والی اور نہ لگنے والی چیزیں مراد ہیں
اور بعض کا قول ہے کہ رطب سے زندہ اور یابس
سے مردہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہر شے
سے عبارت ہے کیونکہ جمیع اشیاء یا رطب
ہیں یا یابس[۵]"
پ ۱۲

رُطَبًا : تازہ خرما، تازہ کھجوریں، پکی کھجوریں،
رُطَبَۃٌ واحد، اور رِطَابٌ اور اَرْطَابٌ جمع الجمع
پ ۱۶/۵

---

۵ تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ۲ ص ۱۱۶۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فصل العین المہملۃ

رِعَآءُ: چرواہے، رَاعِیْ کی جمع جس کے معنی چرواہے کے ہیں، رَاعِیْ رَعٰی سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو اِرْعَوْا) ۲۰/۶

رِعَایَتِھَا: اس کی نگاہ رکھنا، اس کو نباہنا، اس کی نگہداشت کرنا رِعَایَۃٌ، رَعٰی یَرْعٰی کا مصدر ہے بمعنی حفاظت اور نگرانی کرنے کے مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ ۲۷/۳

رُعْبٌ: رعب، ہیبت، دھاک، دہشت، خوف، ڈر، رَعَبَ یَرْعَبُ کا مصدر ہے۔ راغب نے اس کے معنی خوف سے بھرپور ہونے کے سبب منقطع ہو جانے کے لکھے ہیں ۴/۷ ۹/۱۶ ۲۱/۱۹ ۲۸/۴

رُعْبًا ۱۵/۱۵

رَعْدٌ: کڑک، گرج، گرجنے والا، یہ اصل میں مصدر ہے بمعنی کڑکنے اور گرجنے کے۔ اس کا فعل باب نَصَرَ و فَتَحَ سے آتا ہے اور ابر کی کڑک اور گرج کے لیے بطور اسم مستعمل ہے، امام بغوی نے معالم التنزیل میں تصریح کی ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو ابر کو ہانکتا اور چلاتا ہے[1]۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں ایک روایت منقول ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ بتائیے رَعد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ ہے جو ابر پر متعین ہے[2] ۱۳/۸ ۱/۲

رَعَوْھَا: انہوں نے اس کو نباہا، انہوں نے اس کی رعایت کی۔ انہوں نے اس کی نگہداشت کی رَعْوٌ رِعَایَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ھَا ضمیر واحد مونث غائب۔ ۲۷/۲

فصل الغین المعجمہ

رَغَبًا: رغبت، توقع، رَغِبَ یَرْغَبُ کا مصدر ہے، امام راغب لکھتے ہیں:

"رَغْبَۃٌ، رَغَبٌ اور رُغْبٰی کے معنی ارادہ یعنی خواہش میں وسعت کے ہیں، اللہ فرماتا ہے وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (اور پکارتے تھے ہم کو توقع اور ڈر سے) پس جب رَغِبَ فِیْہِ اور رَغِبَ اِلَیْہِ کہا گیا تو یہ اس شے پر حرص کو چاہتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ (ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں)

[1] معالم التنزیل ج ۴ ص
[2] الاتقان ج ۲ ص ۱۴۱

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور جب رَغِبَ عَنْهُ کہا گیا تو یہ اس سے بے رغبتی اور بیزاری کا مقتضی ہے جیسے اللہ کا قول ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ (اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا) اور اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ (کیا تو پھرا ہوا ہے میرے معبودوں سے)[1] پ ۱۶/۶

رَغَدًا: بافراغت، وسیع، خوب، اچھی طرح، یہ اصل میں سَمِعَ کا مصدر ہے بمعنی بہت نعمت ہونے کے اور صفت مشبہ ہو کر مستعمل ہے نیز رَاغِد کی جمع بھی ہے جیسے خَدَمٌ خَادِمٌ کی، آیت شریفہ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا (اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو محظوظ ہو کر) میں رَغَدًا بمعنی صفت بھی ہو سکتا ہے اور جمع بھی بمعنی رَاغِدِيْنَ کے پ ۱/۴ و ۶ ، ۱۴/۲۱

فصل الفاء

رُفَاتًا: بوسیدہ، گلا ہوا، چورا، جو چیز خشک گھاس کی طرح بوسیدہ ہو کر چورا چورا ہو جائے "رفات" کہلاتی ہے، رَفْتٌ سے مشتق ہے جس کے معنی چورا چورا کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے ہیں، پ ۱۵/۵ و ۱۱

رَفَثَ: عورتوں سے اختلاط کرنا، عورتوں سے بے پردہ ہونا، عورتوں کی طرف رغبت کرنا رَفَثَ يَرْفُثُ کا مصدر ہے اس کے معنی فحش بات کہنے اور جماع کرنے کے ہیں، قاضی بیضاوی "رفث" کے معنی بیان کرتے ہیں

هو الافصاح بما يجب ان يكنى عنه — جس چیز کو کنایہ سے کہنا واجب ہے اس کو کھول کر کہنا۔

ان کا بیان ہے کہ جماع سے کنایہ ہے کیونکہ جماع تقریباً رفث سے خالی نہیں ہوتا۔[2]

زجاج نے جو ائمہ لغت میں سے ہیں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

الرفث كلمة جامعة لكل ما يريده الرجال من النساء — رفث ایک ایسا کلمہ ہے جو ہر اس چیز پر شامل ہے جس کی مرد عورتوں سے خواہش کرتے ہیں

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"رفث وہ کلام ہے جو جماع اور دواعیِ جماع یعنی جماع پر برانگیختہ کرنے والی اشیاء کے ذکر پر مشتمل ہو کر جن کا بیان کرنا قبیح سمجھا جاتا ہے

---

[1] تفسیر انوار التنزیل ج ۱ ص ۵ طبع مصر ۱۳۳۰ھ [2] تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۳۶ ، طبع مصر ۱۳۳۱ھ ، حافظ ابن حجر نے بھی ازہری سے یہی نقل کیا ہے الرفث اسم جامع لكل ما يريد الرجل من المرأة (فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۲)۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ارشاد الٰہی اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ
اِلٰی نِسَآئِکُمْ (حلال ہوا تم کو روزے کی رات
میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے) میں رَفَث
کو یہ بتلاتے ہوئے کہ اس طرف عورتوں کو بلانا
اور اس معاملہ میں ان سے گفتگو کرنا جائز ہے جماع
سے کنایہ قرار دیا گیا ہے، اور بذریعہ الٰی[1] تعدیہ اس
لیے ہوا کہ یہ افضاء کے معنی پر مشتمل ہے اور آیت
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ (تو بے پردہ ہونا نہیں
عورت سے اور نہ گناہ کرنا) محتمل ہے کہ جماع کرنے
سے ممانعت ہو نیز یہ کہ اس کی گفتگو سے نہی ہو
کیونکہ وہ دواعی جماع میں داخل ہے اور احتمال
اول اصح ہے"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے
ہیں کہ

"حق تعالیٰ حیا والے ہیں کریم ہیں کنایہ سے کام
لیتے ہیں جہاں کہیں قرآن مجید نے مباشرۃ،
ملامستہ، افضاء، دخول اور رفث کا ذکر
فرمایا ہے اس سے جماع مراد لیا ہے"[2]

محیی السنۃ بغوی آیت شریفہ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ
کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

"رفث کے بارے میں علماء مختلف ہیں، ابن مسعود
ابن عباس اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) نے اس
کو جماع کہا ہے اور یہی قول حسن (بصری) مجاہد
عمرو بن دینار، قتادہ، عکرمہ، ربیع اور ابراہیم
نخعی کا ہے۔ اور علی بن ابی طلحہ ابن عباس سے
راوی ہیں کہ "رفث" کے معنی عورتوں سے
صحبت کرنے، بوسہ لینے اشارے کرنے اور
فحش بات کے ذریعہ عورت کو چھیڑنے کے
ہیں، حصین بن قیس کا بیان ہے کہ ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے اپنے اونٹ کی دم پکڑ لی
اُسے ہلانے لگے اور حدی گاتے ہوئے کہنے
لگے:۔

وھُنّ یمشین بنا ھمیسا
ان تصدق الطیر ننک لمیسا[3]

میں نے اُن سے کہا کہ آپ حالت احرام میں
رفث میں مبتلا ہیں کہنے لگے رفث وہ ہے جو

---

[1] علامہ ابو جعفر بیہقی نے تاج المصادر میں تصریح کی ہے کہ یہ اس اصول کی بنا پر ہے کہ کسی شے کو اس کی نظیر کے قائم مقام کر دیا جائے پس جس طرح افضیت کا تعدیہ الی کے ذریعہ کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا بھی تعدیہ الی کے ذریعہ ہوا ملاحظہ ہو اَفضٰی

[2] معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۳۶۔

[3] ہمیس اونٹ کے قدم اُٹھانے کی آواز کا نام ہے اور لمیس محبوبہ کا۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

عورتوں کے سامنے ہو۔ طاؤس کہتے ہیں رفث عورتوں سے جماع کی چھیڑ چھاڑ اور ان کے سامنے اس کا ذکر ہے، عطار کا قول ہے کہ مرد کا حالت احرام میں عورت سے یہ کہنا کہ جب تو احرام اُتاریگی تو میں تجھ سے صحبت کرونگا "رفث" ہے اور بعض کا قول ہے کہ رفث کے معنی فحش اور بیہودہ بات کے ہیں۔"[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی حدیث من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ (جس نے اللہ کے واسطے حج کیا پھر نہ عورت سے صحبت کی نہ صحبت کی بات کی اور نہ گناہ کیا تو اس طرح واپس ہوتا ہے کہ جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا) کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"آیت میں جمہور کے نزدیک رفث سے جماع مراد ہے اور جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں رفث سے اس سے زیادہ عام مراد ہے، اور اسی کی طرف قرطبی مائل ہیں، اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جو صیام کے بارے میں وارد ہے کہ فاذا کان صوم احدکم فلا یرفث (جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو بیہودہ کلام نہ کرے)"[2] ۲/۹۷

رِفْدٌ: بخشش، عطا، انعام، مدد اَرْفَادٌ اور رُفُودٌ جمع، ۱۳/۹

رَفْرَفٌ: قالین، چاندنیاں، تکیے، علامہ زمخشری الفائق میں لکھتے ہیں:

"الرفرف" ما کان من "رفرف" دیبا وغیرہ کا الدیباج وغیرہ رقیقا باریک خوش رنگ حسن الصبغۃ کپڑا ہے۔[3]

علامہ موصوف نے اس کی جامع تعریف کی ہے، اور چونکہ اس کپڑے کے گدّے، تکیے، چاندنیاں، خیمے اور فرش فروش تیار ہوتے ہیں اس لیے ان سب معانی میں اس کا استعمال ہوتا ہے، چنانچہ امام بغوی رقمطراز ہیں:

"سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ رفرف جنت کے ہرے بھرے باغیچے ہیں، ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے، اس کا واحد رفرفہ ہے اور جمع رفارف، اور بعض گدّے اور فرش کو رفرف بتاتے ہیں، حسن (بصری) مقاتل اور

---

[1] معالم التنزیل۔ ج ۱ ص ۱۵۳ [2] فتح الباری ج ۴ ص ۳۰۲ و ۳۰۳ طبع خیریہ ۱۳۰۰ھ

[3] الفائق فی غریب الحدیث ج ۱ ص ۲۴۶ طبع دائرۃ المعارف۔

قرطبی کا یہی قول ہے۔ عوفی ابن عباس سے راوی
ہیں کہ رفرف فرشوں اور گدّوں کا زائد حصّہ ہے
(غالباً جھالر یا کپڑے کا کنارہ مراد ہے جو تخت کے
چاروں طرف لٹکا رہتا ہے) ضحاک اور قتادہ کا
بیان ہے کہ یہ فرش کے اوپر کی سبز چاندنیاں
ہیں، ابن کیسان کہتے ہیں کہ یہ گل تکیے (جن
پر رخسارے رکھتے ہیں) ہیں۔ ابن عیینہ نہالچے
بتاتے ہیں، اور ان کے علاوہ دیگر علماء کی
تصریح ہے کہ عرب کے نزدیک ہر بڑے عرض کا
کپڑا رَفرَف ہے"[1]
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔
"رفرف بکھرے ہوئے پتے ہیں، اللہ تعالیٰ
نے جو عَلٰی رَفرَفٍ خُضْرٍ (سبز چاندنیوں پر)
فرمایا سو یہ ایک خاص قسم کے کپڑے ہیں جن
کو (سبزی میں) باغات سے تشبیہ دی گئی ہے
اور بعض کا قول ہے کہ رفرف میخوں اور طنابوں
کے علاوہ خیمہ اور شامیانہ کے وہ کنارے ہیں
جو زمین پر لٹکتے رہتے ہیں اور حسن (بصری) سے
یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ گل تکیے ہیں" پ ۲۷/۱۳
رَفَعَ: اس نے بلند کیا۔ اس نے اونچا کیا۔ اس
نے چڑھایا، (فَتَحَ) رَفْعٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر
غائب (ملاحظہ ہو تُرْفَعُ) پ ۳/۱ پ ۸/۷ پ ۱۳/۵و۷ پ ۳۰/۴
رُفِعَتْ: وہ بلند کی گئی، رَفْعٌ سے ماضی مجہول
کا صیغہ واحد مؤنث غائب، عربی میں لفظ سماء
(آسمان) مؤنث مستعمل ہوتا ہے۔ پ ۳۰/۱۴
رَفَعْنَا: ہم نے بلند کیا، ہم نے اونچا کیا، ہم نے
اُٹھایا۔ رَفَعَ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم پ ۱/۸و۱۱ پ ۶/۲
پ ۲۵/۹ پ ۳۰/۱۹
رَفَعْنٰهُ: ہم نے اس کو بلند کیا، اس میں ہٗ
ضمیر واحد مذکر غائب ہے۔ پ ۹/۱۲
رَفَعَهُ: اُس کو اُٹھا لیا، اس میں ہٗ ضمیر واحد
مذکر غائب ہے، یہاں رفع سے رفع حقیقی جسمانی
مراد ہے کیونکہ آیت میں اس کا تعدیہ بذریعہ الیٰ ہے،
نیز سیاق اسی معنی کو بتلا رہا ہے اس معنی کا انکار
بجز مکابرہ اور جہالت کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا
(ملاحظہ ہو رَفَعَ و رَافِعُكَ) پ ۶/۲
رَفَعَهَا: اس کو بلند کیا، اُس کو اونچا کیا، اس
میں هَا ضمیر واحد مونث غائب ہے پ ۲۷/۱۱
رَفِيْعٌ: بلند کرنے والا، بلند ہونے والا۔ رَفْعٌ
سے بروزن فَعِيْلٌ بمعنی فاعل یعنی رَافِعٌ بھی ہو سکتا

[1] معالم التنزیل ج ۷، ص ۱۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہے یعنی بلند ہونے والے اور بلند کرنے والے کے اور
بمعنی مفعول یعنی مَرفُوع بھی بمعنی بلند کیے ہوئے کے
رَفِیعُ الدَّرَجٰتِ اسماء حسنیٰ میں سے ہے اس کے دونوں
معنی ہو سکتے ہیں، بلند مرتبوں والے کے بھی اور درجوں
کے بلند کرنے والے کے بھی۔ ب۲۴ ع

رَفِیقًا: رفیق، رَفَاقَۃٌ سے جس کے معنی رفیق
ہونے اور بلطف پیش آنے کے ہیں بروزن فَعِیْلٌ
صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ رُفَقَاءُ جمع، خازن بغدادی
لکھتے ہیں:۔

"رفیق کے معنی صاحب (ساتھی) کے ہیں، صاحب
کا نام رفیق اس لیے پڑا کہ ہم اس سے اور اس
کی صحبت سے نفع اندوز ہوتے ہیں، اور رفیق
حالانکہ جمع کی صفت واقع ہے مگر اس کو واحد
لایا گیا۔ کیونکہ عرب اسے واحد اور جمع دونوں
میں استعمال کرتے ہیں"[۱] ب ۵/۶

فصل القاف

رَقٌّ: کاغذ، ورق، جھلی۔ راغب کہتے ہیں۔
کاغذ کی طرح جس میں لکھا جائے اس کا نام "رق"
ہے، قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ رق وہ جھلی ہے
جس میں لکھا جاتا ہے[۲]۔ رُقوق جمع ب۲۷/۳

رِقَاب: گردنیں، رَقَبَۃٌ کی جمع ب۲/۲ ب
۲۶/۵

رَقَبَۃٍ: گردن، جان، غلام، رقبۃ اصل
میں گردن کا نام ہے پھر جملہ بدن انسانی کے لیے
اس کا استعمال ہونے لگا اور عرف میں یہ غلاموں
کا نام پڑ گیا، جس طرح کہ الفاظ راس اور ظہر کا
استعمال سواریوں کے لیے کیا جانے لگا۔
ب۵/۱۰ ب۷/۲ ب۲۸/۱ ب۳۰/۱۵

رُقُوْدٌ: خفتہ، سونے والے، رَاقِدٌ کی جمع
ہے جیسے سَاجِدٌ کی سُجُوْدٌ، راقد رُقُوْدٌ سے۔
جس کے معنی سونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ
واحد مذکر ہے۔ ب۱۵/۱۵

رَقِیْب: نگہبان، خبر رکھنے والا، محافظ، مطلع
منتظر، راہ دیکھنے والا، رُقُوْبٌ سے جس کے معنی
نگاہ رکھنے اور نگرانی کرنے کے ہیں، بروزن فَعِیْلٌ
صفت مشبہ کا صیغہ، راغب لکھتے ہیں:۔
"رقیب حافظ یعنی نگران کو کہتے ہیں یا تو اس لیے

---

[۱] لباب التاویل ج ۱ ص ۵۰۴۔ [۲] تفسیر انوار التنزیل ج ۲ ص ۲۸۵۔ امام بغوی نے بھی یہی لکھا ہے
ملاحظہ ہو معالم التنزیل ج ۶ ص ۲۰۶۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کہ وہ شخص محفوظ کی گردن کی حفاظت کرتا ہے
اور یا اس لیے کہ وہ اپنی گردن اُٹھائے رہتا ہے"
نیز رقیب حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے جب
یہ ذات باری کی صفت واقع ہو تو اس کے معنی
ہیں :-

ھوالذی لایغفل	"رقیب" وہ ذات ہے جو اپنی
عما خلق فیلحقہ	مخلوق سے غافل نہیں ہوتی اسے
نقص او یدخل	نقصان پہنچے یا اس سے غفلت
علیہ خلل من قبل	کی بنا پر اس میں خلل واقع
غفلتہ عنہ	ہو جائے۔

یہ امام حلیمی کا بیان ہے، زجاج کہتے ہیں :-
"رقیب وہ نگراں ہے جس سے کوئی چیز غائب
نہ ہو، ارشاد الٰہی ہے: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا
لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (نہیں بولتا کوئی بات
مگر نزدیک اس کے نگہبان ہیں تیار) اسی سے
ماخوذ ہے"
امام بیہقی نے ان دونوں اقوال کو کتاب الاسماء و
الصفات میں نقل کیا ہے۔[1] پ ۲۶/۱۶ پ ۱۲/۸ پ ۵/۶
رَقِیْبًا پ ۱۲/۱۲ پ ۱/۳
رُقِیِّكَ : تیرا چڑھنا، رُقِیّ رَقِیَ یَرْقٰی کا مصدر
ہے، اس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں مضاف ہے
کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ۔ پ ۱۵/۱

رَقِیْم : نوشتہ، کتبہ، لکھا ہوا، ایک شہر کا نام جو
ملک شام کے اطراف میں بجانب شمال واقع تھا
امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں :
"کہا گیا ہے کہ "رقیم" مقام کا نام ہے، اور بعض کا
قول ہے کہ یہ (یعنی اصحاب الکہف والرقیم) اس
پتھر کی طرف منسوب ہیں جس پر ان کے نام تحریر
تھے"۔
امام محیی السنہ ابو محمد حسین فرا، بغوی معالم التنزیل
میں فرماتے ہیں
"رقیم کے بارے میں مفسرین مختلف ہیں۔
سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ وہ تختی ہے جس میں
"اصحاب کہف" کے نام اور ان کے حالات
لکھے گئے (بغوی کہتے ہیں) یہ سب اقوال میں
ظاہر تر ہے، پھر اس تختی کو لوگوں نے کہف
کے دروازہ پر نصب کر دیا، یہ تختی سیسہ کی تھی
اور بعض کا قول ہے کہ پتھر کی تھی، اس صورت
میں رقیم بمعنی مرقوم یعنی مکتوب (نوشتہ) ہے

[1] ملاحظہ ہو کتاب الاسماء والصفات ص ۵۹ طبع انوار احمدی الہ آباد

لغات القرآن پ ۹۵ - ۸۲ ۱۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور رقیم کے معنے کتابت کے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے وادی کا نام بتایا ہے جس میں "اصحاب الکھف" ہیں، اس صورت میں یہ رقمۃ الوادی سے ماخوذ ہے جس کے معنے وادی کے کنارہ اور جانب کے ہیں۔ اور کعب احبار کا بیان ہے کہ یہ اس بستی کا نام ہے جہاں سے "اصحاب کہف" نکلے تھے اور بعض کا قول ہے کہ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں کہف تھا[1]۔

واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں تین اقوال مروی ہیں، ایک تو یہی جس کو امام بغوی نے ذکر کیا اور ابن ابی حاتم بطریق عوفی ان سے راوی ہیں کہ "رقیم فلسطین سے ورے عقبان وایلہ کے درمیان ایک وادی ہے[2]" دوسرا وہ جس کو عبد بن حمید نے بطریق سعید بن جبیر ان سے روایت کیا ہے کہ رقیم سیسہ کی تختی تھی جس میں ان کے حکمراں نے ان لوگوں کے نام لکھ کر اس کو اپنے خزانہ میں داخل کر لیا تھا، امام بخاری نے بھی اس روایت کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کی اسناد کو بخاری کی شرط پر صحیح بتایا ہے[3]۔ تیسرا وہ جس کو ابن مردویہ نے بطریق عکرمہ ان سے نقل کیا ہے کہ میں رقیم سے واقف نہ تھا پھر میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ بستی تھی جس سے وہ لوگ نکلے ہیں۔ حافظ ابن حجر اس روایت کی اسناد کو ضعیف بتاتے ہیں[4]۔ طبری نے قتادہ اور عطیہ عوفی سے روایت کیا ہے کہ "رقیم" اس وادی کا نام ہے جس میں کہف واقع تھا، ابو عبیدہ کا بھی یہی قول ہے، ابن ابی حاتم حضرت انس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر سے راوی ہیں کہ "رقیم" کتے کا نام ہے۔ اور علامہ سیوطی نے الاتقان میں ابن ابی حاتم ہی کے حوالہ سے انہی سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک وادی ہے[5] واللہ اعلم۔

واضح رہے کہ اس بارے میں صحیح تر قول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اول ہے، انہوں نے جو اس کا جائے وقوع فلسطین سے ورے عقبہ وایلہ کے درمیان بیان

---

[1] معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۵۶ بر حاشیہ خازن [2] الاتقان ج ۲ ص ۱۴۲ طبع مصر
[3] ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۸ [4] ایضاً ج ۶ ص ۳۶۵ [5] الاتقان ج ۲ ص ۱۴۲ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فرمایا ہے، موجودہ اکتشافاتِ اثریہ نے اس کی حرف بحرف تصدیق کی ہے۔ ہم سابق میں اصحاب الکہف والرقیم" کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ رقیم اس شہر کا نام ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا، مفسرینِ سلف کی اکثریت اسی طرف گئی ہے، اور چونکہ کہف یعنی غار اسی "رقیم" میں واقع تھا اس لیے قرآن مجید نے ان لوگوں کا ذکر اصحٰب الکہف والرقیم کے الفاظ میں کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب احبار، قتادہ، عطیہ عوفی اور ابو عبیدہ کی تصریحات ابھی آپ کی نظر سے گزریں کہ وہ سب اس کو ایک مقام کا نام بتاتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ کوئی اسے بستی اور شہر کا نام قرار دیتا ہے اور کوئی وادی کا، لیکن درحقیقت یہ کوئی فرق نہیں کیونکہ شہر اور اس کی وادی یعنی حوالی شہر سب ایک ہی نام سے موسوم ہوتے ہیں، مگر چونکہ اس شہر کا نام بدل کر بعد میں دوسرا رکھ دیا گیا اور اس کا اصلی نام مشہور نہ رہا اس لیے بعض اہل تفسیر کا ذہن اس جانب منتقل نہ ہو سکا کہ یہ کسی شہر کا نام ہے اور انہوں نے رقیم سے اس کے لغوی معنی نوشتہ اور کتبہ کے مراد لیے، یا پھر قیاس سے کام لے کر اسے "اصحاب کہف" کا کتبہ سمجھ لیا۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی فرماتے ہیں:۔

"الرقیم، اس کو عبرانی میں "سلاع" اور یونانی میں "پٹرا" کہتے ہیں، یہ شمالی عرب میں پہلے بدیانی حکومت کے ماتحت ایک دارالامارت تھا، پھر نبطی عربوں کا دارالحکومت ہوا، رومیوں کے عہد میں بھی اس کو خاص اہمیت ملی[۱]"

اور مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن میں قمطراز ہیں:۔

"قرآن نے "کہف" کے ساتھ "الرقیم" کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے، لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا اس لیے اکثر مفسرین اس طرف چلے گئے کہ یہاں "رقیم" کے معنی کتابت کے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگایا تھا اس لیے کتبہ والے مشہور ہو گئے

لیکن اگر انہوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ "رقیم" وہی لفظ ہے جسے تورات میں "راقیم" کہا گیا ہے، اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر "پیٹرا" کے نام سے

[۱] ارض القرآن ج ۱ ص ۴۲، طبع معارف اعظم گڈھ ۱۳۴۲ھ

 (۷)
۱۱۲۹۷
CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مشہور ہوا، اور عرب اسے "بطرا" کہنے لگے۔

عالمگیر جنگ کے بعد آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک "پیٹرا" بھی ہے اور اس کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے۔

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں اور سطح زمین بلندی کی طرف اُٹھنے لگتی ہے، یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا۔ اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر "رقیم" نامی شہر آباد تھا، دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح "رقیم" نے بھی ایک رومی نو آبادی کی حیثیت اختیار کر لی اور یہی زمانہ ہے جب "پیٹرا" کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی، ۶۴۲ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو "رقیم" کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا، یہ رومیوں کا "پیٹرا" اور عربوں کا "بطرا" تھا۔

جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی از سرِ نو اثری پیمائش کی جا رہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں، ازاں جملہ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں، نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی، ایک غار ایسا بھی ملا ہے جس کے دہانہ کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ہیں، خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی معبد ہو گا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا۔

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ "اصحاب کہف" کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا، اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام "الرقیم" بتلا دیا ہے، اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ "رقیم" کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

قرآن نے جس طرح اس واقعہ کا ذکر کیا ہے

Urdu-111

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی عرب میں شہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے اور اسے ایک نہایت ہی عجیب و غریب بات تصور کرتے تھے، اب یہ ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کے وسائل معلومات محدود تھے، بہت کم امکان ہے کہ دور کی بحثیں ان کے علم میں آئی ہوں، پس ضروری ہے کہ یہ قرب و جوار ہی کی کوئی بات ہو، اور ان لوگوں کی زبانی سنی جا سکے جن سے عربوں کا ملنا جلنا رہتا ہو ایسے لوگ کون ہو سکتے تھے؟ اگر اسے "پیٹرا" کا واقعہ قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، اول تو خود یہ مقام عرب سے قریب تھا، یعنی عرب کی سرحد سے ساڑھے ستر میل کے فاصلہ پر، ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز آتے رہتے تھے، یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی، اور ان ہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔ خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے، اور سفر کا ذریعہ وہی شاہراہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مار مورا تک تعمیر کر دی تھی۔[1] "پیٹرا" اسی شاہراہ پر واقع تھا، بلکہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی، اس لیے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آگیا ہو"[2]

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اَصْحٰبُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ) ۱۵/۱۳

فصل الکاف

رِكَابٌ: اونٹ، سواری، رُكُوبٌ سے اسم ہے، قاضی بیضاوی نے تصریح کی ہے کہ "رِکاب" اونٹ کی سواری ہے، جس طرح راکب کا استعمال شتر سوار کے لیے غالب ہے، اسی طرح اس کا استعمال اونٹ کے معنی میں غالب ہے۔[3] اس کا واحد رَاحِلَةٌ ہے (علیٰ غیر لفظہ) اور رُكُبٌ، رَكَائِبُ اور رِكَابَاتٌ جمع ہے، (ملاحظہ ہو رَكِبَ) ۲۸/۴

[1] جنگ کے بعد اس شاہراہ کا سُراغ لگایا گیا تو پوری طرح نمایاں ہو گئی، اب یہ اپنے اصلی خط پر دوبارہ تعمیر کی جا رہی ہے اور عقبہ سے عمان تک تعمیر ہو چکی ہے، آج کل جہاں عقبہ ہے وہاں پہلے ترسیس آباد تھا، جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز ہندوستان جایا کرتے تھے اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تھا۔ (حاشیہ ترجمان القرآن)

[2] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۳۹۲ و ۳۹۴ طبع مدینہ پریس بجنور [3] انوار التنزیل ج ۲ ص ۳۱۲ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رُکَامًا: توبرتو، تہ بتہ، رَکْمٌ سے جس کے معنی تہ برتہ اکٹھا کرنے کے ہیں، اسم ہے۔ ۱۵/۱۲

رَکْبُ: کارواں، قافلہ، سوار، رَاکِبٌ کی جمع جس کے معنی سوار کے ہیں، رَاکِبٌ رُکُوْبٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے، عرف میں اس کا استعمال شتر سوار کے لیے مخصوص ہے، عرب کا قافلہ چونکہ بیشتر شتر سواروں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لیے کارواں کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ ۱۰/۱

رَکِبَا: وہ دونوں سوار ہوئے، رُکُوْبٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب (ملاحظہ ہو رَکْبٌ) ۱۵/۲۲

رُکْبَانًا: سوار، رَاکِبٌ کی جمع ہے، یہاں عام سوار مراد ہیں، شتر سوار مخصوص نہیں ۲/۱۵

رَکَّبَكَ: اس نے تجھے جوڑ دیا، اس نے تیری ترکیب دی، رَکَّبَ تَرْکِیْبٌ سے جس کے معنی ترکیب دینے، ملانے اور جوڑ دینے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب کَ ضمیر واحد مذکر حاضر۔ ۳۰/۶

رَکِبُوْا۔ وہ سوار ہوئے رُکُوْبٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب (ملاحظہ ہو رَکْبٌ) ۲۱/۳

رِکْزًا: بھنک، کھٹکا، پوشیدہ آواز، اسم ہے۔ ۱۶/۹

رُکَّعٌ: رکوع کرنے والے، رَاکِعٌ کی جمع (ملاحظہ

رَاکِعًا) ۱/۱۵ ۱۱/۱ رُکَّعًا ۲۶/۱۲

رُکْنٍ: آسرا، زور، قوت، کسی شے کی وہ جانب جس کا آسرا لیا جائے "رکن" کہلاتی ہے۔ استعارتًا زور وقوت کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے یہاں رکن سے مراد محکم قلعہ یا زور دار قبیلہ ہے۔ ۱۲/۷

رُکْنِهٖ: اس کی قوت، اس کا زور، رُکْنِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ۲۷/۴

رُکُوْبُهُمْ: ان کا سوار ہونا، رُکُوْبٌ مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ (ملاحظہ رَکْبٌ) ۲۳/۴۔

فصل المیم

رِمَاحُكُمْ: تمہارے نیزے رِمَاحُ مضاف كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، رِمَاحُ رُمْحٌ کی جمع ہے جس کے معنی نیزے کے ہیں۔ ۷/۳

رَمَادٍ: راکھ، خاکستر، اسم ہے، اَرْمِدَةٌ جمع ۱۳/۱۵

رُمَّانٌ: انار، رُمَّانَةٌ مؤنث ۷/۱۸ ۲۷/۴

۲۷/۱۳

رَمْزًا: اشارہ، ایما، رُمُوْزٌ جمع، راغب لکھتے ہیں:-

"رمز کے معنی ہیں لبوں سے اشارہ کرنے مخفی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

آواز، اور ابرو کے ذریعہ ایما کے، نیز ہر وہ بات جو اشارہ کی طرح ہو اسے "رمز" سے تعبیر کیا گیا ہے، جس طرح کہ شکایت کی تعبیر غمز سے کی گئی ہے"

پ ٣ / ١٢

رَمَضَانَ: رمضان، مشہور مبارک مہینہ کا نام، جو قمری سال کا نواں مہینہ ہے، جس میں روزے رکھے جاتے ہیں، ابو الخیر طالقانی نے اپنی کتاب حظائر القدس میں اس ماہ کے ساٹھ نام ذکر کیے ہیں[1]۔

مجاہد کا قول ہے کہ "رمضان" اسماء الٰہی میں سے ہے جس طرح شھر اللہ کہتے ہیں اسی طرح شھر رمضان کہا جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ "رمضان" مہینہ کا نام ہے[2]، قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:-

"رمضان، رَمِضَ کا مصدر ہے جو جلنے اور سوختہ ہونے کے لیے آتا ہے پھر اس کی طرف شھر کی اضافت کی گئی اور اسے عَلَم قرار دیا گیا اور بربنائے علمیت و الف نون غیر منصرف ہوا، جس طرح کہ ابن دایۃ میں جو کوّے کا نام ہے لفظ دایۃ بربنائے علمیت و تانیث غیر منصرف ہے۔ اور اس ماہ کو رمضان سے یا تو اس لیے موسوم کیا کہ اس ماہ میں بھوک پیاس کی سوزش سے سوختہ ہوتے تھے، یا اس لیے کہ گناہ اس میں جل جاتے ہیں، اور یا اس لیے کہ جب ان لوگوں نے قدیم زبان سے مہینوں کے نام منتقل کیے تو یہ مہینہ گرمی کی سخت تمازت کے زمانہ میں واقع ہوا[3]۔ پ ٢

رَمٰی: اس نے پھینکا، رَمْیٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ تَرْمِیْ) پ ۹ / ١٦٠

رَمَیْتَ: تو نے پھینکا، رَمْیٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ پ ۹ / ١٦

رَمِیْمٌ: استخوان بوسیدہ، گلی ہوئی ہڈی، رِمَّۃٌ سے جس کے معنی ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے ہیں، صفت مشبہ کا صیغہ اَرِمَّاءُ اور رِمَامٌ جمع پ ٢٣ / ٢٧

فصل الواو

رَوَاحُهَا: اس کی شام کی سیر، اس کی شام کی منزل، رَوَاحٌ رَاحَ یَرُوْحُ کا مصدر ہے جس کے معنی شام کرنے اور شام کے وقت چلنے کے ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ رَوَاح کے معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور بطور استعارہ اس کا استعمال نصف النہار کے بعد سے اس وقت کے لیے

[1] فتح الباری ج ۴۔ ص ۸۷ [2] معالم التنزیل ج ۱۔ ص ۱۳۰ برحاشیہ خازن [3] انوار التنزیل ج ۱۔ ص ۷۴۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہوتا ہے جس میں انسان چلتا ہے" بہرحال یہ غُدُوٌّ اور صَبَاحٌ کا مقابل ہے اور اس استعمال سرِ شام یا زوال سے لے کر رات تک کے لیے ہوتا ہے، یہاں رواحٍ سے شام کی منزل یعنی زوال سے لے کر غروب آفتاب تک چلنا مراد ہے۔ پ ۲۲/۸

رَوَاسِیَ: بوجھ، پہاڑ۔ رَاسِیَۃٌ کی جمع۔ "رواسی" کا استعمال ٹھیرے ہوئے پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو رَسِیتٍ) پ ۱۳/۷ پ ۱۴/۲، ۸ پ ۱۷/۳ پ ۲۰/۱ پ ۲۱/۱۰ پ ۲۴/۱۰ پ ۲۶/۱۵ پ ۲۹/۲۱

رَوَاكِدَ: ایستادہ، ٹھہری ہوئیں، تھمی ہوئیں۔ رَاكِدٌ کی جمع جو رُكُودٌ سے جس کے معنی اپنی جگہ پر برقرار رہنے اور اپنے مقام پر ٹھہر جانے کے ہیں۔ اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے "رکود" کا استعمال عام طور پر کشتی، ہوا، پانی، ترازو، اور اور آفتاب کے لیے ہوتا ہے، پ ۲۵/۵

رَوْحٌ: فیض، رحمت، راحت، مصدر ہے، اس کا فعل نَصَرَ اور سَمِعَ سے آتا ہے، راغب نے اس کے معنی تنفس یعنی سانس لینے کے بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ "رَوْحٌ سے وسعت کا تصور پیدا کیا گیا، چنانچہ کہا گیا قصعۃ روحاء یعنی وسیع پیالہ اور

ارشاد الٰہی ہے لَا تَيْأَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللهِ رحمت ناامید ہو اللہ کے فیض سے یعنی اللہ کی کشائش اور رحمت سے کیونکہ یہ بھی رَوْحٌ کا ایک جزو ہے، بات یہ ہے کہ چونکہ تنفس باعث فرحت و راحت اور سبب رحمت ہے اور اسی کے ذریعہ خوشبو کا احساس ہوتا ہے، اس لیے فرحت تازگی، آسائش، خوشبو، نسیم کی خنکی، اور خوش آئند ہوا کے لیے اس کا استعمال عام ہے۔ چنانچہ امام بغوی نے مجاہد سے راحت کے اور سعید بن جبیر سے فرحت کے اور ضحاک سے مغفرت و رحمت کے معنے نقل کیے ہیں ؎۱۔ اور بیہقی شعب الایمان میں مجاہد سے رَوْحٌ کے معنی جنت اور ہوائے خوش آئند کے روایت کرتے ہیں ؎۲۔ پ ۱۳/۴ پ ۲۷/۱۶

رُوْحٌ: روح، جان، بھید کی بات، فیض غیبی، وحی، قرآن، فرشتہ، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:-

رَوْحٌ اور رُوْحٌ اصل میں ایک ہیں اور "روح" کو نفس یعنی سانس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ شاعر آگ کے بارے میں کہتا ہے۔

فقلت لہ ارفعھا الیك واحیھا
بروحك واجعلھا لھا قیتۃ قدرا

(میں نے اس سے کہا کہ اس آگ کو اپنی طرف

۱؎ ملاحظہ ہو معالم التنزیل ج ۲، ص ۲۳
۲؎ فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اُٹھاکر اپنے سانس سے اس کو زندہ کرے اور اس کی مقررہ غذا اسے بہم پہنچادے)

یہ اس بناء پر ہے کہ سانس بھی روح ہی کا ایک جزو ہے، یہ تسمیہ ایسا ہی ہے جس طرح پر کہ نوع کو اسم جنس سے موسوم کر دینا جیسے انسان کو حیوان کہہ دینا، نیز روح کو اس جزو کا بھی نام قرار دیا گیا جس کے ذریعہ زندگی، حرکت، منفعتوں کا حصول اور مضرتوں کا دفاع حاصل ہوتا ہے، ارشاد الٰہی وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے) اور نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (اور پھونک دوں اس میں اپنی جان سے) میں اسی "روح" کا مذکور ہے، اور اپنی ذات کی طرف اس کی نسبت باعتبار ملکیت ہے، اور اس نسبت سے تخصیص اس کی شرافت و عظمت کے لیے ہے جس طرح ارشاد ہے وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (اور میرے گھر کو پاک رکھ) اور يٰعِبَادِيَ (اے میرے بندو) نیز اشراف ملائکہ ارواح سے موسوم کیے گئے جیسے يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰئِكَةُ (جس دن کھڑا ہو فرشتہ روح نامی اور سب فرشتے صف باندھ کر) اور تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ (چڑھینگے فرشتے اور روح) یعنی جبریل اور نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (اس کو روح الامین لے کر اترا ہے) جبریل اس نام سے موسوم ہیں اور قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ (تو کہہ اس کو اُتارا ہے پاک فرشتہ نے) اور أَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (اور ہم نے زور دیا اس کو روح پاک سے) میں ان کا نام "روح القدس" لیا، اور ارشاد الٰہی وَرُوحٌ مِّنْهُ (اور روح ہے اس کے ہاں کی) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام "روح" سے موسوم ہوئے کیونکہ وہ مُردوں کو جلاتے تھے اور آیت شریفہ وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا (اور اسی طرح ہم نے وحی کی تمہاری طرف قرآن کی اپنے حکم سے) میں قرآن کا نام "روح" رکھا گیا کیونکہ قرآن اس حیات اخروی کا سبب ہے جس کا بیان آیت وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندگانی) میں ہے"

شیخ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں:-

"لفظ روح متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے (۱) امر وَرُوحٌ مِّنْهُ (اور اس کا امر ہے) (۲) وحی يُنَزِّلُ الْمَلٰئِكَةَ بِالرُّوحِ (اُتارتا ہے فرشتے وحی لے کر)

(۳) قرآن اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا
(ہم نے وحی کی تیری طرف قرآن کی اپنے حکم سے
(۴) رحمت، وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (اور ان
کی مدد کی اپنی رحمت سے) (۵) حیات، فَرَوْحٌ[1]
وَّرَيْحَانٌ (پس زندگی ہے اور روزی ہے) (۶)
جبریل، فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا (پھر بھیجا ہم نے
اس کی طرف اپنا فرشتہ) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ
الْاَمِيْنُ (اس کو فرشتہ معتبر لے کر اترا ہے)
(۷) ایک عظیم المرتبت فرشتہ، يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ
(جس دن کھڑا ہو فرشتہ روح نامی) (۸) ایک
خاص فرشتوں کا لشکر تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ
الرُّوْحُ فِيْهَا (اترتے ہیں فرشتے اور ان کا خاص
لشکر اس میں) (۹) روح بدن وَيَسْئَلُوْنَكَ
عَنِ الرُّوْحِ (اور تجھ سے پوچھتے ہیں جان کے متعلق[2]

امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی، کتاب الاسماء
والصفات میں بعض مفسرین سے ناقل ہیں:
"روح کبھی بمعنی رحمت آتی ہے۔ فرمایا اللہ عزوجل
نے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یعنی اپنی رحمت سے
ان کو تقویت دی، اور ارشاد ہے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِنَا (پھر اس میں ہم نے اپنی روح پھونک
دی) یعنی اپنی رحمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو "روح اللہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی جو ان پر ایمان
لائے ان کے لیے رحمت الٰہی ہیں۔ اور یہ بھی
کہا گیا ہے کہ کبھی "روح" بمعنی وحی ہوتی ہے، اللہ
عزوجل فرماتا ہے۔ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اتارتا ہے وحی اپنے حکم
سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں) اور فرمایا
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا
(اور اسی طرح وحی کی ہم نے تیری طرف روح کی
اپنی طرف سے) نیز ارشاد ہے يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (اتارتا ہے فرشتے وحی لے کر
اپنے حکم سے) کہ یہاں (روح سے) وحی مراد ہے
اور وحی "روح" سے اس لیے موسوم ہے کہ وہ مرگ
جہالت کی حیات ہے، اور اسی لیے حضرت مسیح
عیسیٰ بن مریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا نام "روح"
ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ان کے متبعین
کو ہدایت فرما کر کفر و ضلالت کی موت) سے
زندگی بخشتا ہے، اور فرمایا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ
رُّوْحِنَا یعنی وہ ہمارے ایک کن کے کہہ دینے
سے بغیر باپ کے بشر بن گیا۔ نیز حضرت جبریل

[1] بعض قراء نے رُوح بالضم پڑھا ہے
[2] ملاحظہ ہو الاتقان ج ۱ ص ۱۴۳ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

علیہ السلام کو "روح" سے موسوم کیا گیا ارشاد ہے
قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ، أَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ، - فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا کہ سب جگہ جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور فرمایا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا (اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں) بعض کا قول ہے کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ معظم مراد ہے جو آیہ شریفہ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا میں مراد ہے" ص ۲۶۴

آیت شریفہ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کی تفسیر میں امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ فرشتوں میں ایسا فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں ہر زبان کی ستر ہزار بولیاں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے حق تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک فرشتوں کے ہمراہ اُڑتا رہتا ہے[1]۔ امام خطابی فرماتے ہیں :-

"ارواح میں سے جس روح کے متعلق سوال ہوا اس کے بارے میں علما مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں یہاں جبریل علیہ السلام مراد ہیں، اور بعض کا قول ہے کہ وہ فرشتوں میں ایک خاص صفت کا فرشتہ ہے جس کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ عظیم الخلقت ہے اور اکثر اہل تاویل اس طرف گئے ہیں کہ سوال اس روح کے متعلق کیا تھا جس سے حیاتِ جسم وابستہ ہے، اور ان میں اہل نظر کا یہ بیان ہے کہ روح کی کیفیت کو دریافت کیا تھا کہ کس طرح بدن میں چلتی ہے اور جسم میں اس کے امتزاج اور حیات کے اس سے وابستہ ہونے کی صورت ہے[2]"

امام قرطبی لکھتے ہیں :-

"راجح یہی ہے کہ انھوں نے روحِ انسانی کے متعلق سوال کیا تھا کیونکہ یہود حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے روح اللہ ہونے کے قائل نہیں اور اس سے ناواقف نہیں کہ جبریل ایک فرشتہ ہے اور ملائکہ ارواح ہیں[3]"

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس کو ترجیح دی ہے جس کا آیت شریفہ يَوْمَ يَقُومُ

---

۱ الاسماء والصفات ص ۳۶۵ ۔ ۲ الاسماء والصفات ص ۲۶۵ ۳ فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۴

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا میں مذکور ہے ان کا بیان ہے کہ ارواحِ بنی آدم کو قرآن میں نفس کے علاوہ اور کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ چیز ان کے مدعا پر دلالت نہیں کرتی بلکہ راجح قول اول ہی ہے کیونکہ طبری بطریق عوفی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قصہ میں راوی ہیں کہ انہوں نے روح کے متعلق کہا تھا کہ اسے جسم میں کس طرح عذاب کیا جائیگا[1] یہ واضح رہے کہ تورات اور انجیل میں "روح" کا لفظ فرشتہ کے لیے آیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا استعمال جیسا کہ سابق میں گزرا مختلف معانی میں ہوا ہے، اب یہاں "الروح" سے مراد جسم انسانی کی روح ہو یا فرشتہ یا وحی، جواب کی جامعیت ہر ایک پر حاوی ہے کہ جو کچھ نہیں بتلایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے اس سے زیادہ بتلانے کی تمہاری تنگنائے علم میں وسعت نہیں کہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (تمہیں جو کچھ علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے)

آیۂ کریمہ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا کی تفسیر میں ابن ابی حاتم بطریق علی بن ابی طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو خلقت کے اعتبار سے سب فرشتوں سے بڑا ہے[2] اور بیہقی بطریق عطیہ عوفی ابن عباس سے اس کی تفسیر میں یہ راوی ہیں کہ مراد یہ ہے جب انسانوں کی روحیں فرشتوں کے ساتھ کھڑی ہونگی یہ دونوں صوروں کے پھونکے جانے کے درمیان روحوں کو جسموں کی طرف لوٹائے جانے سے پہلے ہوگا، اور ابو صالح سے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ روح انسانوں کی طرح ایک مخلوق ہے پر وہ انسان نہیں ہیں ان کے ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ نیز مجاہد سے ناقل ہیں کہ روح انسانوں کے مانند ایک مخلوق ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق مجاہد روایت کی ہے کہ روح اللہ کا ایک امر اور اس کی ایک مخلوق ہے ان کی صورتیں انسانوں کی صورتوں پر ہیں، آسمان سے جب کوئی فرشتہ اترتا ہے تو اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے[3]

"روح" کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے اس بارے میں بڑا اختلاف رائے ہے کہا جاتا ہے کہ اس اختلاف کی تعداد سو اقوال تک جا پہنچتی ہے، سلف نے اس قسم

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۴ [2] الاتقان ج ۲ ص ۱۴۱۔

[3] الاسماء والصفات ص ۲۶۵، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس اخیر روایت کو ابن اسحٰق کی تفسیر سے نقل کرکے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے [4] فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کی باتوں میں بحث کرنے سے سکوت اختیار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وثبت عن ابن عباس	حضرت ابن عباس سے یہ ثابت
انہ کان لا یفسر	ہے کہ روح کی تفسیر نہیں کرتے تھے،
الروح ای لایعین	یعنی یہ متعین نہیں کرتے تھے کہ یہی
المراد بہ[1]	مراد ہے۔

عبداللہ بن بریدہ جو ثقاتِ تابعین میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ نے روح پر نہ کسی ملکِ مقرب کو مطلع فرمایا نہ کسی نبیِ مرسل کو۔[2]

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی نفیس کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں جس میں انہوں نے اربابِ کشف اور اہلِ کلام کے عقائد میں مطابقت کی کوشش کی ہے اور جیسا کہ خود ان کا بیان ہے اس موضوع پر ان سے پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا، "روح" پر ایک مستقل بحث سپرد قلم فرمائی ہے جس کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔

ترسیٹھویں بحث اس امر کے بیان میں کہ ساری روحیں مخلوق ہیں اور جیسا کہ وارد ہے اللہ تعالیٰ کے امر (حکم) سے ہیں اور جس نے بھی اپنی عقل سے اس کی حقیقت کے پہچاننے پر غور کیا ہے وہ اس بارے میں یقین پر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اس کا ظنی تخمینہ ہے"

اور ہم کو یہ نہیں ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حقیقت پر کلام فرمایا ہو باوجودیکہ آپ سے اس کے متعلق سوال ہوا تھا پس ہم بھی ادباً اس سے باز رہتے ہیں۔

"روح" کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ موجود ہے جیسا کہ ابوالقاسم جنید وغیرہ نے کہا ہے چنانچہ جنید رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:۔

الروح شیء استاثر	"روح" ایک ایسی شے ہے جس
اللہ تعالیٰ بعلمہ	کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ولم یطلع علیہ	ساتھ مخصوص ہے اور اس نے
احدا من خلقہ	اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس
فلا یجوز لاحد	پر مطلع نہیں فرمایا لہٰذا اس کے
البحث عنہ باکثر	متعلق کسی کو اس سے زیادہ
من انہ موجود۔	بحث کرنا جائز نہیں کہ وہ موجود ہے

اکثر مفسرین جیسے ثعلبی اور ابن عطیہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور جمہور متکلمین کا بیان یہ ہے کہ "روح" ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں اسی طرح گھسی ہوئی ہے جس طرح

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۴
[2] معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۸ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کہ شاخِ سبز میں پانی ہوتا ہے، اور بہت سے متکلمین کا قول ہے کہ وہ عرض ہے یعنی ایسی حیات کہ جس کے وجود سے بدن انسانی زندہ ہے قاضی ابوبکر باقلانی اسی طرف مائل ہیں، اور احادیث میں جو روح کے اُترنے چڑھنے اور برزخ میں چلنے پھرنے کا ذکر آتا ہے وہ قول اوّل پر دلالت کرتا ہے، یہ سہروردی کا بیان ہے اور یہ اجسام کی صفت ہے اعراض کی نہیں کیونکہ عرض ان اوصاف سے موصوف نہیں ہوتا اور بہت سے صوفیہ نے کہا ہے کہ روح نہ جسم ہے نہ عرض بلکہ جوہر[۵] مجرد قائم بالذات اور غیر متحیز ہے، بدن کی تدبیر و تحریک کے لیے اس کا بدن سے خاص تعلق ہے وہ نہ بدن میں داخل ہے نہ اس سے خارج، فلاسفہ کی بھی رائے ہے اور یہ ایک گری ہوئی بات ہے،

اور مجھے جو بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ بالفرض اگر بندہ کو حقیقتِ روح پر مطلع بھی کر دیا جائے تو وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا کہ اس کو ایسی عبارت میں بیان کر سکے کہ جو سننے والے کو اس کی حقیقت کی معرفت تک پہنچا دے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لیے ایسے مرتبہ میں رکھا ہے جو ہمیں عاجز کر دیتا ہے تاکہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں یہ کہہ اُٹھے کہ جب ہم اپنی ذات کی حقیقت کے پہچاننے سے عاجز ہیں تو ذاتِ الٰہی کی معرفت میں کس قدر عاجز بلکہ عاجز تر ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں ذاتِ الٰہی کے بارے میں غور و خوض نہ کرنا چاہیے کیونکہ جب ہم اپنی روح ہی کی معرفت سے عاجز ہیں حالانکہ وہ مخلوق ہے اور سب چیزوں سے زیادہ ہم سے قریب ہے تو اپنے خالق کو کیسے پہچان لیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں وارد ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) بعض عرفاء نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے چونکہ کسی کو بھی اپنے نفس کی معرفت کبھی ممکن نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہمارے اور اس کی معرفتِ ذات کے درمیان ایک عاجز کر دینے والا مقام ہے گویا حق تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ جب انسان اپنے نفس کی معرفت سے بھی قاصر ہے باوجودیکہ وہ مخلوق ہے اور سب چیزوں میں انسان سے زیادہ قریب ہے۔ تو اس ذات کی معرفت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے جس کی نہ شبیہ ہے نہ نظیر اور نہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ کسی حد میں جمع ہو سکتا ہے نہ کسی حقیقت میں۔

[۵] جوہر وہ ہے جو بذاتِ خود قائم ہو جیسے کپڑا اور عرض وہ ہے جو بذاتِ خود قائم نہیں ہوتا بلکہ اس کا قیام بواسطہ جوہر ہوتا ہے جیسے رنگ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کمال بن ابی شریف نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں نے روح کی معرفت میں کیوں خوض کیا حالانکہ شارع نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی ہے تو اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ اوّل یہ کہ تفصیلی جواب اس لیے ترک کر دیا گیا کہ یہود باہم یہ کہتے تھے کہ اگر اس کے متعلق جواب نہیں دیا تو وہ سچے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علاماتِ نبوت میں داخل تھی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روح کے متعلق جواب نہ دینا ان کی کتابوں میں جو یہ وصف مذکور تھا اس کی تصدیق کے لیے تھا، دوم یہ کہ سوال محض تنگ کرنے اور تغلیط و بدگوئی کے لیے تھا اور جب سوال اس طرح پر ہو تو اس کا جواب ضروری نہیں کیونکہ الروح ایک ایسا امر ہے جو روحِ انسانی، جبریل، اور ایک اور فرشتہ کے درمیان جس کو الروح کہا جاتا ہے مشترک ہے نیز فرشتوں کی ایک خاص صنف اور قرآن اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی جواب میں فرماتے تو یہود عیب گیری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کے لیے ضرور کہہ اُٹھتے کہ ہماری تو یہ مراد نہ تھی، یہی سبب ہے کہ جواب اجمالی طور پر اس طرح آیا کہ روح کے ہر معنی پر صادق ہے (یہاں تک اہل اصول کا کلام ختم ہو گیا)

شیخ محیی[1] الدین لواقح الانوار میں فرماتے ہیں "روح اللہ کے امر سے یوں ہوئی کہ وہ بغیر کسی واسطہ کے حق تعالیٰ کے فرمانے سے وجود میں آئی ہے، اس نے روح سے فرمایا کونی (ہو جا) وہ ہو گئی، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے کہ وہ "روح اللہ" ہیں کیونکہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے پھونکنے سے (جیسا پھونکنا کہ اس کے جلال کے لائق ہے) وجود میں آئے ہیں، اللہ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ (سوائے اس کے نہیں کہ مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی) اور غزالی اس طرف گئے ہیں کہ ارشاد خداوندی قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے معنی من غیب کے ہیں یعنی روح اس کے غیب سے ہے کیونکہ عالم امر عالم غیب ہے اور عالم خلق عالم شہادت ہے، ابن عربی کہتے ہیں ہمارے

[1] ابن عربی مراد ہیں، یہاں سے اہل کشف کا کلام شروع ہوتا ہے۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

نزدیک معاملہ اس کے برخلاف ہے جو غزالی نے کہا ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں حق تعالیٰ جس کو بلاواسطہ ایجاد فرمائیں وہ عالم امر سے ہے یعنی جس سے وہ کن فرمائیں اور وہ ہو جائے اس کا بس حق تعالیٰ ہی کی طرف ایک رُخ ہوتا ہے۔ اور ہر وہ چیز جس کو وہ بالواسطہ ایجاد فرمائیں وہ عالم خلق سے ہے اور اس کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک حق تعالیٰ کی جانب اور دوسرا اس سبب کی طرف جس سے وہ وجود میں آیا ہے پس کبھی تو حق تعالیٰ اسے خاص رُخ سے دعوت دیتے ہیں اور کبھی تفصیلات اور بالغ حکمتوں کی بنا پر اس رخ سے دعوت دیتے ہیں جو سبب کا ہے

اور فتوحات مکیہ کے بہترویں باب میں فرماتے ہیں، روح اس لیے امر رب جل وعلا سے ہے کہ وہ خلق سے وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ایجاد فرمایا ہے اور اس کی حقیقت پر بجز ان اصفیاء کے جن کو حق تعالیٰ چاہے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا۔

اور باب ۲۹۹ میں فرمایا ہے کہ روح کے لیے کمیت نہیں کہ وہ اپنے جوہر ذات میں زیادتی قبول کرے بلکہ وہ فرد ہے، اور اگر عاقل بالذات نہ ہوتی تو اخذ میثاق کے وقت اپنے خالق کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتی کیونکہ حق تعالیٰ اسی سے خطاب فرماتے ہیں جس میں ان کے خطاب کی عقل ہو اور فی نفسہ انسان کی یہی حقیقت ہے، شیخ نے اس بارے میں بہت طول سے کام لیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کو کامل، بالغ عاقل، توحید الٰہی کا عارف اور اپنی ربوبیت کا معترف پیدا کیا ہے اور یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو بنایا ہے چنانچہ حدیث کُلُّ مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی کر لیتے ہیں یا مجوسی کر ڈالتے ہیں) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، یہاں اغلب یعنی ماں باپ کے وجود کا ذکر کیا اور جو بھی بچہ کی پرورش کرتا ہے وہ بمنزلہ ماں باپ ہی ہے۔

نیز شیخ باب ۳۲۶ میں رقمطراز ہیں واضح رہے کہ سارے عالم میں جو بھی کسی صورت سے مقید ہے اس کے لیے ایک روح الٰہی ہے جو اس کو لازم ہے اور اسی سے وہ اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا رہتا ہے پس بعض ارواح تو ایسی ہیں جو اس صورت کی مدبر ہیں کیونکہ صورت ارواح کی تدبیر کو قبول کرتی ہے اور یہ وہ ہر صورت ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جو ظاہری زندگی اور موت سے متصف ہے اور
اگر ظاہری زندگی اور موت سے متصف نہیں تو
اس کی روح روحِ تسبیح ہے روحِ تدبیر نہیں شیخ
نے اس پر طویل بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے ان ارواح
میں ان صورتوں کی ارواح سے زیادہ اللہ تعالےٰ
کا کوئی عارف نہیں کہ جو تدبیر سے بے تعلق ہیں یہ
ارواحِ جماد ہیں اور ان سے رتبہ میں کم ارواحِ نبات
ہیں اور ان سے کم مرتبہ ارواحِ حیوان میں اور سرکش
انسانوں کی روحیں ان سے بھی گئی گزری ہیں لیکن
صالحین میں حسب تفاوت طبقات انبیاء و اولیاء
اور مومنین کی ارواح سے معرفت میں اعلیٰ کوئی
نہیں کہ یہ اختصاصِ الٰہی ہے۔"[1]

علماء راسخین میں ایک مشہور بزرگ ہیں حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کشف و
کلام دونوں وادیوں سے یکساں آشنا ہیں، موصوف
نے اس سلسلہ میں حجاب حقیقت کے اور چند پردے
اٹھائے ہیں بحث یقیناً تشنہ رہیگی اگر موصوف کے
گراں قدر افادہ سے قطع نظر کر لی جائے، موصوف
نے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں ایک
مستقل عنوان "باب حقیقۃ الروح" کے نام سے قائم
کیا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ
قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ
الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اور تجھ سے پوچھتے ہیں
روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے
اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا سا ہے) اور اعمش
نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
کی روایت سے وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا
قَلِيلًا (اور ان کو جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا سا ہے)
پڑھا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب
ان یہود سے ہے جنھوں نے روح کے متعلق
سوال کیا تھا اور جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے
آیت اس بارے میں نص نہیں ہے کہ امتِ مرحومہ
میں روح کی حقیقت کا کسی کو علم نہیں اور
یہ بھی نہیں ہے کہ شرع جس سے خاموش ہو اس
کی معرفت کبھی ممکن ہی نہ ہو بلکہ بسا اوقات
شریعت کسی چیز سے اس لیے سکوت اختیار
کرتی ہے کہ اس کی معرفت دقیق ہوتی ہے اور گو
بعض کے لیے اس کی معرفت ممکن ہو مگر جمہور
امت میں اس کے دریافت کی صلاحیت

[1] الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۲۲ و ۱۲۳ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ سب سے پہلے روح کی جس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حیوان کے لیے مبدأ حیات ہے کہ اس کے اندر روح پھونکنے سے وہ زندہ اور اس سے مفارقت ہو جانے پر مردہ ہو جاتا ہے پھر جب بغور اس میں تامل کیا جائے تو یہ کھلتا ہے کہ بدن میں ایک بخار لطیف ہے جو قلب کے اندر خلاصۂ اخلاط سے پیدا ہوتا ہے جو قوی حاسہ و محرکہ اور مدبرہ غذا کا حامل ہوتا ہے، طب کا حکم اسی پر جاری ہوتا ہے اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ رقت، غلظت، صفائی اور کدورت غرض اس بخار کے تمام احوال کا قویٰ میں اور ان تمام افعال میں جو قویٰ سے سرزد ہوتے ہیں ایک خاص اثر ہوتا ہے اور جو آفت کہ کسی عضو پر اور اس عضو کے مناسب بخار کی تولید پر طاری ہوتی ہے وہ اس بخار کو فاسد اور اس کے افعال میں تشویش پیدا کر دیتی ہے، اس بخار کا وجود حیات کو مستلزم ہے اور اس کا تحلیل ہو جانا موت ہے، بس پہلی نظر میں تو یہی "روح" ہے اور نظر غائر کے اعتبار سے یہ روح کا طبقہ سفلی ہے، بدن میں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گلاب کے پھول میں گلاب کا عرق یا کوئلے کے اندر آگ، پھر جب اور غور سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ روح اس روح حقیقی کی سواری اور اس کے تعلق کا مادہ ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں بچہ جوان ہو رہا ہے، بوڑھا ہو رہا ہے اس کے بدن کے اخلاط اور وہ روح جس کی تولید ان ہی اخلاط سے ہوتی ہے ہزار دفعہ سے زیادہ بدل جاتی ہے، وہ کبھی چھوٹا ہے اور کبھی بڑا، کبھی سیاہ ہوتا ہے اور کبھی سپید، کبھی جاہل ہوتا ہے اور کبھی عالم، اسی طرح اور اوصاف ہیں جو بدلتے رہتے ہیں اور شخص وہ کا وہ ہے اور اگر اس سلسلہ میں کسی بات میں مناقشہ کیا جائے تو ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم ان تغیرات اور طفل کو ہو بہو فرض کریں اور کہیں کہ ان اوصاف کے بعینہ باقی رہنے کا ہم کو یقین حاصل نہیں اور اس طفل کے باقی رہنے کا یقین ہے پس وہ طفل ان اوصاف سے علیحدہ ہے اور وہ شئے جس کے ذریعہ وہ وہ ہے نہ یہ روح ہے نہ یہ بدن اور نہ یہ مشخصات جو بہ نظر ظاہر معلوم ہوتے اور دکھائی دیتے ہیں بلکہ روح حقیقت میں

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ایک حقیقت فردانیہ اور نقطہ نورانیہ ہے جس کا طولان تمام تغیر پذیر متغائر اطوار سے کہ جن میں بعض جواہر ہیں اور بعض اعراض ہیں بڑھ چڑھ کر ہے وہ جس طرح کبیر کے ساتھ ہے اسی طرح صغیر کے ساتھ ہے اور جس طرح سپید کے ساتھ ہے اسی طرح سیاہ کے ساتھ ہے اور اسی طرح دیگر متقابل اشیاء کے ساتھ، اس کو اولاً نورِ روحِ ہوائی کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ثانیاً بدن کے ساتھ اس حیثیت سے کہ بدن نسمہ (روح ہوائی) کی سواری ہے اور وہ عالمِ قدس کا ایک روزن ہے جس سے روح ہوائی پر وہ تمام باتیں نازل ہوتی رہتی ہیں جن کی اس میں استعداد ہوتی ہے، پس امور متغیرہ میں جو کچھ تغیر واقع ہوا وہ استعداداتِ ارضیہ کی بنا پر ہوا جس طرح کہ آفتاب کی دھوپ ہے کہ کپڑے کو سپید کرتی اور دھوبی کو سیاہ کر دیتی ہے۔

اور ہمارے نزدیک وجدان صحیح سے یہ متحقق ہو چکا ہے کہ بدن کے روح ہوائی کو پیدا کرنے کی استعداد کو کھو دینے کے سبب بدن سے روح ہوائی کے جدا ہو جانے کا نام موت ہے روحِ ہوائی سے روحِ قدسی کے جدا ہو جانے کا نام موت نہیں ہے چنانچہ امراض مہلکہ میں جب روحِ ہوائی تحلیل ہونے لگتی ہے تو حکمتِ الٰہی میں یہ ضروری ہے کہ روحِ الٰہی کا اس قدر حصہ باقی رہے کہ روحِ الٰہی کا ارتباط اس سے قائم رہ سکے جس طرح کہ شیشی سے تم ہوا کو چوسنے لگو تو ہوا اس میں سے خارج ہوتی رہیگی یہاں تک کہ اس حد پر جا پہنچیگی کہ اس کے بعد خالی نہ ہو سکے۔ اب یا تو چوسنے کی تم میں طاقت نہ رہیگی یا شیشی پھٹ جائیگی، یہ سب کچھ اس راز کی بنا پر ہے جو ہوا کی طبیعت سے پیدا ہے۔

اسی طرح روح ہوائی میں ایک راز ہے اور اس کی ایک حد ہے کہ ان دونوں سے معاملہ متجاوز نہیں ہو سکتا پھر جب انسان مر گیا روحِ ہوائی کی نشاءت ثانیہ ہوئی اب روح الٰہی کا فیض باقی حس مشترک میں ایک خاص قوت پیدا کریگا جو عالم مثال (یعنی وہ قوت متوسطہ جو مجرد و محسوس کے درمیان افلاک میں شئے واحد کی طرح منتشر ہے) کی مدد سے سننے دیکھنے اور بولنے کے لیے کافی ہوگی اور بسا اوقات روحِ ہوائی اس وقت عالم مثال کی مدد سے لباس نورانی یا ظلمانی کے لیے تیا

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہو جاتی ہے اور یہیں سے عالمِ برزخ کے عجائبات
ظاہر ہونے لگتے ہیں، پھر جب صور پھونکا گیا
یعنی باری صُور کی طرف سے اسی طرح کا فیضِ
عام آیا جیسا کہ ابتدا آفرینش میں ہوا تھا جب
کہ روحیں جسموں میں پھونکی گئیں اور عالمِ موالید
کی تاسیس عمل میں آئی تھی تو روحِ الٰہی کا فیض
اس کا موجب ہوا کہ لباس جسمانی یا ایسے لباس
میں کہ جو عالمِ مثال و عالمِ اجسام کے بین بین
ہو ملبوس ہو اور اب وہ تمام باتیں پوری ہونگی
جن کے متعلق صادق و مصدوق علیہ افضل
الصلوات والیمن التحیات نے مطلع فرمایا ہے
اور چونکہ روح ہوائی روحِ الٰہی اور بدن ارضی
کے درمیان برزخ متوسط ہے اس لیے
ضروری ہے کہ اس کا ایک رُخ اس طرف ہو
اور ایک رُخ اس طرف، اب جو رُخ کہ عالم
قدس کی طرف مائل ہے وہ ملکیت ہے اور جو
زمین کی طرف مائل ہے وہ بہیمیت ہے۔

حقیقتِ روح کے متعلق ہم ان ہی مقدمات
پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اس علم میں اس کو تسلیم
کر لیا جائے اور اس پر تفریعات قائم کی جائیں،
قبل اس کے کہ اس سے اعلیٰ علم میں حجاب
منکشف ہو۔ واللہ اعلم" ۵

شاہ صاحب نے اخیر میں جس علم کا حوالہ دیا ہے وہ
"علم حقائق" ہے، الطاف القدس فی لطائف النفس
علم لطائف میں شاہ صاحب کا ایک بے نظیر
رسالہ ہے، اس کی فصل دوم میں شاہ صاحب نے
حقیقتِ روح پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔
حجۃ اللہ البالغہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی تلخیص ہے
بحث روح سے پہلے بطور تمہید رقمطراز ہیں۔

"بیان حقیقت ایں لطائف و خواص آن
موقوف بر بیان حقیقت روح ست و آں
مسئلہ از علم حقائق ست نہ از علم سلوک،
و شارع صلوات اللہ علیہ وسلامہ ہیچ رمزے
از علم حقائق اظہار نفرمود و بجز علم سلوک و
تہذیب نفس تبلیغ نمود مگر مشہودات چند
کہ ہیچ طوائف عرب و عجم ازاں اجنبی نیست
و فرقہ نیست کہ آں علم در روز بانش نیست۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں علوم مشہورہ
را اجمالاً بیا و ایشاں داد و از خوض در تفصیل
تصویر آں زجر شدید فرمود و ہمیں ست سنۃ

۵ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴، ۱۵ طبع خیریہ مصر ۱۳۲۲ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

انبیاء اللہ اجمعین، نہ پنداری کہ حل ایں علوم مقدور
بشر نیست نہ نہ بلکہ اظہار ایں علوم موافق مصلحت
جمہور مخاطبان نیست ۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

اولیٰ و اخری در حق ما مردم نیز ہمیں ست کہ ازیں
تن زنیم و دیدہ را نادیدہ سازیم لیکن اختلاف
صوفیہ دریں مسئلہ بسیار شد و طبائع ایشاں
مشوف شدند و علم لطائف براین مسئلہ مبتنی
شد پس ضرورت پیش آمد و الضرورۃ تبیح المحذورات"[1]

مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کافی ہے۔ حافظ
ابن مندہ اور علامہ ابن القیم نے روح کے متعلق مستقل
کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں روح پر روایات و احادیث
کی روشنی میں بحث کی ہے، دونوں کی تصنیف کا نام
"کتاب الروح" ہے، ابن مندہ کی تصنیف اس وقت
نایاب ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کا
حوالہ دیا ہے[2]، اور ابن القیم کی کتاب عرصہ ہوا کہ
مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

پ ٦/٢ پ ١٤/١٢ پ ١٥/١٠ پ ١٩/١٥ پ ٢٤/٧ پ ٢٨/٣ پ ٢٩/٧ پ ٣٠/٢٢

رُوحًا - پ ٢٥/٦

رُوحُ القُدُس: روحِ پاک، جانِ پاک، پاک فرشتہ،
موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے جیسے
حاتم الجود اور رجل صدق ہے۔ امام بغوی آیہ
اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کی تفسیر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں۔

"روح القدس کے بارے میں علما مختلف ہیں،
ربیع وغیرہ کا بیان ہے کہ وہ روح مراد ہے جو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پھونکی تھی اور قدس
اللہ ہے، حق تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی
ذات کی طرف تکریم و تخصیص کے لیے کی ہے
یعنی وہ روح جو اللہ نے ان میں پھونکی جیسے
بیت اللہ اور ناقۃ اللہ ہے چنانچہ ارشاد ہے
فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا (پھر ہم نے اس میں
اپنی روح کو پھونک دیا) اور وَرُوْحٌ مِّنْہُ (اور
روح ہے اس کے ہاں کی) اور بعض کا قول ہے
کہ قدس سے طہارت مراد لی ہے یعنی روح
طاہرہ، ان کی روح کو قدس سے اس لیے موسوم
کیا کہ وہ نہ مردوں کی پشت میں ہے نہ عورتوں
کے رحم میں بلکہ اللہ کے امر میں سے ایک امر
تھی۔ قتادہ، سدی، اور ضحاک کا قول ہے کہ

[1] الطاف القدس فی لطائف النفس ص ٥ و ٦ طبع احمدی دہلی ١٣٠٥ھ [2] فتح الباری ج - ص ٣٠٦

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

"روح القدس" جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ قدس یعنی طہارت سے اس لیے موسوم ہوئے کہ اُنہوں نے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور حسن کہتے ہیں کہ قدس اللہ اور اس کی رُوح جبریل ہیں۔ اللہ فرماتا ہے قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ (تو کہہ اس کو اُتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اس طرح کی گئی کہ اُن کو حکم تھا جہاں وہ جائیں ان کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ ان کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا، اور بعض کا قول ہے کہ جبریل علیہ السلام کو جو روح سے موسوم کیا گیا وہ ان کی لطافت کے سبب اور وحی سے ان کے تعلق کی بنا پر کیا گیا کہ جو دلوں کی زندگانی کا باعث ہے اور ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ روح القدس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو جلاتے اور لوگوں کو عجائبات دکھاتے تھے، اور بعض کا قول ہے کہ وہ انجیل ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے روح بنا دیا گیا تھا جس طرح سے کہ قرآن کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رُوح کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ قلوب کی زندگانی کا سبب ہے، اللہ فرماتا ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (اور اسی طرح ہم نے تیری طرف وحی کی قرآن کی اپنے حکم سے)[1]

ابن ابی حاتم نے باسناد ثقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور طبری نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ "روح القدس" جبریل ہیں؛ ابو عبیدہ اور بہت علماء کا اس پر یقین ہے۔[2] امام بخاری نے بھی سورہ نحل کی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، واضح رہے کہ آیۂ کریمہ قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ میں تو بالاتفاق "روح القدس" سے جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں، اور اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں اگرچہ اختلاف اقوال ہے مگر صحیح اور راجح یہی ہے کہ یہاں بھی جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

ب ت ی ب

رُوْحَنَا: ہماری روح، ہمارا فرشتہ رُوْحٌ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ۔ قرآن مجید میں یہ الفاظ تین جگہ آئے ہیں جہاں رُوْحَنَا ہے وہاں اصح یہ ہے

---

[1] معالم التنزیل ج ۱ - ص ۶۸، ۶۹

[2] فتح الباری ج ۸ - ص ۲۹۱

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کہ جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور جہاں مِنْ رُّوْحِنَا ہے وہاں اصح یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح مراد ہے، پ ۱۶/۵ پ ۱۷/۶ پ ۲۸/۳۰

رُوْحِہٖ: اس کی روح، رُوْح مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ (اور پھونکی اس میں اپنی جان میں سے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"اپنی جان میں سے" جو مخلوق ہو اسی کا مال ہے مگر جس کو عزت دی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ سو انسان کی جان غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی اس کو اپنی کہا اور یہ نہ سمجھے کہ اللہ کی جان، جان ہو تو بدن ہو، بدن ہو تو ترکیب بھی ہو، ذات پاک کہاں رہی۔

پ ۲۱/۱۴

رُوْحِیْ: میری روح، میری جان۔ رُوْح مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب زیر آیت وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (اور پھونک دوں اس میں اپنی جان) سورۂ حجر میں فرماتے ہیں۔

"اپنی جان" یعنی خاص جس میں نمونہ ہو اللہ کی صفات کا علم اور ارادہ اور دیا دھیان کی اور لگاؤ اللہ"

اور سورہ ص میں تحت آیہ مذکورہ فرماتے ہیں:۔

"اپنی ایک جان" یعنی آب و خاک کی نہیں بنی، غیب سے آئی"

امام بیہقی فرماتے ہیں:۔

"جس روح میں سے آدم علیہ السلام کے اندر پھونکا گیا وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جس سے حق تعالیٰ نے اجسام کی زندگانی کو قرار دیا ہے اور اپنی ذات کی طرف اس کی اضافت بسبب خلق و ملکیت ہے، اس بنا پر نہیں ہے کہ روح اس کا جز ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد عز و جل ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (اور مسخر کیا تمہارے واسطے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی طرف سے ہے یعنی سب اسی کی مخلوق ہے" پ ۱۴/۳ پ ۲۳/۱۴

رُءُوْسٌ: اصل، سر، رأسٌ کی جمع ہے۔ پ ۲/۶ پ ۲۳/۶

رُءُوْسِكُمْ: تمہارے سر، رُءُوْسِ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۸/۲ پ ۶/۶ پ ۲۶/۱۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رُءُوسِہِمْ: اُن کے سر، رُءُوسِ مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۳/۱۹، پ ۱۵/۵، پ ۱۷/۵و۹، پ ۲۱/۱۵، پ ۲۸/۱۴

رَوْضٰتِ: باغات، سبزہ زار، رَوْضَۃٌ کی جمع، پ ۲۵/۴

رَوْضَۃٍ: باغ، سبزہ زار، اس کی جمع رِیَاضٌ بھی آتی ہے۔ پ ۲۱/۵

رَوْعُ: خوف، ڈر، رَاعَ یَرُوْعُ کا مصدر ہے، پ ۱۲/۷

رَءُوْفٌ: مہربان، شفقت کرنے والا، رَافَۃٌ سے بروزن فَعُوْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ، اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ امام حلیمی فرماتے ہیں:

"اس کے معنی ہیں اپنے بندوں سے نرم برتاؤ کرنے والا کیونکہ حق تعالیٰ نے ان پر ایسی عبادتیں مقرر نہیں فرمائیں جن کی وہ بسبب اپاہج ہونے یا بیماری یا ضعف کے باعث طاقت نہیں رکھتے بلکہ جن عبادات کی ان میں طاقت تھی ان سے بھی بدرجہا زیادہ کم عبادات کا مکلف فرمایا اور ساتھ ہی شدت قوت کے زمانے میں اپنے فرائض کو سخت فرمایا اور ضعف و قوت کی کمی کے وقت ان کو ہلکا کر دیا، مقیم کو ان باتوں پر پکڑا جن پر مسافر کو نہ پکڑا اور تندرست کی ان امور پر گرفت کی جن پر بیمار کی گرفت نہ کی یہ سب کچھ رافت و رحمت ہے"

امام خطابی نے رحمت و رافت کا فرق بیان کیا ہے "رحمت تو کسی مصلحت کی بنا پر کبھی ناپسندیدگی میں بھی ہوتی ہے لیکن رافت ناپسندیدگی میں تقریباً نہیں ہوتی" [1]

(ملاحظہ ہو رَافَۃٌ پ ۲/۱و۹، پ ۳/۱۱، پ ۱۱/۳و۵، پ ۱۴/۷و۱۲، پ ۱۷/۱۶، پ ۱۸/۸، پ ۲۷/۱۷، پ ۲۸/۴

رُوْمُ: قوم روم، رومی، کبھی تو اس لفظ کا استعمال قوم روم کے لیے ہوتا ہے اور کبھی رُوْمِیٌّ کی جمع کے لیے جس طرح کے عجم ہے۔ پ ۲۱/۴

رُوَیْدًا: تھوڑی سی مہلت، اسم فعل ہے۔ ابن خالویہ کہتے ہیں، یہ اصل میں اِرْوَادٌ ہے۔ رُوَیْدٌ اِرْوَادٌ کی تصغیر ہے، رُوَیْدًا کے معنے مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے اِمْشِ مَشْیًا رُوَیْدًا یعنی آہستہ چل جلدی نہ کر۔ [2]

اور سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ رُوَیْد اسم ہے، ہمیشہ مصغر اور مامور بہ ہو کر بولا جاتا ہے، یہ

---

[1] الاسماء والصفات امام بیہقی ص ۴۲ [2] اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم ص ۵۳ طبع دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۶۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رُوَیْدٌ کی تصغیر ہے جس کے معنی مہلت کے ہیں۔[1]
پ ۳۰/۱۱ -

فصل الہاء

رُهُنٌ : گرو، رہن، رِهْنٌ کی جمع ہے بمعنی مَرْهُوْنٌ پ ۳ -

رَهَبٌ : ڈر، رَهِبَ یَرْهَبُ کا مصدر ہے جس کے معنے ڈرنے کے ہیں، بعض کا قول ہے کہ حمیری زبان میں رھب آستین کو کہتے ہیں، اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے سُنا اعطنی ما فی رھبك (جو تیری آستین میں ہے مجھے دیدے) اس صورت میں آیت وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهَبِ کے معنی ہونگے اپنے ہاتھ کو آستین سے نکال کر اپنی طرف ملالو[2] اسی طرح مقاتل کہتے ہیں کہ میں لفظ رھب کی تفسیر کی تلاش میں نکلا تو مجھ سے ایک اعرابیہ کی ملاقات ہوئی میں کھانا کھا رہا تھا اس نے کہا اے اللہ کے بندے مجھ پر صدقہ کر، میں نے دونوں لپ بھر کر اسے دینا چاہا تو کہنے لگی ھٰھنا فی رھبی (یہاں ڈال میری آستین میں) لیکن پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں۔[3] پ ۳۰

رَهَبًا : خوف، ڈر، رَهِبَ یَرْهَبُ کا مصدر ہے، پ ۱۷/۶

رُهْبَانٌ : زاہدانِ اہل کتاب، اہل کتاب کے درویش، بغوی لکھتے ہیں:

"رھبان عابدان صومعہ نشین ہیں، اس کا واحد رَاهِبٌ ہے جیسے فَارِسٌ اور فُرْسَانٌ اور رَاكِبٌ اور رُكْبَانٌ ہیں اور کبھی رُهْبَانٌ واحد ہوتا ہے اور اس کی جمع رَهَابِيْنُ ہے جیسے قُرْبَانٌ اور قَرَابِيْنُ"[4]

راغب کہتے ہیں، رُهْبَان واحد اور جمع دونوں ہوتا ہے، جو اس کو واحد قرار دیتے ہیں وہ اس کی جمع رَهَابِيْنُ بناتے ہیں اور رَهَابِنَةٌ جمع کے لیے زیادہ مناسب ہے، پ ۱۰/۱۱

رُهْبَانًا - پ ۶/۱۵

رُهْبَانَهُمْ : ان کے درویش، رُهبان مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۱۰/۱۱

رَهْبَانِيَّةً : دنیا چھوڑنا، گوشہ نشینی، راغب لکھتے ہیں۔

الرهبانية غلو	فرط خوف سے عبادت کی
فی تحمل التعبد	بجا آوری میں غلو کرنے کا نام

[1] الاتقان۔ ج ۱ ص ۱۶۲ [2] معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۴۳ [3] مفردات راغب [4] معالم التنزیل ج ۲ ص ۶۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

من فرط الرهبة   رہبانیت ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری کہتے ہیں:۔

"راہبوں کا فعل رہبانیت ہے، پیاپے بغیر افطار روزے رکھنا، ٹاٹ پہننا، گوشت نہ کھانا وغیرہ وغیرہ، اس کی اصل رھبت سے ہے۔"[1]

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ رہبانیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ فقیری اور تارک دنیا بننا نصاریٰ نے رسم نکالی، جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھتے نہ جورو رکھتے نہ بیٹا، نہ کماتے نہ جوڑتے محض عبادت میں رہتے، خلق سے نہ ملتے اللہ نے بندوں پر یہ حکم نہیں رکھا"[2]

سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کریگا۔ بلاشبہ ایک قوم (راہبوں کی جماعت مراد ہے) نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی چنانچہ یہ گرجاؤں اور دیروں میں ان ہی کے بقایا ہیں، رُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اور ایک دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا ہم نے ان پر نہیں لکھا تھا[3] مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک سریہ (چھوٹی لڑائی) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے، پس ایک شخص کا گزر ایک ایسے غار پر ہوا جہاں کچھ پانی اور سبزہ تھا اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہاں پر اقامت گزین ہو کر دنیا سے کنارہ کش ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں اجازت طلب کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہودیت یا نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا، میں تو حنیفیت سمحہ (جو تمام کج رویوں سے ہٹ کر توحید کی طرف جھکی ہوئی اور آسان ہے) لے کر مبعوث ہوا ہوں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اللہ کی راہ میں ایک صبح نکلنا یا ایک شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے اور تم میں سے کسی ایک کا صف میں قائم رہنا اس کی ساٹھ سالہ نماز سے بڑھ کر ہے[4] بغوی نے اپنی اسناد سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

[1] الفائق فی غریب الحدیث ج ۱ ص ۲۷۹ ۔ طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن۔
[2] موضح القرآن سورہ حدید تفسیر آیۃ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا۔
[3] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ طبع مجتبائی دہلی   [4] ایضاً ص ۲۲۴۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سے نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہبانیت کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا

ترھب امتی الجلوس میری امت کی رہبانیت
فی المساجد و مسجد میں بیٹھنا اور نماز
انتظار الصلوٰة[۱] کا انتظار کرنا۔

واضح رہے کہ حدیث لارھبانیہ فی الاسلام جو زبان زد خاص و عام ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے متعلق فتح الباری شرح صحیح البخاری میں رقم طراز ہیں:۔

واما حدیث لا اور رہی حدیث لارھبانیة
رھبانیة فی الاسلام فی الاسلام تو میں نے
فلم اره بھذا اس کو بایں لفظ نہیں دیکھا۔
اللفظ لکن فی لیکن طبرانی میں سعد بن
حدیث سعد بن ابی وقاص کی حدیث میں
ابی وقاص عند یوں ہے کہ اللہ نے رہبانیت
الطبرانی ان اللہ کے بدلہ میں ہم کو آسان
قد ابدلنا بالرھبانیة ضیفیت عطا کی ہے۔
الحنیفیة السمحة[۲]

۲۷
۲۰

رَهْبَةٌ: ڈر، رعب، ایسا خوف جس میں بچاؤ کا خیال اور اضطراب موجود ہو "رہبت" کہلاتا ہے۔

رَهِبَ: یَرْهَبُ کا مصدر ہے ۲۸/۵۔

رَهْطٌ: نفر، شخص، قبیلہ، برادری، بھائی بند۔ راغب اور زمخشری دونوں نے لکھا ہے کہ دس سے کم آدمیوں کی جماعت رھط کہلاتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ چالیس تک کے لیے رھط استعمال ہوتا ہے، بیضاوی لکھتے ہیں کہ رھط اور نفر میں فرق یہ ہے کہ رھط کا استعمال تین یا سات سے دس تک کے لیے ہوتا ہے اور نفر کا استعمال تین۳ سے نو۹ تک کے لیے[۳]۔ قرآن نے اس کا استعمال قوم اور برادری کے معنی میں بھی کیا ہے، جس سے اس قوم کی تائید ہوتی ہے کہ چالیس اشخاص تک کی جماعت کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ اس کی جمع اَرَاهِطُ آتی ہے جیسے کہ سیبویہ کے نزدیک، باطل کی جمع میں اَبَاطِیل آتا ہے اور دوسروں کا بیان ہے کہ رھط کی جمع اَرْهُطٌ آئیگی اور استشہاد میں پیش کیا ہے ۶۔ وفاضم منتضیء فی ارھط پھر اَرْهُطٌ کی جمع اَرَاهِطُ ہوگی[۴] ۱۹/۱۹

---

[۱] معالم التنزیل ج ۲ ص ۰، [۲] فتح الباری ج ۹ ص ۹۶ [۳] انوار التنزیل ج ۲ ص ۱۲۰ طبع مصر [۴] الفائق ۱۲
۲۵۹

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رَهْطُكَ : تیرا قبیلہ، تیری برادری، تیرے بھائی
بند رَهْطُ مضاف لَکَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف
الیہ ۱۲/۸

رَهْطِی : میرا قبیلہ، میری برادری، میرے بھائی
بند رَهْطِ مضاف، ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ
۱۲/۸

رَهَقًا : سرکشی، تکبر، سر چڑھنا، ستم، زیادتی،
زبردستی، رَهِقَ یَرْهَقُ کا مصدر ہے اصل میں اس کے
معنی ایک شے کے دوسری شے پر زبردستی چھا جانے
کے ہیں اور چونکہ اس کا لازمی نتیجہ ہے تباہی، اس لیے
تباہ ہونے کے معنے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے
مبرد نے تصریح کی ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق
کہا جائے فیہ رھق تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس
میں عقل کی کمی ہے جس کی بنا پر وہ شر میں گھرا ہوا ہے
اور برائی ہر طرف سے اس پر چھا رہی ہے[1] آیہ شریفہ
فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (پھر ان کو بڑھا سر چڑھنا) میں
سرکشی اور تکبر مراد ہے اور فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا
(سو وہ نہ ڈریگا نقصان سے نہ زبردستی سے) میں
تباہی کے معنی مراد ہیں کیونکہ دوسرے کی زبردستی کا
نتیجہ اپنی تباہی ہے ۲۹/۱۱

رَهْوًا : خشک تھما ہوا - راغب لکھتے ہیں "رھو
کے معنی ہیں ساکن یعنی تھمے ہوئے اور ٹھیرے ہوئے
کے اور بعض نے کہا ہے کہ راہ کی وسعت مراد ہے اور
اور یہی صحیح ہے" یہ رَهَا یَرْهُو کا مصدر ہے جس کے معنی
دریا کے تھمنے کے آتے ہیں، امام بخاریؒ سورہ حم الدخان
کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "مجاہد نے کہا ہے رھو خشک
راستہ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رھو کے معنی ساکن
کے ہیں" حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔
مجاہد کے قول کو فریابی نے اپنے طریق سے روایت
کیا ہے اور اتنا زیادہ کیا ہے کہ اسی ہیئت پر جو کہ
ضرب کے دن تھی (یعنی اللہ یہ فرماتا ہے) کہ سمندر
کو یہ حکم نہ دو کہ وہ اصلی حالت پر رجوع کرے
بلکہ اس وقت تک کے لیے چھوڑ دو کہ (لشکر فرعون
کا آخری سپاہی) تک داخل ہو جائے اور عبد بن
حمید نے دوسرے طریق سے مجاہد سے رھوا
کے معنی منفرجًا یعنی وسیع اور کشادہ کے نقل
کیے ہیں اور عبد الرزاق معمر سے وہ قتادہ سے
راوی ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے رخ کیا
کہ سمندر پر ضرب لگائیں تاکہ وہ باہم مل جائے اور
انہیں ڈر ہوا کہ مبادا فرعون اپنی فوجوں سے

[1] الفائق ج ۱ ص ۲۵۷ -

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ان کا تعاقب کرے تو ان سے کہا گیا وَاتْرُكِ الْبَحْرَ
رَهْوًا (سمندر کو خشک ہی رہنے دو) یہ فرماتے
ہیں کہ جیسا خشک راستہ بن گیا ہے رہنے دو
کیونکہ یہ لشکر غرق ہونے والا ہے"

اور دوسرا قول ابو عبیدہ کا ہے انھوں نے
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا کی تعبیر ساکناً سے کی ہے،
کہا جاتا ہے جاءت الخیل رهوًا یعنی ساکنۃ
گھوڑے تھمے ہوئے آئے اور اَرِہ علی نفسک
(اپنے اوپر نرمی کر) اور عیش راہ (سکون کی
زندگی) ۱ ۲۵/۱۴

رَهِينٌ: گرو، گرفتار، پھنسا ہوا، رِهْنٌ سے جس کے
معنی گرو ہونے کے ہیں بروزن فعیل بمعنی مرہون ہے۔
۲۷/۳

رَهِينَةٌ: گرو۔ راغب لکھتے ہیں:-
"رهینۃ کے متعلق بعض کا قول ہے کہ یہ فعیل
ہی بمعنی فاعل یعنی ثابتۃ مقیمۃ ثابت رہنے
والی، قیام کرنے والی اور بعض کا قول ہے کہ بمعنی
مفعول ہے یعنی ہر جان اپنے گزشتہ اعمال کی
پاداش میں رُکی ہوئی ہے"
بیضاوی لکھتے ہیں:-

کہ یہ مصدر ہے جیسے شکیمۃ اور مثل رھن کے مفعول
کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور اگر صفت ہو
تو رھین کہا جاتا" ۱ ۲۹/۱۶

فصل الیاء المثناۃ

رِءْيًا: نمود، منظر، قرآن کریم کے رسم الخط میں یہ
ہمزہ ساکن کے ساتھ بغیر مرکز کے خلاف قیاس
لکھا جاتا ہے رُؤْيَةٌ سے مشتق ہے بروزن فِعْلٌ
جیسے طحن اور خبز ہیں، جو چیز نظر آئے اس کا نام
رِءْيٌ ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ
عنہما سے طبری نے بطریق علی بن ابی طلحہ اور ابن
ابی حاتم نے بطریق ابی ظبیان منظر ہی کے معنے
نقل کیے ہیں، نیز ابن ابی حاتم نے ابو رزین سے
کپڑوں کے اور عبد الرزاق نے بروایت معمر قتادہ
سے اور ابن ابی حاتم نے حسن بصری سے صورتوں
کے معنے روایت کیے ہیں ۲ یہ دونوں مرادی معنے
ہیں۔ ۱۶/۸

رِئَاءَ: دکھاوا، دکھانا، خود نمائی، باب مفاعلت
کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں دوسرے کو دکھانے
کے لیے کسی کام کا کرنا۔ یہ لفظ تمام قرآن شریف میں

۱ انوار التنزیل ج ۲۔ ص ۳۴۷ ۲ فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۴ و ۳۲۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہمزہ کے ساتھ جو ی کے مرکز پر ہوتی ہی، لکھا جاتا ہی اور یار کے نیچے نقطے نہیں دیے جاتے۔ ۳/۴ ۵/۳ ۱۰/۲ ۔

رُءْیَا: خواب، قرآن مجید میں یہ لفظ بغیر واو کے صرف ہمزہ کے ساتھ بغیر مرکز ہمزہ کے لکھا جاتا ہی رَاَی یَرَی کا مصدر ہے جس کے معنے خواب دیکھنے کے ہیں، نیز بر وزن فعلی خواب کا اسم بھی ہی، بیضاوی لکھتے ہیں۔ رؤیا رویۃ ہی کی طرح ہے مگر وہ خواب میں دیکھنے کے لیے مخصوص ہی ان دونوں میں تانیث کے دو حرفوں کا فرق ہی جیسے کہ قُربۃ اور قُربیٰ ہے[1]۔ واحدی نے تصریح کی ہے کہ "یہ اصل میں مصدر ہی جیسے بُشریٰ پھر جب یہ اس چیز کا نام قرار پایا جو سونے والے کے تخیل میں ہوتا ہے تو اسمار کی بجائے استعمال کیا گیا علامہ قرطبی مفہم شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ بعض علما کا بیان ہے "رویا" کبھی معنی رویت بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ[2] (اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش ہو) مگر حریری نے اور لوگوں کی [illegible] ع میں اس سے انکار کیا ہے ان کا بیان ہے کہ "رویا" خواب کے لیے کہا جاتا ہے اور بیداری میں جو ہو اس کو "رویت" کہتے ہیں لیکن متنبی ان لوگوں میں سے ہی جس نے "رویا" کا استعمال بیداری کے لیے کیا ہی، چنانچہ کہتا ہے:

ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض[3]

(نیم باز آنکھوں کی بہ نسبت تو تیرا (نگاہ بھر کر) دیکھنا آنکھوں کو زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے) نیز ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیہ مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ[4] (یہ آنکھ کا دیکھنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب اسریٰ میں دکھایا گیا) حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں احتمال ہے کہ اس کو رویا سے موسوم کرنے میں یہ حکمت ہو کہ امور غیب چونکہ رویتِ شہادت کے مخالف ہیں اس لیے وہ عالمِ خواب کے مشابہ قرار دیے گئے[5]۔ ۱۲/۱۱و۱۶

۱۳/۵ ۱۵/۶ ۲۳/۷ ۲۶/۱۲

رِیٰحٌ: ہوائیں، رِیْحٌ کی جمع، واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں "ارسالِ ریح" کا تذکرہ ہے اگر بلفظ جمع ہے یعنی ریاح کا لفظ استعمال ہوا ہے تو وہاں عام طور

---

[1] انوار التنزیل ج ۱ ص ۳۰۲ [2] فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۰۹ [3] ایضاً ج ۸ ص ۳۰۲ طبع میریہ مصر ۱۳۰۱ھ
[4] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس
[5] فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۰۹ طبع میریہ مصر۔

پر رحمت کی ہوائیں مراد ہیں اور اگر ریح یعنی واحد کا
لفظ استعمال ہوا ہے تو عذاب کے معنے مراد ہیں۔ امام
سیوطی اتقان میں قرآن مجید کے قاعدہ افراد و جمع کا
ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔
"اور اسی قاعدہ سے ریح ہے کہ وہ جمع ہو کر بھی
مذکور ہے اور مفرد ہو کر بھی پس جہاں وہ سیاق
رحمت میں ذکر کی گئی ہے جمع ہو کر مستعمل ہوئی ہے
اور جہاں سیاقِ عذاب میں آئی ہے مفرد لائی گئی
ہے، ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت اُبی بن کعب
رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید میں
ریاح میں سے ہر شئے رحمت اور ریح میں سے
ہر شئے عذاب ہے، اور اسی لیے حدیث میں
وارد ہے اَللّٰھُمَّ اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا
ریحا (اے اللہ اس کو ریاح کر ریح نہ بنا) اور
اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ رحمت کی ہواؤں
کی صفتیں، منفعتیں اور نفعتیں مختلف ہیں، اور جب
بھی ان میں سے کوئی ہوا چلتی ہے تو ان کے مقابلہ
سے ایسی چیز ابھار دی جاتی ہے جو اس کی تیزی کو
توڑ کر رکھ دے اور پھر ان دونوں کے درمیان
سے ایسی ہوا لطیف اٹھتی ہے جو حیوان و نبات
دونوں کو نفع دیتی ہے پس رحمت میں تو کئی ہوائیں

ہوتیں اور عذاب کے اندر ہوا ایک ہی رُخ پر
آتی ہے نہ ان کا کوئی روکنے والا ہوتا ہے نہ دفع
کرنے والا، البتہ سورہ یونس میں جو ارشاد الٰہی
وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ (اور لوگوں کو خوش
آیند ہوا کے ساتھ لے کر چلیں) ہے، وہ اس قاعدہ
سے خارج ہے جس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو
لفظی اور وہ جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ (آگیا اس
کو آندھی کی ہوا نے) کے مقابلہ میں آنا ہے، اور بعض
اوقات ایک شئے مقابلہ میں جائز ہوتی ہے
اور استقلالاً ناجائز جیسے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ
اور دوسری معنوی اور وہ یہ ہے کہ یہاں رحمت
تمام وحدت ریح سے حاصل ہوگی نہ کہ اختلاف
ریاح سے کیونکہ کشتی ایک ہی ہوا سے جو ایک
ہی رُخ کی ہو چلتی ہے اور جو اس پر مختلف ہوائیں
چلیں تو تباہی کا سبب ہو پس یہاں ایک ہی
ہوا مطلوب ہے اور اسی لیے اس معنی کی طیب
کے وصف سے تاکید کی گئی ہے اور اسی پر ارشاد
الٰہی جاری ہوا ہے اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ
فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ (اور اگر چاہے تھام دے ہوا کو
تو رہ جائیں سائے دن ٹھہرے) اور ابن المنیر کا
بیان ہے کہ یہ قاعدہ ہی پر ہے کیونکہ ہوا کا تھم جانا

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کشتی بانوں کے لیے سختی اور عذاب ہے"۱؎

پ ۲/۴، پ ۸/۱۴، پ ۱۴/۲، پ ۱۵/۸، پ ۱۹/۳، پ ۲۰/۱، پ ۲۱/۸، پ ۲۲/۱۴، پ ۲۵/۱۷

رَیْبٌ: شک، شبہ، گمان، رَابَ یَرِیْبُ کا مصدر ہے، اس کے معنی شک اور گمان میں ڈالنے کے ہیں،

راغب اصفہانی لکھتے ہیں:-

الریب ان تتوھم	ریب یہ ہے کہ کسی شے کے
بالشیٔ امراما	متعلق آپ کو ایک بات کا
فینکشف عما	وہم ہو اور وہ شے آپ کے وہم
تتوھمہ،	سے الگ ظاہر ہو۔

غرض "ریب" کا استعمال اس شک یا گمان کے متعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت بعد میں اس کے برخلاف منکشف ہو جائے، اور چونکہ زمانہ کی گردشوں کے تعین اوقات میں بھی شک ہوتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے اس لیے جب زمانہ کے ساتھ ریب کا لفظ مستعمل ہو گا تو گردش کے معنی ہونگے ارشاد ہے،

نَتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ (ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر زمانہ کی گردشوں کی) پ ۱/۳ و ۱، پ ۳/۹ و ۱۱، پ ۵/۸، پ ۷/۸، پ ۱۱/۹

پ ۱۵/۱۱ و ۱۴، پ ۱۷/۸، پ ۲۱/۱۴، پ ۲۴/۱۱، پ ۲۵/۲ و ۱۹ و ۲۰، پ ۲۶/۴

رِیْبَۃٌ: شبہ، شک، رَیْبٌ سے اسم ہے۔

رِیَبٌ جمع، پ ۱۱/۲

رَیْبِہِمْ: ان کا شک، رَیْب مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۱۰/۱۳

رِیْحٌ: ہوا، بو، ہوائے متحرک جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہے ریح کہلاتی ہے، رِیْحٌ اصل میں رِوْحٌ تھا، دلیل یہ کہ اس کی تصغیر رُوَیْحَۃٌ آتی ہے لیکن ماقبل کے مکسور ہونے کی بنا پر واو کو ی سے بدل لیا گیا ہے اصل کے اعتبار سے اس کی جمع اَرْوَاحٌ اور کسرہ ماقبل کے اعتبار سے رِیَاحٌ آتی ہے۔ ریح کی چار قسمیں ہیں (۱) شمال (شمالی ہوا) یہ شام کی طرف سے چلتی ہے، موسم گرما میں گرم ہوتی اور خاک اڑاتی ہے (۲) جنوب (جنوبی ہوا) جو اس کے مقابل ہے یہی ریح یمانی ہے (۳) صبا (پروا ہوا) مشرق کی طرف سے چلتی ہے اسی کو قبول بھی کہتے ہیں (۴) دبور (پچھوا ہوا) مغرب کی سمت سے چلتی ہے۔ ریح کا استعمال بیشتر تو مونث ہی ہو کر ہے مگر کبھی کبھی مذکر بھی بولا جاتا ہے، یہ ابو زید نے نقل کیا ہے اور ابن الانباری کا بیان ہے کہ ریح بلا کسی علامت کے مونث ہے اور بجز ایک اعصار (بگولا) کے کہ وہ نوالبتہ مذکر ہے اس کے اور تمام اسماء بھی اسی کی طرح سے ہیں۲؎۔

۱؎ الاتقان ص ۲۷۳ طبع احمدی ۱۲۸۰ھ ۲؎ ملاحظہ ہو المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر از احمد بن محمد فیومی ج ۱ مادہ ص ۲۱۱ طبع مصر ۱۳۲۵ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

نیز ریح کا استعمال بو کے معنی میں ہوتا ہے کیونکہ کسی
چیز کی بو جو ناک میں پہنچتی ہے وہ ہوا ہی کے ذریعہ پہنچتی
ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید میں
منقول ہے اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (میں پاتا ہوں
بو یوسف کی) اور کبھی کبھی بطور استعارہ غلبہ کے لیے
بھی ریح کا استعمال ہوتا ہے ارشاد ہے وَتَذْهَبَ
رِیْحُکُمْ (اور جاتی رہیگی تمہاری ہوا) یعنی غلبہ ختم ہو جائیگا

پ ۴/۳ پ ۱۱/۸ پ ۱۳/۵و۱۴ پ ۱۵/۶ پ ۱۷/۶و۱۱ پ ۲۲/۸ پ ۲۳/۱۲ پ ۲۵/۵ پ ۲۶/۳
پ ۲۷/۱ پ ۲۹/۵ رِیْحًا پ ۲۱/۸و۱۸ پ ۲۴/۱۶ پ ۲۷/۸

رَیْحَانٌ: خوشبودار پھول، روزی، احمد فیومی
المصباح المنیر میں لکھتے ہیں :-

"ریحان ہر اگنے والی خوشبودار شئے ہے لیکن عام
لوگوں میں جب یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو
مخصوص نبات کی طرف پلٹتا ہے، نیز اس کے
متعلق اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ
یہ واوی ہے اور اس کی اصل ریوحان ہے
بیا ساکنہ اور پھر واو مفتوح لیکن اس میں ادغام
کر کے تخفیف کر لی گئی ہے بایں دلیل کہ اس کی
تصغیر رُوَیحین پر ہے اور ایک جماعت کا
یہ بیان ہے کہ یہ یائی ہے بروزن شیطان اور
اور اس میں تغیر نہیں ہوا ہے بایں دلیل کہ اس
کی جمع ریاحین پر ہے جیسے شیطان اور
شیاطین میں ہے۔ [1]

امام راغب فرماتے ہیں :-

"اور فرمان ایزدی فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ میں
ریحان تو وہ ہے جس میں رائحہ (بو) ہو اور روزی
کو بھی کہا گیا ہے، پھر ارشاد الٰہی وَالْحَبُّ ذُو
الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ میں کھانے کے اناج
کو ریحان بتایا جاتا ہے، ایک اعرابی سے کہا گیا
کہ کہاں چلے جواب دیا اطلب من ریحان اللہ
میں اللہ کے رزق کی تلاش میں ہوں"

محی السنہ بغوی سورہ الرحمٰن میں ریحان کی تفسیر کرتے
ہوئے رقمطراز ہیں :-

"اکثر کے قول میں وہ رزق ہے ابن عباس
رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں جہاں ریحان
ہے رزق ہی کے معنے ہیں، حسن بصری اور ابن زید
کہتے ہیں کہ یہ وہی تمہارا ریحان ہے جسے سونگھا جاتا
ہے، ضحاک کا قول ہے کہ عصف بھس اور
ریحان اس کا پھل ہے" [2]

---

[1] ملاحظہ ہو المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر از احمد ابن محمد فیومی ج ۱ الراء مع الواو طبع خیریہ مصر ۱۳۰۵ھ

[2] تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۱۲ طبع صالحی بمبئی ۱۲۶۹ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور سورۂ واقعہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"ریحان استراحت ہے، اور مجاہد اور سعید بن جبیر نے رزق کہا ہے، مقاتل کہتے ہیں کہ حمیری زبان میں یہی معنی ہیں۔ بولا جاتا ہے خرجت اطلب من ریحان اللہ یعنی میں اللہ کے رزق کو طلب کرنے نکلا ہوں، اور دوسروں کا بیان ہے کہ ریحان سے وہی ریحان مراد ہے جو سونگھا جاتا ہے، ابوالعالیہ کا قول ہے کہ مقربین میں کوئی دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوتا جب تک کہ ریحان جنت سے شاخ لاکر اس کو سونگھا نہ دی جائے اس کے بعد اس کی روح قبض کی جاتی ہے" [1]

علامہ ابن الجوزی نے فنون الافنان میں تصریح کی ہے کہ قرآن میں ہمدان کی زبان میں ریحان بمعنی رزق ہے [2]

۲۷/۱۱ ۱۶

رِیحُکُمْ: تمہاری ہوا، ریح مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، امام بغوی نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

"مجاہد کا قول ہے تمہاری نصرت، سدی نے کہا تمہاری جرأت و کوشش، مقاتل کہتے ہیں تمہاری حدت، نضر بن شمیل کا بیان ہے تمہاری قوت اخفش فرماتے ہیں تمہاری دولت یعنی حکومت"

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"اور ریح اس مقام پر حکم کے نافذ ہونے اور اس کے مقصد کے مطابق جاری ہونے سے کنایہ ہے، جب کسی شخص کا معاملہ اس کی مراد کے مطابق آگے بڑھنے لگے تو عرب والے بولتے ہیں ھبت ریح فلان (فلانے کی ہوا آگئی) قتادہ اور ابن زید نے کہا ہے کہ "یہ ریح نصر" یعنی مدد کی ہوا ہے۔ کبھی کوئی مدد بغیر اس ہوا کے نہیں ہوئی جس کو حق تعالیٰ اس لیے بھیجتا ہے کہ دشمن کے چہروں پر ضرب لگائے اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نصرت بالصبا واہلکت عاد بالدبور (مجھے پروا کے ذریعہ مدد دی گئی اور عاد پچھوا کے ذریعہ ہلاک کیے گئے)

اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں رہا ہوں تو جب کبھی آپ دن کے ابتدائی حصے میں قتال نہ فرماتے تو انتظار کرتے کہ ہوائیں چلنے لگیں اور نمازوں کا وقت آ لگے، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یہاں تک انتظار فرماتے کہ آفتاب

[1] تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۳۰
[2] الاتقان از سیوطی ص ۱۸۹ مطبع احمدی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ڈھل جائے اور ہوائیں چلنے لگیں اور مدد اُترنے لگے"۔[۱]

پ ۱۰ / ۲

رِیشًا: رونق، لباسِ زینت، مال، ریش، اصل میں پرندوں کے پروں کو کہتے ہیں اس کا واحد رِیشَۃٌ ہے اور چونکہ پرندوں کی پردر ہے سے رونق ہے اور وہ ان کے لیے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے لیے کپڑے اس لیے بطور استعارہ اس کا استعمال رونق، زیب و زینت اور کپڑوں کے لیے ہوتا ہے، نیز رونق اور لباسِ زینت لازم ہے مال کا اس لیے اس کے معنی مال کے بھی آتے ہیں، خازن البغدادی لکھتے ہیں :-

آیت میں جو لفظ (ریش) مذکور ہے اس کے معنی میں علما مختلف ہیں پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا تو مال کے معنی بیان فرماتے ہیں اور یہی قول مجاہد ضحاک اور سدی کا ہے کیونکہ مال ان چیزوں سے ہے جس کے ذریعہ زینت حاصل کی جاتی ہے چنانچہ جب کوئی شخص مالدار ہو تو کہا جاتا ہے تریش الرجل (وہ مرد مالدار بن گیا) اور ابن زید کا قول ہے کہ "ریش" جمال ہے اور یہ معنی بھی زینت ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور بیان کیا گیا ہے کہ ریاش عربی زبان میں اثاثہ ہے اور وہ کپڑے اور سامان کہ جس کو ظاہر میں پہنا جاتا، یا بچھایا جاتا ہے اور ریش بھی ان کے نزدیک متاع اور اموال کو کہتے ہیں، اور بسا اوقات اہل عرب تمام مال کو چھوڑ کر اس کا استعمال صرف لباس اور کسوت (پہننے کے کپڑے) ہی میں کرتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے انہ لحسن الریش (یعنی اس کے کپڑے عمدہ ہیں) اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ریش اور ریاش کا استعمال فراخی اور خوش عیشی کے لیے بھی ہوتا ہے"[۲] پ ۸

رِیعٍ: ٹیلا، وہ مکان مرتفع جو دور سے ظاہر ہو "ریع" کہلاتا ہے اس کا واحد رِیعَۃٌ ہے اور جمع رِیُوعٌ اور اَرْیَاعٌ ہے۔ پ ۱۹ / ۱۱

---

[۱] معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۲ طبع بمبئی [۲] تفسیر لباب التاویل از خازن ج ۲ ص ۱۸ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بابُ الزّاءِ المعجمہ

فصل الالف

زَاجِرَاتِ: ڈانٹنے والیاں، زَجْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث، زَاجِرَۃٌ واحد اکثر مفسرین کے نزدیک یہ فرشتوں کی صفت ہے جو بادل کو ڈانٹ کر ہنکاتے اور شیطانوں کو جھڑکتے رہتے ہیں، چونکہ لفظ ملائکہ مونث ہے اس مناسبت سے صفت بھی مونث ہوئی، اور بعض مفسرین کے نزدیک زاجرات سے وہ نواہی مراد ہیں جن سے قرآن مجید نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے (ملاحظہ ہو زَجْرًا) پ ۲۳ / ۵

زَادِ: توشہ، خرچ راہ، فی الوقت جس کی احتیاج ہو اس سے زائد ذخیرہ کو "زاد" کہتے ہیں اَزْوَادٌ جمع پ ۲ / ۹

زَادَتْهُ: اس نے اس کو زیادہ کیا، اس نے اس کو بڑھایا، زَادَتْ زِیَادَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو اِزْدَادَ) پ ۱۱ / ۵

زَادَهُمْ: اس نے ان کو زیادہ کیا، اس نے ان کو بڑھایا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے پ ۹ / ۱۵ پ ۱۱ / ۵

زَادَكُمْ: اس نے تم کو زیادہ دیا، اس نے تم کو بڑھایا۔ زَادَ زِیَادَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر۔ پ ۸ / ۱۶

زَادُوكُمْ: انہوں نے تم کو زیادہ دیا، انہوں نے تم کو بڑھایا، زَادُوا زِیَادَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر پ ۱۰ / ۱۳

زَادُوهُمْ: انہوں نے ان کو زیادہ دیا، انہوں نے ان کو بڑھایا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے، پ ۱۲ / ۹ پ ۲۹ / ۱۱

زَادَهٗ: اس نے اس کو زیادہ دیا، اس نے اس کو بڑھایا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو زَادَكُمْ) پ ۲ / ۱۶

زَادَهُمْ: اس نے ان کو زیادہ دیا، اس نے ان کو بڑھایا۔ اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے۔ پ ۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ ۴/۹ ، پ ۱۹/۳ ، پ ۲۱/۱۹ ، پ ۲۴/۱۷ ، پ ۲۶/۶

زَارِعُوْنَ: کھیتی کرنے والے، زَرْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، زَارِعٌ واحد (ملاحظہ ہو تَزْرَعُوْنَ) پ ۲۷/۱۵

زَاغَ: وہ بہکا، وہ کج ہوا، (ضَرَبَ) زَیْغٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو زَیْغٌ) پ ۲۷/۵

زَاغَتْ: وہ چوک گئی، وہ بہک گئی، وہ پھری، وہ کج ہوئی، زَیْغٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب، پ ۲۱/۱۸ پ ۲۳/۱۳

زَاغُوْا: وہ پھر گئے، وہ کج ہو گئے، زَیْغٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۲۸/۹

زَالَتْ: وہ زائل ہوئی، زَیَالٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب، مَا زَالَتْ (یہی رہی متواتر رہی) افعال ناقصہ میں سے ہے، فاعل کے ساتھ استمرار فعل کے معنی ہونگے (ملاحظہ ہو زَوَالٌ) پ ۱۷/۲

زَالَتَا: وہ دونوں ٹل گئیں، وہ دونوں اپنے مقام سے ہٹ گئیں۔ زَوَالٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مونث غائب (ملاحظہ ہو تَزُوْلَ) پ ۲۲/۱۷

زَانٍ: زنا کرنے والا مرد، زِنَاءٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، اصل میں زَانِیٌ تھا چونکہ اسم منقوص ہے اس لیے رفع اور جر کی حالت میں ی جو حرف علت تھی ساقط ہو جاتی ہے (ملاحظہ ہو زِنَا) پ ۱۸/۴

زَانِیْ: زنا کرنے والا مرد، زِنَاءٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر۔ پ ۱۸/۴

زَانِیَةٌ: زنا کرنے والی عورت، زنا سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث، پ ۱۸/۴

زَاهِدِیْنَ: بیزار، زُهْدٌ اور زَهَادَةٌ سے جس کے معنی بے رغبت اور بیزار ہونے اور تھوڑی سے پر راضی ہو جانے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، زَاهِدٌ واحد پ ۱۲/۱۲

زَاهِقٌ: ٹل جانے والا، مٹ جانے والا، زائل ہو جانے والا، زَهْقٌ اور زُهُوْقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو تَزْهَقُ) پ ۱۷/۲

فصل الباء الموحدہ

زَبَانِیَةٌ: سیاست کے پیادے، دوزخ کے فرشتے "زبانیہ" عربی زبان میں سیاست کے پیادے یعنی پولیس کے سپاہی کو کہتے ہیں، فریابی نے مجاہد سے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرشتگان دوزخ کے معنے نقل کیے ہیں۔[ك] بغوی لکھتے ہیں یہ زِبْنِیٌّ کی جمع ہے جو زَبْنٌ سے

ك فتح الباری کتاب التفسیر سورہ علق۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ماخوذ ہے جس کے معنے دفع کرنے کے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "زبانیہ جہنم" مراد ہیں یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلیں گے[1]، جرمی کے نزدیک اس کا واحد زِبنِیَۃٌ ہے[2]۔ پ ۳۰/۲۱

زَبَدٌ: جھاگ، اسم ہے، پ ۱۳/۸

زَبَدًا پ ۱۳/۸

زُبَرَ: لوہے کے تختے، لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے، زُبْرَۃٌ کی جمع ہے جیسے کہ غُرْفَۃٌ کی جمع غُرَفٌ ہے لوہے کے بڑے ٹکڑے کو زُبْرَۃٌ کہتے ہیں پ ۱۶/۲

زُبُرِ: کتابیں، اوراق، زُبُوْرٌ کی جمع، پ ۴/۱۰ پ ۱۴/۱۲ پ ۱۹/۱۵ پ ۲۲/۱۵ پ ۲۷/۱۰

زُبُرًا: ٹکڑے ٹکڑے، پارہ پارہ، امام راغب لکھتے ہیں، کبھی زُبْرَۃٌ بالوں کے گچھے کے لیے بولا جاتا ہے، اور مجازاً اس کا استعمال ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے لیے ہوتا ہے، ارشاد ہے: فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا (پھر پھوٹ کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے) علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ یہ زبر الفضۃ والحدید (چاندی اور لوہے کے ٹکڑے) سے مستعار ہے، قتادہ اور مجاہد نے زُبُرًا کے معنے کتابوں کے بیان کیے ہیں یعنی ہر فریق نے اپنا دین اس کتاب کو ٹھہرایا جس کو دوسرے نے دین نہ بنایا[3]، اس صورت میں زَبُوْرٌ کی جمع ہوگا، پ ۱۸/۴

زَبُوْرِ: زبور، وہ آسمانی کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ زَبْرٌ سے جس کے معنی لکھنے کے ہیں، بروزن فَعُوْلٌ ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ یعنی مکتوب کے جیسے رسول ہے۔ زُبُرٌ جمع ہے، ابن درید لغوی نے لکھا ہے کہ اصل میں زبر چٹان میں کندہ کرنے کو کہتے ہیں اور اہل یمن ہر باب کو زبر کہتے ہیں وہ لوگ سنگ خارا پر لکھا کرتے تھے[5]۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

"ہر وہ کتاب جس کی کتابت گاڑھی ہو اس کو زبور کہا جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ "زبور" کتب الٰہیہ میں سے ہر وہ کتاب ہے جس پر واقفیت دشوار ہو، ارشاد ہے وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں) اور فرمایا وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (اور نوشتے اور چمکتی کتاب) اور اَمْ لَكُمْ بَرَآءَۃٌ

---

[1] معالم التنزیل تفسیر سورہ علق [2] کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الحکیم از ابن خالویہ ص ۱۴۱ [3] تفسیر کشاف ج ۲ ص ۶۶ طبع بولاق مصر ۱۲۸۲ھ [4] معالم التنزیل (امام بغوی) ج ۳ ص ۵۲ طبع بمبئی ۱۲۷۶ھ
[5] جمھرۃ اللغۃ ج ۱ ص ۲۵۴ طبع دائرۃ المعارف۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فِی الزُّبُرِ (یا تم کو فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں)

اور بعض کا قول ہے کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جس میں صرف عقلی حکمتیں ہوں، احکام شرعیہ نہ ہوں، اور کتاب اس کو کہتے ہیں جو احکام و حکم دونوں پر مشتمل ہو اور اس امر پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں احکام میں سے کوئی چیز نہیں ہے"

امام بغوی لکھتے ہیں:-

"زبور وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا یہ ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل ہے جو تمام تر دعا و تحمید و تمجید اور حق تعالیٰ کی ثنا میں ہیں ان میں حلال و حرام اور فرائض و حدود نہیں ہیں[۱]"

ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زبور رمضان کی بارہ تاریخ کو نازل ہوئی ہے[۲]

یہ واضح رہے کہ موجودہ زبور کے بھی ایک سو پچاس ہی حصے ہیں جن کو اصطلاحِ اہل کتاب میں مزمور کہا جاتا ہے مگر یہ وہ اصلی زبور نہیں ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، بلکہ محرفین اہل کتاب نے اس کو بہت کچھ بدل ڈالا ہے چنانچہ موجودہ زبور خود اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ یہ سب مزمور حضرت داؤد علیہ السلام کے نہیں ہیں کیونکہ ان میں اگر بعض پر حضرت داؤد علیہ السلام کا نام مذکور ہے تو بعض پر قورح کا جو نغمہ سرائوں کا استاد تھا اور بعض پر شوشنیم کے سروں پر آصف کا اور بعض پر گتیت کا اور بعض پر کسی کا نام نہیں ہے نیز بعض مزموروں میں ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے صدیوں بعد پیش آئے ہیں۔ زَبُورًا، پ ۱۵/۱۶، پ ۶/۲

فصل الجیم الموحدہ

زُجَاجَةٌ: شیشہ، زجاجٌ جمع پ ۱۸/۱۱

زَجْرًا: جھڑکنا، ڈانٹنا، زجر کرنا، (نصیً) زَجَرَ یَزْجُرُ کا مصدر ہے، پ ۲۳/۵

زَجْرَةٌ: جھڑکی، ڈانٹ، تہدید پ ۲۳/۵ پ ۳۰/۲

فصل الحاء المہملۃ

زُحْزِحَ: وہ سرکا دیا گیا، وہ ہٹا دیا گیا، وہ دور

[۱] معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۹۶ طبع بمبئی ۱۲۷۶ھ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۶ طبع مصر ۱۳۵۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کردیا گیا، زَحْزَحَۃٌ سے جس کے معنے دور کرنے کے ہیں
ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے ۴ب/۱۰

زَحْفًا: میدانِ جنگ، گھمسان، لشکر کثیر (فتحہ)
زَحَفَ یَزْحَفُ کا مصدر ہے، راغب اصفہانی
لکھتے ہیں :۔

"اصل میں زَحْفٌ کے معنی پاؤں کھینچ کر گھسٹنے کے
ہیں جس طرح کہ بچہ چلنے کے قابل ہونے سے
پہلے گھسٹتا ہے اور اونٹ تھک کر اپنے پاؤں
گھسیٹنے لگتا ہے اور لشکر جب زیادہ ہو تو اس کا
ہلنا دشوار ہوتا ہے"

اور علامہ زمخشری رقمطراز ہیں :۔

"زحف وہ انبوہ در انبوہ لشکر ہے کہ جو اپنی کثرت
کی بنا پر ایسا معلوم ہونے لگے کہ گویا گھسٹ رہا
ہے یہ زحف الصبی سے ہے جس کا استعمال بچہ
کے سرین کے بل ذرا ذرا گھسٹنے کے لیے ہوتا ہے
اور مصدر ہی اسم ہو کر مستعمل ہے زحوف جمع ہے"[۱]
ب ۹/۱۶

فصل الخاء المعجمہ

زُخْرُفٍ: ملمع، سنہری، سونا، آراستہ، زینت۔
اور کسی شے کے کمال حسن کو زخرف کہتے ہیں، اور
اسی اعتبار سے سونے کو "زخرف" کہا جاتا ہے، لیکن
قول کے لیے جب اس کا استعمال ہو تو جھوٹ سے
آراستہ کرنے اور ملمع کی باتیں کرنے کے معنے ہونگے
ارشاد ہے زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (ملمع کی باتیں فریب
کی)، ۸ب/۱۵ زُخْرُفًا ۲۵/۹

زُخْرُفَهَا: اس کی رونق، اس کی چمک، اس کا
سنگار، زُخْرُفُ مضاف، ھا ضمیر واحد مؤنث
غائب مضاف الیہ، ۱۱ب/۸

فصل الدال المهملة

زِدْ: تو زیادہ کر، زِیَادَۃٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر
حاضر (ملاحظہ ہو اَزِیْدُ اور زِیَادَۃٌ) ۲۹/۱۳

زِدْنٰهُمْ: ہم نے ان کو بڑھایا، ہم نے ان کو زیادہ
دیا۔ زِدْنَا زِیَادَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم هُمْ ضمیر
جمع مذکر غائب ۱۵ب/۱۸ ۱۵/۱۴،۱۱

زِدْنِیْ: مجھے زیادہ دے، مجھے بڑھتی دے، اس
میں زِدْ صیغہ امر واحد مذکر حاضر ن وقایہ اور ی ضمیر
واحد متکلم ہے۔ ۱۶ب/۱۵

زِدْہُ: اس کو بڑھتی دے، اس کو زیادہ دے، اس

۱؎ تفسیر کشاف ج ۱ ص ۲۹۹ طبع بولاق مصر ۱۲۸۱ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

میں ہٗ ضمیر واحد مذکر حاضر ہے، پ ٢٣/١٣

فصل الراء المهملة

زَرَابِيُّ: مخمل کے نہالچے، زِرْبِیٌّ کی جمع ہے جو ایک قسم کا آراستہ کپڑا ہے اور ایک موضع کی طرف منسوب ہے، قرآن مجید میں اس کا استعمال بطور تشبیہ یا استعارہ ہوا ہے، مجدالدین فیروزآبادی قاموس میں لکھتے ہیں۔

"زَرَابِیُّ قالیچے اور فرش ہیں، یا ہر وہ چیز جو بچھائی جائے اور اس پر تکیہ لگایا جائے، اس کا واحد زِرْبِیٌّ ہے، زیر کے ساتھ اور کبھی پیش بھی دے دیتے ہیں" پ ٣٠/١٣

زُرَّاعَ: کاشتکار، کھیتی والے، زَارِعٌ کی جمع ہے جو زَرْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے جس کے معنی کسان اور کاشتکار کے ہیں، پ ٢٦/١٢

زُرْتُمُ: تم نے جا دیکھا، تم نے زیارت کی (نصر) زِیَارَۃٌ سے جس کے معنی زیارت کرنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، اصل میں زَوْرٌ سینہ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں، اس اعتبار سے زیارت کے معنی سینہ سے کسی کے سامنے ہونے یا کسی کے سینہ کی طرف رخ کرنے کے ہوتے ہیں۔ پ ٣٠/٢٧

زَرْعٌ: کھیتی، کھیتی کرنا، اگانا، (فتح) زَرَعَ یَزْرَعُ کا مصدر ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"زرع کے معنی اگانے کے ہیں اور اس کی حقیقت امور الٰہیہ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہے امور بشریہ کے ذریعہ نہیں۔ ارشاد ہے اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے) پس بونے کو ان کی طرف منسوب کیا اور اگانے کی ان سے نفی کر کے اس کو اپنی ذات کی طرف نسبت دی، اور جب بندے کی طرف اس کو نسبت دی جاتی ہے تو اس بنا پر کہ بندہ ان اسباب کو سرانجام دیتا ہے جو اگانے کا سبب ہیں۔ چنانچہ جب تم کسی چیز کے اگنے کا باعث ہو تو کہتے ہو، میں نے یہ اگایا۔

زرع اصل میں مصدر ہے اور مزروع یعنی کھیتی اس سے مراد لی گئی ہے جیسے ارشاد ہے فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا (پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی) اور فرمایا وَزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (اور کھیتیاں اور گھر خاصے)"

پ ٨/٤، ١٢/١٨٥٦، ١٣/٨، ٢٦/١٢

زَرْعًا: ١٥/١٤، ٢١/١٦، ٢٣/١٦

زُرْقًا: نیلی چشم، کبود چشم، اَزْرَقُ کی جمع،

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جو زُرقۃٌ سے ہے جس کے معنی نیلگوں ہونے کے ہیں
صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کی آنکھ کی سیاہی نیلاہٹ
یا سبزی یا زردی کی طرف مائل ہو اسے ازرق کہا
جاتا ہے، علامہ زمخشری لکھتے ہیں :-

"زُرقٌ کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ
کبود رنگ عرب کے نزدیک آنکھوں کے بارے
میں سب سے مبغوض ترین رنگ ہے کیونکہ رومی
جو ان کے دشمن ہیں گربہ چشم ہی ہوتے ہیں، اسی
لیے اُنہوں نے دشمن کی صفت یہ بیان کی ہے
اسود الکبد اصہب السبال ازرق العین
(سیاہ جگر، بھوری مونچھوں والا، کبود چشم) دوسرے
یہ کہ اندھے مراد ہیں کیونکہ جس کی آنکھ کی روشنی
جاتی رہتی ہے اس کی پتلی نیلی ہو جاتی ہے۔"

پ ۱۶/۱۴

زُرُوعٌ : کھیتیاں، زرعٌ کی جمع ہے۔ پ ۱۹/۱۲ پ ۲۵/۱۴

فصل العین المہملۃ

زَعَمَ : اس نے دعویٰ کیا، زَعْمٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو زَعَمُوْنَ) پ ۲۸/۱۵

زَعَمْتَ : تو نے کہا، تو نے خبر دی زَعْمٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مذکر حاضر، پ ۱۵/۱۰

زَعَمْتُمْ : تم نے بتایا، تم نے سمجھا، تم نے دعویٰ کیا
زَعْمٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ ۱۵/۱۴، ۱۸ و ۱۹
پ ۲۲/۹ پ ۲۸/۱۱

زَعْمِهِمْ : ان کا خیال، ان کا گمان، زَعِمَ، زَعَمَ
یزعُمُ کا مصدر ہے جو مضاف ہے اور ھُم ضمیر جمع
مذکر غائب مضاف الیہ ہے، علامہ احمد فیومی المصباح
المنیر میں لکھتے ہیں :-

"زَعْمٌ میں تین لغتیں ہیں، اہلِ حجاز کے نزدیک
زا کا زبر ہے، قبیلہ اسد کے نزدیک پیش ہے اور
قبیلہ قیس کے بعض افراد کے نزدیک زیر ہے
اسی سے ہے زعمت الحنفیہ (حنفیہ نے کہا)
زعم سیبویہ (سیبویہ نے کہا) ارشاد الٰہی اَوْ
تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ (یا گرادے آسمان
ہم پر جیسا کہ کہا کرتا ہے) بھی اسی معنی میں ہے نیز
ظن یعنی گمان کے لیے بھی بولتے ہیں، فی زعمی
کذا (میرا گمان یہ ہے) اور اعتقاد کے لیے بھی
استعمال ہوتا ہے زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ
يُّبْعَثُوْا (جو لوگ کافر ہیں ان کا یہ اعتقاد ہے کہ
ہرگز اٹھائے نہ جائیں گے) ازہری نے یہ کہا ہے
کہ "زعم" بیشتر اس شے میں ہوتا ہے جس میں
شک کیا جاتا ہو اور متحقق نہ ہو اور بعض کا قول

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہے کہ یہ کذب سے کنایہ ہے اور مرزدقی کا بیان ہے کہ اس کا استعمال اکثر اس شئے کے لیے ہوتا ہے جو باطل ہو یا جس میں شبہ ہو، اور ابن القوطیہ کہتے ہیں زعم زعما کے معنی ہیں ایسی بات کہی جس کے متعلق پتہ نہیں کہ صحیح ہے یا غلط"[۱]

زَعِیْمٌ: ذمہ دار، ضامن، کہنے والا، قائل اول معنی کے اعتبار سے زَعَامَۃٌ سے جس کے معنی ضامن اور کفیل ہونے کے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے زَعْمٌ سے بروزن فَعِیْلٌ بمعنی اسم فاعل ہے، راغب لکھتے ہیں۔

"بذریعہ قول یا بسبب ریاست ضمانت دینے کو زَعَامَۃٌ کہا جاتا ہے چنانچہ متکفل اور رئیس کو زَعِیم بولتے ہیں، کیونکہ ان دونوں کے قول میں مظنہ کذب ہونے کا یقین موجود ہے ارشاد ہے وَاَنَا بِہٖ زَعِیْمٌ (اور میں ہوں اس کا ضامن) اور اَیُّھُمْ بِذٰلِکَ زَعِیْمٌ (کون ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے) یہ زَعَامَۃٌ سے بمعنی کفالت ہے، یا زعم بالقول سے بمعنی زبان سے کہنے کے ہے"

کلبی کا بیان ہے کہ زعیم اہل یمن کی زبان میں کفیل کو کہتے ہیں[۱]، مفسرین نے اس کے معنی ضامن ہی کے بیان کیے ہیں۔ ~~۲۹/۴~~ ~~۱۲/۳~~

فصل الفاء

زَفِیْرٌ: چلانا، زَفَرَ یَزْفِرُ کا مصدر ہے، علامہ خازن بغدادی رقمطراز ہیں:

"زفیر کی اصل سانس کی اتنی آمد و شد ہے کہ پسلیاں اس سے پھولنے لگیں اور شہیق سینہ کی طرف سانس کا لوٹانا ہے یا زفیر سانس کھینچ کر اس کو سینہ سے نکالنا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زفیر زور کی آواز ہے اور شہیق پست آواز، ضحاک و مقاتل کا بیان ہے کہ زفیر گدھے کی پہلی آواز ہے اور شہیق اس کی آخری جب کہ وہ اس کو سینہ کی طرف لوٹاتا ہے اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ زفیر حلق میں ہوتی ہے اور شہیق پیٹ میں"[۲] ~~۱۲/۹~~ ~~۱/۵~~ ~~۶/۱~~ زَفِیْرًا ~~۱۸/۱۷~~

فصل القاف

زَقُّوْمٌ: سینہنڈ، تھوہر، جہنم کے ایک درخت

۱۔ لباب التاویل از علامہ خازن بغدادی ج ۳ ص ۱۲۳ طبع میمنیہ مصر ۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کا نام ہے جو دوزخیوں کی غذا بنیگا جب اس کو کھائینگے گلے میں پھنسے گا، ایک عذاب یہ بھی ہوگا۔ ابن ابی حاتم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے اسی طرح ڈرتے رہو جس طرح کہ ڈرنے کا حق ہے کیونکہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو زمین پر بسنے والوں کی زندگیاں خراب کر ڈالے، پھر جس کی یہ غذا ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے[1] ۲۳/۶ ۲۵/۱۶ ۲۷/۱۵

فصل الکاف

زکریا: زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام، انبیاء بنی اسرائیل میں مشہور عظیم المرتبت نبی گزرے ہیں، حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت آپ ہی نے فرمائی تھی، مسند احمد بن حنبل، صحیح مسلم، اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ حضرت زکریا (علیہ السلام) نجار یعنی بڑھئی تھے[2]۔ تعجب ہے کہ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

هٰذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه

یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے حالانکہ بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اور امام ذہبی نے بھی تلخیص المستدرک میں اس پر کچھ نہیں کہا[3]، حالانکہ صحیح مسلم میں یہ روایت بعینہٖ باب فضائل زکریا صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے[4]، اسی طرح حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ مریم میں صحیح بخاری کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کر ڈالا[5] حالانکہ امام بخاری نے سرے سے اس حدیث کی تخریج ہی نہیں کی ہے چنانچہ علامہ عبد الرؤف مناوی نے صاف تصریح کی ہے ولم يخرجه البخاري[6] (اور بخاری نے اس کو روایت نہیں کیا ہے) اور حافظ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: انفرد باخراجه مسلم[7] (صرف مسلم نے اس کی روایت کی ہے)

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱ طبع مصر ۱۳۵۶ھ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۴۹ طبع مصر ۱۳۵۱ھ [3] ملاحظہ ہو المستدرک علی الصحیحین مع تلخیص للمستدرک ج ۲ ص ۵۹۰ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۴۲ھ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸ طبع اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ [5] ان کے الفاظ یہ ہیں وفی صحيح البخاری انه كان نجارا يأكل من عمل يده فی النجارة (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۰) [6] فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوی ج ۴ ص ۳۴۰ طبع مصر ۱۳۵۶ھ [7] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۳۴۴ طبع دار الطباعۃ العامرہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

واضح رہے کہ زکریا عجمی نام ہے اور قرأت مشہورہ میں مد و قصر دونوں آئے ہیں اور ممدود ہو یا مقصور دونوں صورتوں میں غیر منصرف ہے، ۱۲/۳ ۱۶/۷ ۴/۱۶ ۶/۱۷

زَكٰوة ؛ ستھرائی، پاکیزگی، زکوٰۃ تزکیۃ سے اسم ہے،

علامہ زمخشری تفسیر سورہ مومنون میں لکھتے ہیں :

زکوٰۃ ذات اور معنے دونوں کے درمیان مشترک اسم ہے پس ذات تو نصاب کی وہ مقدار ہے جس کو زکوٰۃ دہندہ فقیر کو نکال کر دیتا ہے اور معنے زکوٰۃ دہندہ کا فعل ہے جس کا نام تزکیہ ہے"[1]

اور سورہ کہف کی تفسیر میں زکوٰۃ کے معنے گناہوں سے پاک و صاف ہونے کے بیان کیے ہیں[2]۔ اور خلیفہ زمخشری علامہ ناصر بن عبد السید مطرزی، المغرب فی ترتیب المعرب میں رقمطراز ہیں :

" زکوٰۃ کے معنے تزکیہ کے ہیں ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں) پھر "زکوٰۃ" مال کی اس مقدار کا نام پڑ گیا کہ جو فقیروں کے لیے نکالی جاتی ہے اور ترکیب (الفاظ) طہارت کو بتلا رہی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ زیادتی اور نمو پر دلالت کرتی ہے اور یہی ظاہر ہے"[3]

اور امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں :-

"اصل میں زکوٰۃ وہ افزونی ہے جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کا امور دنیویہ و اخرویہ کے ذریعہ اعتبار کیا جاتا ہے، چنانچہ جب کھیتی میں افزونی و برکت حاصل ہو تو کہا جاتا ہے زکا الزرع یزکو ارشاد الٰہی اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا (کون سا ستھرا کھانا ہے) میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو حلال ہو اور انجام کار بدہضمی نہ پیدا کرے اور اسی سے زکوٰۃ اس شے کو کہتے ہیں جسے انسان اللہ تعالیٰ کے حق میں سے فقیروں کو نکالتا ہے اور یہ نام اس لیے ہوا کہ اس میں برکت کی امید ہوتی ہے یا اس لیے کہ نفس کا تزکیہ ہوتا ہے یعنی خیرات و برکات کے ذریعہ اس کا نمو عمل میں آتا ہے یا دونوں سبب سے کیونکہ دونوں خوبیاں اس میں موجود ہیں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ساتھ رکھا ہے، ارشاد ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

نفس کی پاکیزگی اور طہارت کی بدولت انسان

[1] کشاف ج ۲ ص ۶۱ طبع مصر ۱۳۲۸ھ [2] ایضاً ج ۱ ص ۴۷۹ [3] ملاحظہ المغرب طبع دائرۃ المعارف الزارمع الکاف

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس حیثیت میں ہوتا ہے کہ دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اس چیز کی کوشش میں لگ جائے جس میں اس کی پاکیزگی ہے تزکیہ کی نسبت کبھی تو بندہ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (مراد کو پہنچا جس نے اس کو درست کیا) اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو نسبت دی جاتی ہے کیونکہ حقیقت میں وہی اس کا فاعل ہے جیسے بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ (بلکہ اللہ پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے) اور کبھی نبی کی طرف کیونکہ وہی لوگوں کی طرف تزکیہ کے پہنچنے میں واسطہ ہوتا ہے جیسے تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (کہ ان کو اس کے ذریعہ پاک کرے اور تربیت دے) اور يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ (پڑھتا ہے تمہارے پاس ہماری آیتیں اور تم کو سنوارتا ہے) اور کبھی عبادت کی طرف کہ جو اس کا ذریعہ ہے جیسے وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً (اور شوق دیا اپنے پاس سے اور ستھرائی)"

(ملاحظہ ہو تُزَكُّوْنَ) پ ۱/۱۳،۱۰،۵ پ ۲/۶ پ ۳/۶ پ ۵/۸ پ ۶/۱۲،۷،۲ پ ۹/۹ پ ۱۰/۱۵،۹،۸،۷ پ ۱۲/۷،۵،۴،۱ پ ۱۴/۱۷،۱۳،۵ پ ۱۸/۱۳،۱۱،۱

پ ۱۹/۱۶ پ ۲۱/۱۰،۷ پ ۲۲/۱ پ ۲۴/۱۵ پ ۲۸/۲ پ ۲۹/۱۴ پ ۳۰/۲۴

زَكّٰى: وہ سنورا، وہ پاک ہوا، وہ درست ہوا۔ (نَصَرَ) زَكَاءٌ سے جس کے معنے درست ہونے سنورنے اور زیادہ ہونے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۱۸/۹

زَكِيًّا: ستھرا، زَكَاءٌ سے بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ بمعنی گناہوں سے پاک کے یا خیر و برکت پر پرورش پانے والے کے اَزْكِيَاءُ جمع۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔

"زَكِيًّا یعنی مزکّٰی بالخلقت کہ جس کی خلقت ہی کو سنوار دیا گیا ہو، اور یہ جیسا کہ ہم نے بتایا اجتباء کے طریق پر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عالم اور پاکیزہ اخلاق بنا دیں، سیکھنے اور کوشش کرنے سے نہیں بلکہ محض توفیق الٰہی سے جس طرح کہ عام طور پر نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوتا ہے، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مزکّٰی سے موسوم کرنا استقبال میں ہونے کے اعتبار سے ہو نہ کہ فی الحال اور معنی یہ ہوں کہ جو مزکّٰی ہونے والا ہے" پ ۱۶/۵

زَكِيَّةً: ستھری، گناہوں سے پاک صاف زَكَاءٌ سے بروزن فَعِيْلَةٌ صفت مشبہ کا صیغہ

واحد مونث ہے، پ ۱۵/۲۲

زَکّٰھَا: اس کو سنوارا، زَکّٰی تزکیۃً سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ھا ضمیر واحد مونث غائب ہے (ملاحظہ ہو تزکّون) پ ۳۰/۱۶

فصل اللام

زِلْتُمْ: تم الگ رہے، تم علیحدہ رہے، زَیْلٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، مَا زِلْتُمْ (تم برابر رہے، تم مسلسل رہے) افعال ناقصہ میں سے ہے اس کا استعمال کسی شئے کے مسلسل اور دائمی حالت میں رہنے کے لیے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو تزالُ) پ ۲۴/۹

زِلْزَالٌ: جھڑجھڑانا، لرزا دینا، ہلا ڈالنا، زَلْزَلَ یُزَلْزِلُ کا مصدر ہے، جس کے معنے ہلانے اور جھڑجھڑا دینے کے ہیں، راغب نے لکھا ہے کہ اس میں تکرار حروف تکرارِ معنی کے لیے ہے یعنی بار بار جھڑجھڑانا اور ہلا ڈالنا۔ پ ۲۱/۱۸

زِلْزَالَھَا: اس کا بھونچال، اس کا زلزلہ، اس کا ہلا دینا، زِلْزَالَ مصدر مضاف، ھا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ۔ پ ۳۰/۱۴

زُلْزِلَتْ: وہ ہلائی گئی، اس کو لرزایا گیا، اس کو زلزلہ میں ڈالا گیا۔ زَلْزَلَۃٌ اور زِلْزَالٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب ہے، پ ۳۰/۱۴

زُلْزِلُوْا: وہ جھڑجھڑائے گئے، وہ زلزلے میں آگئے وہ ہلا ڈالے گئے، زَلْزَلَۃٌ اور زِلْزَالٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب، پ ۲/۱ پ ۲۱/۱۸

زَلْزَلَۃَ: بھونچال، زلزلہ، ہلا ڈالنا، زِلْزَالٌ کی طرح یہ بھی زَلْزَلَ یُزَلْزِلُ کا مصدر ہے، پ ۱۷/۸

زُلَفًا: رات کی گھڑیاں، ساعاتِ شب، ابو عبیدہ کہتے ہیں زُلَفُ اللَّیْلِ کے معنی رات کی ساعتوں کے ہیں، اس کا واحد زُلْفَۃٌ ہے جس کے معنی ساعت منزلت اور قربت کے ہیں۔[۱] پ ۱۲/۱۰

زُلْفَۃً: نزدیک، پاس، قریب، درجہ، منزلت امام بغوی لکھتے ہیں، یہ اسم ہے بوصف مصدر (اس میں مذکر، مونث، واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں)[۲]

امام راغب فرماتے ہیں:

زُلفۃ کے معنی مرتبہ اور قدم کے ہیں) ارشاد الٰہی فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَۃً (جب دیکھیں گے، وہ پاس آ لگا) کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں جب وہ مومنوں کے مرتبہ کو دیکھیں گے جس سے وہ محروم ہو گئے اور بعض کا قول ہے کہ زلفۃ کا استعمال عذاب کی جگہ میں اسی طرح ہے جیسے کہ بشارت

[۱] عمدۃ القاری ج ۸ ص ۶۷۳ [۲] معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۶۹ طبع بمبئی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوتا ہے" پ ۲۹/۲

زُلفیٰ: درجہ، مرتبہ، مصدر ہے مثل قُربیٰ کے جو زُلفۃً کے معنی ہیں وہی اس کے ہیں پ ۲۲/۱۱ پ ۲۳/۱۵،۱۲،۱۱

زَلَقًا: تیز، ایسا صاف کہ جس پر پیر پھسلنے لگے، زَلِقَ یَزْلَقُ کا مصدر ہے پ ۱۵/۱۷

زَلَلْتُمْ: تم ڈگمگائے، تم نے لغزش کی، تم نے ٹھوکر کھائی، زَلَّ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر (ملاحظہ ہو زَلٌّ) پ ۲/۹

فصل المیم

زُمَرًا: جتھے جتھے، گروہ در گروہ، جوق جوق زُمْرَۃٌ کی جمع جس کے معنی تھوڑی جماعت کے ہیں پ ۲۴/۵

زَمْھَرِیْرًا: ٹھر، سخت ٹھنڈ، چاند، آیت شریفہ لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّلَا زَمْھَرِیْرًا (نہیں دیکھیں وہاں دھوپ نہ ٹھر) کی تفسیر میں علامہ زمخشری رقمطراز ہیں:-

"یعنی جنت کی ہوا معتدل ہے نہ وہاں آفتاب کی دھوپ تمازت پہنچاتی ہے نہ سردی کی ٹھرستاتی ہے، حدیث میں ہے ھواء الجنۃ سجسج لا حرّ ولا قرّ (جنت کی ہوا خوشگوار ہے نہ گرم ہے نہ سرد) اور زمہریر کا ترجمہ ماہتاب بھی کیا گیا ہے ثعلب کا بیان ہے کہ یہ قبیلہ طے کی لغت میں ہے چنانچہ یہ شعر پیش کیا ہے

ولیلۃ ظلامھا قد اعتکر

قطعتھا والزمھریر ما زھر

(ایسی رات کہ جس کی اندھیاری چھائی ہوئی تھی اس کو میں نے قطع کیا اور چاند روشن نہ تھا) اور معنی یہ ہونگے کہ جنت تاباں و درخشاں ہے وہاں نہ آفتاب کی حاجت ہے نہ ماہتاب کی"[۱] پ ۲۹/۱۹

فصل النون

زَنْجَبِیْلًا: سونٹھ، امام سیوطی الاتقان میں جوالیقی اور ثعالبی سے ناقل ہیں کہ یہ فارسی لفظ ہے[۲] اور مولوی غیاث الدین رام پوری غیاث اللغات میں لکھتے ہیں:

"زنجبیل بالفتح چشمہ است در بہشت و نام دارو معروف و باین معنی معرب زنگویہ است از سروری و رسالہ معربات"

۱ه تفسیر کشاف ج ۲ ص ۳۴۴ طبع بولاق مصر ۱۲۸۱ھ

۲ه الاتقان ص ۱۹۴ طبع احمدی دہلی ۱۲۸۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

علامہ ابن دُرَید لغوی جمہرۃ اللغۃ میں رقمطراز ہیں :-

زنجبیل معرب ہے اور ایک قوم کا بیان ہے کہ "زنجبیل" کے معنی خمر یعنی شراب کے ہیں"[1]

امام بغوی فرماتے ہیں :-

"سونٹھ ان چیزوں میں سے ہے جن کو عرب گرم ہونے کے اعتبار سے پسند کرتے ہیں، اس لیے حق تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ جنت میں ان کو وہ پیالے پلائے جائینگے جن میں جنت کی سونٹھ کی ملونی ہوگی، مقاتل کہتے ہیں یہ دنیا کی سونٹھ جیسی نہ ہوگی، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنت کی جس چیز کا بھی ذکر کیا اور نام لیا ہے دنیا میں اس کی مثل نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ "زنجبیل" جنت کا ایک چشمہ ہے جس میں سونٹھ کا مزہ پایا جائیگا، قتادہ کہتے ہیں مقربین تو خالص پیئینگے اور تمام اہل جنت کے لیے اس کی ملونی ہوگی"[2] ۲۹/۱۹

زَنُوْا : تم تولو (ضَرَبَ) وَزْنٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر (ملاحظہ ہو وَزَنَ) ۱۵/۴ ۱۹/۱۴

زَنٰی ۱۰ : زنا، بدکاری، زَنٰی یَزْنِیْ کا مصدر ہے، بغیر عقدِ شرعی کے عورت سے وطی کرنے کا نام زنا ہے۔ ۱۵/۴ ۔

زَنِیْم : بدنام، جو کسی بُری علامت سے مشہور ہو، وہ شخص جو کسی قوم میں اپنے کو ملائے لیکن نہ اُن کے ساتھ ہو نہ ان میں سے ہو، ابن درید نے جو لغت وعربیت کے امام ہیں جمہرۃ اللغۃ میں یہی دونوں معانی نقل کیے ہیں۔[3] شاہ عبدالقادر صاحب رح نے موضح القرآن میں پہلے معنی اختیار فرمائے ہیں، چنانچہ زنیم کا ترجمہ لکھتے ہیں" بدنام یعنی بدی کر مشہور" اور شیخ نور الحق صاحب رح محدث دہلوی نے دوسرے، چنانچہ تیسیر القاری شرح فارسی صحیح بخاری میں قمطراز ہیں

"زنیم" بمعنی آنکہ نسبت کردہ شدہ است بقومے کہ از آنہا نباشد ماخوذ است از زنمتی الشاۃ کہ گوش بر جرم گلوئے آں را پارہ می برند وآویزاں باں می گذارند"[4]

حافظ ابن کثیر نے سلف صحابہ وتابعین کے متعدد اقوال اس کی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد ان

---

[1] جمہرہ ج ۳ ص ۰۰ ۵ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۴۵ھ [2] معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۶ طبع بمبئی

[3] ملاحظہ ہو جمہرہ ج ۳ ص ۱۹ [4] تیسیر القاری ج ۴ ص ۶۲۵ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۵ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سب کا خلاصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے

والاقوال فی ھذا	اور اس میں اقوال بہت ہیں
کثیرۃ ترجع الی ما	اور سب اسی طرف لوٹتے
قلناہ وھو ان الزنیم	ہیں جو ہم نے بیان کیا کہ
ھو المشھور بالشر	زنیم وہ شخص ہے جو برائی میں
الذی یعرف بہ	اتنا مشہور ہو کہ اسی کے ذریعہ
بین الناس و	لوگوں میں اسے پہچانا جائے
غالبا یکون دعیا	اور اکثر ایسا شخص نسب میں
ولد زنا فان فی	متہم اور حرام زادہ ہوتا ہے
الغالب یتسلط	کیونکہ بیشتر شیطان جتنا
الشیطان علیہ ما	اس پر مسلط ہوتا ہے دوسرے
لا یتسلط علی غیرہ	پر نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث
کما جاء فی الحدیث	میں آیا ہے کہ ولد الزنا جنت
لا یدخل الجنۃ ولد	میں نہیں جائیگا۔ اور دوسری
زنا و فی الحدیث	حدیث میں ہے کہ ولد الزنا
الآخر ولد الزنا شر	تینوں میں برا ہے جب کہ
الثلاثۃ اذا عمل	اپنے ماں باپ کے سے عمل
بعمل ابویہ[1]	کرے۔

امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"زنیم کے بارے میں متعدد اقوال ہیں:۔

(۱) فراد کا بیان ہے کہ زنیم وہ ہے جس کے نسب میں تہمت ہو، قوم میں ملحق ہو اور ان میں سے نہ ہو، حضرت حسان کہتے ہیں:۔

وانت زنیم نیط فی آل ھاشم
کما نیط خلف الراکب القدح الفرد

(اور تو حرام زادہ ہے آل ہاشم کے ساتھ میں ٹکایا ہوا جس طرح کہ سوار کے پیچھے اکیلا تیر لٹکایا گیا ہو) اور ہر چیز میں جو زیادتی (یعنی فالتو) ہو وہ زنمۃ ہے اور زنمت الشاۃ بھی اس وقت بولتے ہیں جب کہ بکری کے کان چیرے جائیں اور وہ لٹک کر خشک ہو جائیں اور ایک معلق شئے کی طرح باقی رہ جائیں (حاصل یہ کہ زنیم وہ ولد الزنا ہے جو نسب میں قوم کے ساتھ ملحق ہو اور ان میں سے ہو نہیں، ولید قریش میں نسب کے اندر متہم تھا اور ان کی اصل میں سے نہ تھا، اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال کے بعد اس کے متعلق دعوی کیا تھا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کی ماں نے زنا کیا تھا مگر مشہور نہ تھا یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) شعبی کا قول ہے کہ زنیم وہ ہے جو برائی اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۴ طبع مصر ۱۳۵۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ملامت میں اسی طرح مشہور ہو جیسے کہ بکری اپنے زنمہ یعنی کان کے لٹکے ہوئے زائد گوشت سے پہچانی جاتی ہے۔

(۳) عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے گلے میں بھی زائد گوشت تھا جس سے وہ مشہور تھا اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس کے کان کی جڑ میں اسی طرح تھا جیسا کہ بکری کے کان کا کٹا ہوا گوشت لٹکا ہوتا ہے۔[۱] ۲۹

فصل الواؤ

زَوَالٌ: زائل ہونا، زَالَ یَزُوْلُ کا مصدر ہے زوال کا استعمال اس شئے کے متعلق ہوتا ہے جو پہلے سے قائم ہو، ۱۳/۱۹

زَوْجٌ: خاوند، بیوی، جوڑا، بھانت بھانت، قسم قسم۔ علامہ احمد بن علی الفیومی، المصباح المنیر میں رقمطراز ہیں:

"زوج وہ شکل ہے جس کی کوئی نظیر ہو جیسے کہ اصناف والوان یعنی مختلف قسمیں اور رنگ ہیں اور یا اس کی کوئی نقیض ہو جیسے خشک و تر، نر و مادہ، شب و روز، شیریں و تلخ، ابن درید کہتے ہیں زوج ہر دو کو کہتے ہیں فرد کی ضد ہے، جوہری کا بھی ان کے اتباع میں یہی بیان ہے کہ ان دو کو جو جفت ہوں زوجان کہا جاتا ہے اور زوج بھی، چنانچہ عندی زوج نعال کہو گے تو دو جوتے مراد ہونگے اور زوجان ہوگا تو چار مراد ہونگے، اور ابن قتیبہ کا قول ہے کہ زوج ایک بھی ہوتا ہے اور دو بھی، ارشاد الٰہی مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ میں زوج یہاں واحد ہی ہے، ابو عبیدہ اور ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے

اور ازہری کہتے ہیں کہ نحویوں نے دو کے "زوج" ہونے سے انکار کیا ہے، زوج ان کے نزدیک فرد ہے اور یہی درست ہے، ابن الانباری کا بیان ہے کہ عوام خطا کرتے ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ زوج دو ہیں حالانکہ یہ عرب کا مذہب نہیں ہے کیونکہ وہ مثلاً زوج حمام (کبوتر کا جوڑا) کہتے وقت زوج کو واحد نہیں بولینگے بلکہ کہینگے زوجان من حمام (کبوتر کا ایک جوڑا) زوجان من خفاف موزوں کا ایک جوڑا اور پرندوں میں سے کسی ایک کو زوج نہیں بولتے بلکہ نر کو فرد اور

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۰ طبع خیریہ مصر ۱۳۰۸ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور مادہ کو فرد کہتے ہیں اور سجستانی کا قول ہے کہ دو کو زوج نہیں کہا جاتا نہ پرند میں سے نہ پرند کے علاوہ کیونکہ یہ جاہلوں کا کلام ہے لیکن ہر دو زوجان ہیں، اور بعض نے اس کے لیے خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی (اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ) سے استدلال کیا ہے (کیونکہ اگر زوج دو کے لیے آتا تو زوجین نہ لایا جاتا) ہاں واحد کو زوج کے ساتھ موسوم کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا اس کی جنس کا ہو

اَزْوَاجٌ جمع پ ۴/۱۴ پ ۱۷/۸ پ ۱۹/۵ پ ۲۱/۱۰ پ ۲۶/۱۵

زَوْجًا پ ۲/۱۳ (ملاحظہ ہو اَزْوَاج)

زَوْجٰنِ: قسم قسم وہ دو شکلیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نظیر ہو یا نقیض ہو زَوْجٌ کا تثنیہ بحالت رفع، پ ۲۷/۱۳

زُوِّجَتْ: اس کا جوڑ ملا دیا گیا، تَزْوِیْجٌ سے جس کے معنے ایک شئے کے دوسری شئے کے جفت قرین کرنے اور اسی اعتبار سے مرد و عورت میں عقد کرنے کے معنے آتے ہیں ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب آیت شریفہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (اور جب جیوں کے جوڑ بندھیں) کی تفسیر میں امام راغب نے تین قول نقل کیے ہیں (۱) ہر گروہ کو اس کے گروہ کے ساتھ جنت یا دوزخ میں ملا دیا جائے (۲) ارواح کو اجساد کے ساتھ ملا دیا جائے (۳) نفوس کو اپنے اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے پ ۳۰/۶

زَوْجُكَ: تیری بیوی، تیری جورو، تیری عورت زوج مضاف، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، پ ۱/۴ پ ۵/۹ پ ۱۶/۱۶ پ ۲۲/۲

زَوَّجْنٰكَهَا: ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی، زَوَّجْنَا تَزْوِیْجٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم كَ ضمیر واحد مذکر حاضر، هَا ضمیر واحد مونث غائب پ ۲۲/۲

زَوَّجْنٰهُمْ: ہم نے ان کو بیاہ دیا، اس میں هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے، پ ۲۵/۱۶ پ ۲۷/۳

زَوْجَهٗ: اس کی عورت، اس کی بیوی، زَوْج مضاف الیہ پ ۱/۱۲ پ ۱۷/۶

زَوْجَهَا: اس کا جوڑا، اس کا خاوند زَوْج مضاف هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ، پ ۴/۱۲ پ ۹/۱۴ پ ۲۳/۱۵ پ ۲۸/۱

زَوْجَیْنِ: وہ دو شکلیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نظیر ہو یا نقیض، جوڑا، زَوْجٌ کا تثنیہ بحالت نصب و جر، آیہ شریفہ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے) میں بعض نے زَوْجَیْن کے

۱۴۶/۱۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

معنی نر اور مادہ کے لیے ہیں اور بعض نے مرکب کے اور صحیح و راجح صنفوں اور قسموں کے ہیں یعنی ہر شے کی ہم نے دو قسمیں کی ہیں اور قسم سے مراد مقابل ہے یعنی ہر شے میں کوئی نہ کوئی صفت ذاتی یا عرضی ایسی ہے جس سے دوسری شے جس میں اس صفت کی ضد اور نقیض ملحوظ ہے اس کے مقابل شمار کی جاتی ہے جیسے آسمان و زمین، جوہر و عرض، گرمی و سردی، چھوٹی بڑی، خوشنما و بدنما، سفیدی و سیاہی، روشنی و تاریکی وغیرہ وغیرہ، پ ۱۲/۸ پ ۱۳/۷ پ ۱۸/۲ پ ۲۷/۲ پ ۱۹/۱۸ -

زُورٌ: جھوٹ، علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"زُور، زَوْرٌ اور اِزْوِرَارٌ سے ہے جس کے معنی انحراف کے ہیں" [1]

چونکہ جھوٹ حق سے منحرف ہوتا ہے، اس لیے اس کو زور کہا جاتا ہے پ ۱۷/۱۱ پ ۱۹/۴

زُورًا پ ۲۸/۱۶ پ ۲۹/۱

فصل الهاء

زَهْرَةٌ: رونق، خوبی، تازگی، سرسبزی، زینت، بہار، اصل میں کلی جب کھل جاتی ہے تو زَهْرَةٌ کہلاتی ہے اور دنیا کی بہار اور زیب و زینت کے لیے بھی اسی مناسبت سے زہرۃ بولا جاتا ہے پ ۱۶/۱

زَهَقَ: وہ نکل بھاگا، وہ مٹ گیا، زُهُوقٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو زَهُوقٌ) پ ۱۵/۹

زَهُوقًا: نکل بھاگنے والا، مٹ جانے والا، زَهُوقٌ سے بروزن فَعُولٌ بمعنی اسم فاعل صفت مشبہ کا صیغہ ہے، پ ۱۵/۹

فصل الیاء المثناۃ

زِيَادَةٌ: زیادتی، بڑھتی، زیادہ ہونا، زیادہ کرنا، زَادَ يَزِيدُ کا مصدر ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:-

"زیادت کبھی تو مذموم ہوتی ہے جیسے زیادت علی الکفایت یعنی کافی سے زائد ہونا مثلاً انگلیوں کا زائد ہونا، اور کبھی محمود جیسے ارشادِ ربانی ہے لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ (جنہوں نے کی بھلائی ان کو ہے بھلائی اور بڑھتی) مختلف طرق سے مروی ہے کہ یہ زیادت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے رخِ انور کی طرف نظر کرنا ہے یا انعامات اور حالات کی جانب اشارہ ہے جن کا دنیا میں تصور کرنا ناممکن ہے، اور زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ

[1] تفسیر کشاف ج ۲ ص ۵۴ طبع بولاق مصر ۱۲۸۱ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

الْجِسْمِ (اور زیادہ کشائش دی عقل میں اور بدن میں یعنی ان کے اہل زمانہ کو جو کچھ عطا کیا تھا اس سے زائد مقدار میں ان کو علم اور جسم میں سے عطا فرمایا، اور "زیادت مکروہ" کے سلسلہ میں ارشاد ہے مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (الا نفور زیادہ ہوا ان کا بدکنا) اور زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (ان کو ہم نے بڑھائی مار پر مار) اور فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ (سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان) اور یہ جو فرمایا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (پھر زیادہ دیا اللہ نے ان کو آزار) تو یہ وہ زیادتی ہے جس پر انسان کی سرشت بنائی گئی ہے کہ جو شخص کسی فعل کو انجام دیتا ہے خواہ خیر ہو یا شر تو اس کی انجام دہی سے قوت محسوس کرکے دم بدم بڑھتا رہتا ہے" پ ۱۱ پ ۱۱/۸

زَيْتُوْنَ: زیتون ایک مشہور درخت کا نام ہے۔ پ ۱۸/۴ پ ۴ پ ۸/۱۴ پ ۲۰/۳۰ زَيْتُوْنًا پ ۵/۳۰ (ملاحظہ ہو تین)

زَيْتُوْنَةٍ: درخت زیتون، اس میں تا وحدت کی ہے جیسے شَجَرٌ اور شَجَرَةٌ پ ۱۱/۱۸

زَيْتُهَا: اس کا تیل، زَيْتُ مضاف، هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ، روغنِ زیتون یعنی زیتون کے تیل کو زیت کہتے ہیں، پ ۱۱/۱۸

زَيْدٌ: رضی اللہ عنہ، ایک مشہور صحابی کا اسم گرامی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ان کا مفصل تذکرہ قلم بند کیا ہے، جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

"زَيْد بن حارثہ بن شراحیل الکلبی ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی ماں سُعدیٰ تھیں ثعلبہ بن عبد عامر کی بیٹی جو بنی معن بن طے میں سے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کہا کرتے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کا کرکر) اس کو بخاری نے روایت کیا ہے، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اپنے باپ نیز حمید بن مرثد الطائی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ زید بن حارثہ کی والدہ سعدیٰ اپنی قوم میں ملنے آئیں، زید ان کے ساتھ تھے، زمانہ جاہلیت کی بات ہے بنی القین بن الجسر کے سواروں نے بنی معن کے گھروں پر غارتگری کی اور زید کو اٹھا کر لے گئے، یہ اس وقت نوخیز بچے تھے، پھر انہیں بازار عکاظ میں لے کر آئے اور فروخت ہونے کے لیے پیش کیا چنانچہ حکیم بن حزام (رضی اللہ عنہ) نے اپنی پھوپی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے چار سو درم میں انہیں خرید لیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو انہوں نے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخش دیا۔

ادھر جب یہ گم ہوئے تو ان کے باپ حارثہ بن شراحیل نے ان کے فراق میں دردناک اشعار کہے جن میں کہا:

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل
احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل

(میں زید پر رویا حالانکہ مجھے معلوم نہیں اس نے کیا کیا، آیا وہ زندہ ہے کہ اس کی آس لگائی جائے یا اس کو موت آگئی ہے)

ان ہی اشعار کے سلسلہ میں یہ بھی ہے۔

اوصی بہ عمرا وقیسا کلاھما
واوصی یزید اثم بعدھم جبل

(میں اس کے متعلق عمرو اور قیس دونوں کو وصیت کرتا ہوں نیز یزید کو اور ان سب کے بعد جبل کو کہتا ہوں)

عمرو اور قیس سے اس کے دونوں بھائی مراد ہیں اور یزید زید کا ماں شریکی بھائی ہے، یہ یزید بن کعب بن شراحیل ہے اور جبل سے ان کا بڑا بیٹا مراد ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر بنی کلب کے کچھ لوگ حج کرنے آئے تو انہوں نے زید کو دیکھا

زید انہیں پہچان گئے اور انہوں نے زید کو پہچان لیا، تب زید نے کہا کہ میرے گھر والوں کو یہ اشعار پہنچا دینا:

احن الی قومی وان کنت نائیا
بانی قطین البیت عند المشاعر

(میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں اگرچہ دور پڑا ہوا ہوں کیونکہ میں شعائر اللہ کے پاس بیت اللہ میں مقیم ہوں) پھر جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے ان کے باپ کو اطلاع دی، اور ان کے جائے قیام کو تبلا دیا، چنانچہ حارثہ اور ان کا بھائی کعب دونوں زرفدیہ لے کر چل پڑے اور مکہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دریافت کیا، کسی نے کہہ دیا آپ مسجد الحرام میں تشریف فرما ہیں، بس دونوں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور یوں گفتگو شروع کی اے ابن عبد المطلب، اے سردار قوم کے صاحبزادے تم لوگ حرم الٰہی کے رہنے والے ہو مصیبت زدہ کو چھڑاتے ہو، قیدی کو کھانا کھلاتے ہو ہم تمہارے پاس اپنے لڑکے کے معاملہ میں حاضر ہوئے ہیں جو تمہارا غلام ہے لہذا آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کے زرفدیہ کے بارے میں جو ہم ابھی آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں اچھا معاملہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فرمائیں، آپ نے فرمایا وہ کون ہیں کہنے لگے زید بن
حارثہ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا اس کے علاوہ
کوئی اور، (اچھا) اس کو بلالو اور اختیار دیدو اگر وہ
تمہیں اختیار کرے تو بغیر فدیہ دیئے وہ تمہارا ہی
اور اگر اس نے مجھے اختیار کیا تو اللہ کی قسم جو مجھے
اختیار کرے میں اس پر زرِ فدیہ پسند کرنیوالا نہیں، انہوں نے
عرض کیا کہ آپ نے ہمارے ساتھ مزید انصاف فرمایا،
پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کو بلوا کر فرمایا تم
انہوں نے عرض کیا جی ہاں یہ میرے والد ہیں اور
وہ میرے چچا، تب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا اور میں جو ہوں تم جانتے ہی ہو اور میری صحبت
کو تم دیکھ ہی چکے ہو اب یا تو مجھے اختیار کرلو یا
ان دونوں کو، زید نے عرض کیا میں آپ پر کسی
کو اختیار کرنے والا نہیں، میرے لیے تو آپ ہی بجائے
باپ اور چچا کے ہیں، اس پر وہ دونوں بول
اُٹھے زید تجھ پر افسوس تو آزادی کے مقابلہ میں
غلامی کو اور باپ، چچا اور خاندان کے مقابلہ
میں انہیں اختیار کرتا ہے، زید نے کہا ہاں میں
نے اس ذات میں وہ بات پائی ہے جس کی بنا پر
میں اس پر کسی کو پسند نہیں کر سکتا، اور حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا تو ان کو حطیم
میں لے کر آئے اور ارشاد فرمایا گواہ رہنا کہ زید میرا
بیٹا ہے، یہ میرا وارث ہوگا، اور میں اس کا وارث
(یہ نبوت سے قبل کا واقعہ ہے) ان کے باپ اور چچا
نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ان کے جی راضی ہو گئے
اور واپس لوٹ گئے، جب سے زید بن محمدؐ ہی
کہا جاتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو
بھیج دیا اور ابن اسحٰق نے بھی زید کے والد حارثہ
کا ان کی طلب میں آنے کا قصہ اسی کے قریب
قریب بیان کیا ہے۔

اور ابن الکلبی اپنے باپ سے وہ ابو صالح سے
وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی
ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
زید کو متبنیٰ کیا تو زینب بنت جحش رضی اللہ
عنہا سے ان کا نکاح کردیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی پھوپی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب
کی صاحبزادی تھیں اور اس سے قبل حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی ام ایمن رضی
اللہ عنہا سے ان کا عقد کردیا تھا چنانچہ حضرت
زید سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت
اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر جب انہوں
نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا، ام کلثوم کی والدہ اروی بنت کریز ہیں اور اروی کی ماں بیضاء ہیں جو عبد المطلب کی صاحبزادی ہیں، چنانچہ اروی کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے پھر انہوں نے ام کلثوم کو طلاق دے کر درہ بنت ابی لہب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر ان کو بھی طلاق دیدی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بہن ہند بنت العوام سے عقد کیا،

عبد الرزاق معمر سے وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کوئی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لایا ہو۔ عبد الرزاق کا بیان ہے کہ زہری کے علاوہ اور کسی نے یہ ذکر نہیں کیا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ واقدی نے اپنی اسناد کے ساتھ سلیمان بن یسار سے اس کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے، نیز زائدہ کا بھی یہی قول ہے، حضرت زید بن حارثہ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے ہیں اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے ہیں، یا اس وقت امیر لشکر تھے، بعض سفروں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مدینہ میں اپنا خلیفہ کیا ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا، یا رسول اللہ آپ نے میرے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتہ مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمایا ہے، اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو جس سریہ میں بھی بھیجا لوگوں کا امیر بنا کر ہی بھیجا اور اگر وہ زندہ رہتے تو آپ ان کو خلیفہ بناتے، اس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے قوی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں سات غزووں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور سات غزوات میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کو ہم پر امیر کرتے رہے، یہ بخاری کی روایت ہے، واقدی نے کہا ہے کہ زید کا پہلا سریہ قردہ کی طرف ہوا پھر علی الترتیب حموم، عیص، مطرف، حسمی اور ام قرفہ کی طرف پھر غزوہ موتہ پر ان کو امیر بنایا گیا اور اسی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

میں شہید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر پچپن سال
کی تھی، قرآن مجید میں ان کے سوا بالاتفاق (صحابہ
میں سے) کسی کا ذکر بھی اس کے نام کے ساتھ
نہیں ہوا ہے اور اگر ثابت ہو سکے تو پھر سجل ہیں[1]
محمد بن اسامہ بن زید اپنے والد سے راوی ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن
حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یا زید انت مولائے
ومنی والی واحب الناس الی اے زید تو میرا
آزاد کردہ ہے، مجھ سے ہے اور میری طرف ہو
اور مجھ کو سب لوگوں میں زیادہ محبوب ہو) اس کو
ابن سعد نے اسناد حسن سے روایت کیا ہے
اور امام احمدؒ کے ہاں یہ طویل روایت ہے،
اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اللہ کی قسم وہ امارت کے لائق ہے یعنی زید
بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور مجھے سب لوگوں میں
زیادہ محبوب ہے، اس کو بخاری نے روایت
کیا ہے، اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت
زید رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو اس وقت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے
جب انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر
دروازہ پر دستک دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
ان کی طرف کھڑے ہو گئے تا اینکہ انہیں گلے
لگایا اور بوسہ دیا، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی
اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اس سے
زیادہ مقرر کیا جتنا میرے لیے مقرر کیا تھا،
چنانچہ میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت
کیا تو فرمانے لگے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے
والد تیرے باپ سے زیادہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو پیارے تھے، یہ صحیح روایت ہے،
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے صحیح
میں روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے
واسطہ سے ان سے مروی ہے، یہ زینب بنت
جحش کے واقعہ میں ہے جس کو ان سے انس،
براء، ابن عازب، ابن عباس، اور ان کے صاحبزادے
اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے
اور تابعین کی ایک جماعت نے مرسلاً روایت

[1] ملاحظہ ہو سجل۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کیا ہے"۔ لـه پ ۲۲/۲

زَیْغٌ: کجی، اعتدال سے ہٹنا، زَاغَ یَزِیْغُ کا مصدر ہے، امام راغب نے اس کے معنے اعتدال سے ہٹنے کے بیان کیے ہیں، پ ۳/۹

زَیَّلْنَا: ہم نے جدا کر دیا، ہم نے تفریق کر دی۔ تَزْیِیْلٌ سے جس کے معنے متفرق اور پراگندہ کرنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ جمع متکلم، پ ۱۱/۸

زَیَّنَ: اس نے سنوارا، اس نے زینت دی، اس نے بھلا کر کے دکھلایا، تَزْیِیْنٌ سے جس کے معنے آراستہ کرنے اور زینت دینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۷/۱۱ پ ۸/۳ پ ۱۰/۲ پ ۱۴/۱۴ پ ۱۹/۱۷ پ ۲۰/۱۶

زُیِّنَ: وہ سنوارا گیا، مزین کیا گیا، اچھا دکھلایا گیا۔ تَزْیِیْنٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۲/۱۰ پ ۳/۱۰ پ ۵/۲ پ ۱۰/۱۱ پ ۱۱/۷ پ ۱۳/۱۱ پ ۲۲/۱۴ پ ۲۴/۹ پ ۲۶/۶و۲۰

زَیَّنَّا: ہم نے زینت دی، ہم نے سنوارا، ہم نے رونق دی، تَزْیِیْنٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم پ ۷/۱۹ پ ۱۹/۱۶ پ ۲۳/۵ پ ۲۴/۱۶ پ ۲۹/۱

زَیَّنّٰهَا: ہم اس کو رونق دی، ہم نے اس کو زینت دی، اس میں ھا ضمیر واحد مونث غائب ہے، پ ۱۳/۲ پ ۲۶/۱۵۔

زِیْنَتَکُمْ: تمہاری زینت، تمہاری رونق، زِیْنَۃ مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، یہاں زینت سے لباس مراد ہے، پ ۸/۱

زِیْنَتِهٖ: اس کی زینت، اس کی آراستگی زِیْنَۃ مضاف، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ پ ۲۰/۱۱

زِیْنَتَهَا: اس کی رونق، اس کی آرائش، زِیْنَۃ مضاف، ھَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ پ ۱۲/۲ پ ۲۰/۹ پ ۲۱/۲۰

زِیْنَتُهُنَّ: ان کا سنگار، ان کی زینت زِیْنَۃ مضاف، ھُنَّ ضمیر جمع مونث غائب مضاف الیہ پ ۱۸/۱۰

زَیَّنُوْا: انہوں نے مزین کر دیا، انہوں نے سنوارا انہوں نے اچھا کر کے دکھلایا، تَزْیِیْنٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔

زَیَّنَہٗ: اس نے اسے آراستہ کیا، اس نے اسے زینت دی، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو زَیَّنَ پ ۲۶/۳)

زِیْنَۃ: زینت، زیبائش، آرائش، سنگار، گہنا اسم ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں "زینت حقیقی وہ ہے جو انسان کو کسی حالت میں

لـه ملاحظہ ہو الاصابہ فی تمیز الاصحابہ ج ۱ ص ۵۶۳ و ۵۶۴ طبع السعادہ مصر ۱۳۲۸ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بھی معیوب نہ ہو، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، لیکن جو چیز ایک حالت میں تو انسان کو رونق دے اور دوسری حالت میں نہ دے وہ ایک حیثیت سے معیوب ہے۔

مختصر الفاظ میں زینت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زینت نفسی جیسے علم اور عمدہ عقائد (۲) زینت بدنی جیسے قوی و بلند و بالا ہونا (۳) زینت خارجیہ جیسے مال و جاہ آیت کریمہ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (اس نے محبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں) زینت نفسی سے متعلق ہے، اور مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ (کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی) کو زینت خارجی پر محمول کیا گیا ہے، کیونکہ مروی ہے کہ ایک قوم بیت اللہ کا برہنہ طواف کیا کرتی تھی اس آیت کے ذریعہ ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ زینت مذکورہ سے اس آیت میں کرم مراد ہے جو آیت کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی ہے جس کو ادب بڑا) میں مذکور ہے اور اسی کو شاعر نے کہا ہے۔ ؎: وزینۃ المرء حسن الادب (ادب کی خوبی انسان کی زینت ہے) اور ارشاد الٰہی فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ (پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنی طیاری سے) میں زینت دنیوی یعنی مال، اثاثہ اور جاہ مراد ہیں۔

آیات کریمات زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو چراغوں سے) اور اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ اِلْکَوَاکِبِ (ہم نے رونق دی آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے) اور زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ (اس کو رونق دی دیکھنے والوں کے لیے) میں اس زینت کی طرف بھی اشارہ ہے جو نگاہ سے محسوس ہو رہی ہے اور عام و خاص سب اس کو جانتے ہیں اور اس زینت معقولہ کی طرف بھی جس کی معرفت خواص کے ساتھ ہی مخصوص ہے یعنی ستاروں کے احکام اور ان کی رفتار۔

اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو زینت دینا کبھی ان کے مزین کر کے ابداع فرمانے اور اسی طرح پر ان کے ایجاد کرنے سے ہوتا ہے، اور لوگوں کا کسی شے کو مزین کرنا یا تو ان کے آراستہ کرنے سے ہوتا ہے اور یا ان کے قول سے کہ اس کی مدح کرنے لگیں اور بڑھا چڑھا کر اس کا ذکر کریں۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

یَوۡمَ الزِّیۡنَۃِ کے معنی روزِ عید، اور جشن کے دن کے ہیں۔ پ ۹/۱۱ پ ۱۱/۱۴ پ ۱۴/۷ پ ۱۵/۱۳و۱۶و۱۸ پ ۱۶/۱۲و۱۳ پ ۱۸/۱۴	پ ۲۳/۵ پ ۲۷/۱۹

بابُ السین المہملۃ

س: اب، ابھی، قریب، عن قریب۔ علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں :۔

"سین حرف ہے جو مضارع کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کو استقبال کے لیے خاص کر دیتا ہے اور مضارع کے بمنزلہ جزو کے ہے اسی لیے اس میں عمل نہیں کیا ہے، اہلِ بصرہ اس طرف گئے ہیں کہ سوف کی بہ نسبت مضارع کے ساتھ اس کی نسبت استقبال تنگ تر ہوتی ہے، اہل عربیت اس کو حرف تنفیس سے تعبیر کرتے ہیں جس کے معنی حرف توسع کے ہیں کیونکہ یہ مضارع کو تنگ زمانہ یعنی حال سے وسیع زمانہ یعنی استقبال کی طرف پلٹ دیتا ہے اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ کبھی استقبال کے استمرار کے لیے آتا ہے جیسے ارشاد ہے سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِیۡنَ الآیہ (اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ) اور سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ الآیہ (اب کہیں گے بے وقوف) کیونکہ یہ ان کے اس کہنے کے بعد نازل ہوا ہے کہ وہ کاہے پر پھر گئے تو سین استمرار کو بتلانے کے لیے آیا ہے استقبال کے لیے نہیں، ابن ہشام نے کہا ہے کہ اہل نحو اس کو نہیں جانتے بلکہ استمرار تو مضارع سے سمجھا جاتا ہے اور سین استقبال پر آتی ہے کیونکہ استمرار مستقبل ہی میں ہوتا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ زمخشری نے یہ خیال کیا ہے کہ سین جب کسی محبوب یا مکروہ فعل پر داخل ہوتا ہے تو یہ بتاتا ہے کہ وہ ضرور واقع ہوگا اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس کی وجہ سمجھی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل کے ہونے کے وعدہ کو بتاتا ہے، پس اس کا اس پر داخل ہونا جو وعدہ یا وعید کو بتائے اس کی تاکید اور اس کے معنی برقرار رہنے کا مقتضی ہے، چنانچہ زمخشری نے سورۂ بقرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ (سو اب کفایت ہی تیری طرف سے ان کو اللہ) میں کہا ہی کہ "سین" کے معنی یہ ہیں کہ یہ لامحالہ ہو کر ہی رہیگا اگرچہ کچھ وقت کی اس کی دیر ہو" اور سورۂ براۃ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ آیت أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ (وہ لوگ ان پر رحم کریگا اللہ) میں کہا ہے کہ "سین لامحالہ وجود رحمت کو بتاتا ہے اور وعدہ کی اسی طرح تاکید کرتا ہے جس طرح تمہارے سَأَنْتَقِمُ مِنْكَ (بس اب تجھ سے بدلہ لونگا) کہنے میں وعید کی تاکید کرتا ہے۔" ۱؎

فصل الالف

سَآءَ: بُرا ہے، (نَصَرَ) فعل ذم ہی، سَوْءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو أَسْوَءَ)
۴/۱۴ ۵/۳ ۶/۱۳ ۷/۱۰ ۸/۳ ۹/۱۲ ۱۰/۸ ۱۴/۹،۱۳
۱۵/۴ ۱۶/۱۴ ۱۹/۱۳،۱۹ ۲۰/۱۳ ۲۲/۹ ۲۵/۱۸ ۲۸/۲،۱۳

سَآءَتْ: بُری ہے سَوْءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب، ۵/۱۱،۱۲، ۱۵/۱۶ ۱۹/۴ ۲۶/۹

سٰبِحٰتِ: تیرنے والیاں، سَبْحٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث، سَابِحَةٌ کی جمع ہی (ملاحظہ ہو

سَبْحًا ۳۰/۳

سٰبِغٰتٍ: کشادہ زرہیں، سُبُوغٌ سے جس کے معنی وسیع اور فراخ ہونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث، سَابِغَةٌ کی جمع، پوری لمبی چوڑی زرہ کے لیے "سابغہ" کا استعمال ہوتا ہی ۲۲/۸

سَابِقٌ: آگے بڑھنے والا، سَبْقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو تَسْبِيقُ اور سَبْقًا) ۲۲/۱۶ ۲۳/۲،۱

سٰبِقٰتٍ: آگے بڑھنے والیاں، سَبْقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث سَابِقَةٌ کی جمع ہی ۳۰/۲

سَابِقُوْا: دوڑو، سبقت کرو، مُسَابَقَةٌ اور سِبَاقٌ سے جس کے معنی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے ہیں، امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ۲۷/۱۹

سٰبِقُوْنَ: آگے پہنچنے والے، آگے بڑھنے والے، سَبْقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، بحالت رفع، سَابِقٌ کی جمع، آیہ شریفہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے) کی تفسیر

۱؎ الاتقان فی علوم القرآن مطبع احمدی دہلی ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

میں حافظ ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب الاستیعاب فی اسماء الاصحاب میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں

(۱) ابن سیرین کہتے ہیں "سابقون اولون" وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں ادا کی ہیں، محمد بن الحنفیہ، اور سعید بن المسیب کا بھی یہی قول ہے[۱] ۔ امام مالک، یحییٰ بن سعید سے وہ سعید بن المسیب سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر واقعہ بدر سے دو مہینے پہلے آپ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

(۲) محمد بن کعب قرظی اور عطا بن یسار کا قول ہے کہ یہ اہل بدر ہیں، عبیدہ کہتے ہیں کہ اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ یا تین سو چودہ تھی۔

(۳) شعبی کا بیان ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ معقل بن یسار اور عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ان کی تعداد چودہ سو تھی، یہ تینوں حضرات بھی اس بیعت میں شریک تھے اور ایک روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پندرہ سو کی تعداد منقول ہے[۲] ۔ ۱۱/۲، ۱۸/۴، ۲۷/۱۴

سَابِقِیْنَ: آگے بڑھنے والے، سَبْقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب وجر، سَابِقٌ کی جمع ۲۷/۱۶

سَاجِدًا: سجدہ کرنے والا سُجُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو اُسْجُدُوْا) ۲۳/۱۵

سٰجِدُوْنَ: سجدہ کرنے والے، سُجُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع، سَاجِدٌ واحد ۱۱/۳

سٰجِدِیْنَ: سجدہ کرنے والے، سُجُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب وجر، ۸/۹، ۹/۴، ۱۲/۱۱، ۱۴/۳و۶، ۱۹/۷و۱۵، ۲۳/۱۴

سَاحَتِهِمْ: ان کا میدان، ان کا صحن، سَاحَةِ مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، جائے فراخ کو سَاحَتٌ کہتے ہیں، اور اسی لیے سَاحَةُ الدَّار بمعنی صحن مکان ہے، ۲۳/۹

سَاحِرٌ: جادوگر، سِحْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، یہ لفظ صرف سورہ "ذاریات" میں الف کے ساتھ مرقوم ہے اور باقی تمام قرآن میں بغیر الف ہے،

[۱] حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حسن بصری اور قتادہ سے بھی یہی نقل کیا ہے (ملاحظہ ج ۲ ص ۳۸۳ طبع مصر سنہ ۱۳۵۶ھ ۔

[۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب ج ۱ ص ۲ تا غایت ص، طبع مصر سنہ ۱۳۲۸ھ بر حاشیہ الاصابہ ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

(ملاحظہ ہو سِحْرٌ) پ ۹/۴ پ ۱۱/۱۳ و ۶ پ ۱۶/۱۲ پ ۱۹/۷ پ ۲۳/۱۰ پ ۲۴/۸ پ ۲۵/۱۱ پ ۲۷/۱ و ۲

سٰحِرَانِ: دو جادوگر، سِحْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ تثنیہ مذکر بحالت رفع پ ۱۶/۱۲

سٰحِرُوْنَ: جادو کرنے والے، سِحْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت رفع سَاحِرٌ واحد پ ۱۱/۱۳

سَاحِلِ: کنارہ دریا، ساحلِ سمندر، سَحْلٌ سے جس کے معنی چھیلنے کے ہیں ماخوذ ہے۔ چونکہ کنارہ دریا سے پانی کو جدا کرتا ہے اس لیے ساحل سے موسوم ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ بمعنی مسحول ہے کیونکہ پانی اس کو چھیلتا اور کاٹتا ہے لیکن اس کا استعمال بلفظ فاعل ہوا ہے جیسے هَمٌّ نَاصِبٌ بمعنی منصوب بولتے ہیں، سَوَاحِلُ جمع، پ ۱۶/۱۱

سَاخِرِيْنَ: ہنسی کرنے والے ٹھٹھا کرنیوالے سُخْرِيَّةٌ سے جس کے معنی استہزاء اور مذاق کرنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالتِ نصب و جر سَاخِرٌ واحد، پ ۲۴/۳

سَادَتَنَا: ہمارے سردار، سَادَةَ، سَيِّدٌ کی جمع مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ (ملاحظہ ہو سَيِّدًا) پ ۲۲/۵

سَادِسُهُمْ: ان کا چھٹا، سَادِسُ مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۵/۱۵ پ ۲۸/۲

سَارَ: وہ چلا، سَيْرٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو تَسِيْرُ) پ ۲۰/۷

سَارِبٌ: گلیوں میں پھرنے والا، راہ میں چلنے والا، سُرُوْبٌ سے جس کے معنی اپنے رُخ پر چلنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، سَرْبٌ جمع ہے جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی ہے پ ۱۳/۸

سَارِعُوْا: جلدی کرو، دوڑو، مُسَارَعَةٌ سے جس کے معنی دوڑنے اور دوڑانے کے ہیں امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، اس کا تعدیہ بذریعہ الیٰ ہوتا ہے، ابن جنی نے تصریح کی ہے کہ سَارَعَ متعدی ہے اور سَرَعَ اور أَسْرَعَ دونوں لازم ہیں اور ان دونوں میں باہم فرق یہ ہے کہ سَرَعَ تو پسندیدہ ہے اور أَسْرَعَ کا مطلب ہے اپنی جان کو سرعت کی تکلیف دی[1]، پ ۴/۵

سَارِقٌ: چور، چوری کرنے والا، سَرِقَةٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو سَرَقَ) پ ۶/۱۰

سٰرِقُوْنَ: چور، چوری کرنے والے، سَرِقَةٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، بحالت رفع، سَارِقٌ واحد پ ۱۳/۳

سَارِقَةٌ: چوری کرنے والی، چرانے والی، سَرِقَةٌ

---

[1] ملاحظہ ہو تاج المصادر از امام ابو جعفر بیہقی۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث پ ۱۰/۶

سٰرِقِیْنَ: چُرانے والے، چوری کرنے والے یہ اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب وجر ہے، ۱۳/۳

سَاعَۃٌ: گھڑی، وقت، رات یا دن کا کوئی سا وقت ہو ساعت کہلاتا ہے، اہل عرب اس کا استعمال وقت ہی کے معنی میں کرتے ہیں چاہے ذرا دیر ہی کے لیے ہو، قرآن مجید میں الساعۃ کا لفظ جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اس سے قیامت مراد ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

زمانہ کے حصوں میں سے کوئی سا بھی حصہ ہو ساعت ہے اور قیامت بھی اس سے مراد لی جاتی ہے ارشاد ہے، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (پاس آلگی وہ گھڑی یعنی قیامت) اور یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ (تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی یعنی قیامت) اور عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (اس کے پاس ہی قیامت کی خبر) اب یا تو حق تعالیٰ شانہٗ کے جلد حساب لے لینے کے سبب اس کو قیامت سے تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَھُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ (اور وہ شتاب لیتا ہے حساب) اور یا اس وجہ سے کہ جس پر یہ کہہ کر تنبیہ فرمائی ہے کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا (ایسا لگیگا جس دن اس کو دیکھینگے کہ ان کو دیر نہ لگی مگر ایک شام یا اس کی صبح) اور یَوْمَ یَحْشُرُھُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَۃً مِّنَ النَّھَارِ (اور جس دن ان کو جمع کریگا گویا نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی دن) پس ساعت اولیٰ قیامت ہے اور ساعت ثانیہ زمانہ کا قلیل وقت)

اور بعض کا قول ہے کہ وہ ساعات جو قیامت کے معنی دیتی ہیں، تین ہیں، (۱) الساعۃ الکبریٰ یعنی لوگوں کا حساب دینے کے لیے اُٹھنا اسی کی طرف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے لا تقوم الساعۃ حتی یظھر الفحش والتفحش وحتی یعبد الدرھم والدینار (قیامت نہیں قائم ہونے کی یہاں تک کہ فحش اور بے حیائی کھلم کھلا ہونے لگے اور یہاں تک کہ روپیہ اور اشرفی کی پوجا ہونے لگے) وغیرہ وغیرہ اور آپؐ نے بہت سے ان امور کا ذکر فرمایا کہ جو نہ آپ کے زمانہ میں ہوئے اور نہ آپؐ کے بعد (۲) الساعۃ الوسطیٰ اور یہ ایک قرن کے لوگوں کا مرجانا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

آپ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو دیکھ
کر فرمایا ان یطل عمر ھذا الغلام لم یمت
حتی تقوم السّاعۃ (اگر اس لڑکے کی عمر دراز
ہوئی تو یہ اس وقت تک نہیں مریگا جب تک
قیامت قائم نہ ہو) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ
میں سب سے آخری مرنے والے شخص ہیں۔

(۳) الساعۃ الصغریٰ اور یہ انسان کی موت ہے
پس ہر انسان کی ساعت اس کی موت ہے
اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰى
اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا (خراب ہوئے جنھوں نے
جھوٹ جانا ملنا اللہ کا جب تک کہ آپہنچی ان پر
قیامت بے خبر، کہنے لگے اے افسوس کیسا
قصور کیا اس میں) اور معلوم ہو کہ یہ حسرت انسان
کو اس کی موت کے وقت حاصل ہوتی ہے کیونکہ
ارشاد ہے: وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ
اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا اس
سے پہلے کہ پہنچے کسی کو تم میں سے موت تب کہے
اے رب کیوں نہ ڈھیل دی مجھ کو ایک تھوڑی
مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہوتا نیک لوگوں میں)
اور اسی طرح یہ آیت ہے قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ (تو
کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے
تم پر قیامت) اور مروی ہے کہ جب آندھی آتی تو
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رنگ رو متغیر ہو جاتا
اور فرماتے تخوفت السّاعۃ (مجھے قیامت کا
دھڑکا ہوا) نیز ارشاد ہے ما اطرفی ولا
اغضہا الا والسّاعۃ قد قامت (میں جب
کبھی نظر اٹھاتا ہوں یا نیچی کرتا ہوں تو یہ خیال کرتا
ہوں کہ قیامت ہو چکی) یعنی موت آ چکی"

پ۷ / ۱۰، پ۸ / ۱۱، پ۹ / ۱۳، پ۱۱ / ۳و۱۰، پ۱۳ / ۶، پ۱۴ / ۴و۱۴و۱۷، پ۱۵ / ۱۵و۱۷
پ۱۶ / ۸و۱۰، پ۱۷ / ۴و۸و۱۴، پ۱۸ / ۱۷، پ۲۱ / ۵و۹و۱۳، پ۲۲ / ۵و۷و۹، پ۲۴ / ۱۰و۱۱
پ۲۵ / ۱و۲و۱۲و۱۳و۲۰، پ۲۶ / ۴و۶، پ۲۷ / ۸و۱۰، پ۳۰ / ۴

سَافِلَهَا: اس کے نیچے، اس کے تلے، سَافِل
سُفُوْلٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، مضاف،
ھَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ (ملاحظہ
ہو اَسْفَل) پ۱۲ / ۷، پ۱۴ / ۵

سَافِلِيْنَ: نیچے ہونے والے، سُفُوْلٌ سے اسم
فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب و جر پ۳۰ / ۲۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَاقٍ: پنڈلی، علامہ لغوی مجدالدین فیروزآبادی
قاموس میں زقمطراز ہیں:
"ٹخنہ اور گھٹنہ کے جو درمیان ہو وہ "ساق" ہے سُوقٌ
سِیقَانٌ اور اَسْوُق جمع، واو کو ہمزہ اس لیے
کیا گیا کہ ضمہ کو برداشت کرسکے اور یَوْمَ یُکْشَفُ
عَنْ سَاقٍ (جس دن کھولی جائے پنڈلی) کے
معنی عن شدۃ کے ہیں (یعنی جس دن سختی ظاہر
ہووے) وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور لپٹ
گئی پنڈلی پر پنڈلی) یعنی دنیا کی آخری شدت
آخرت کی پہلی شدت سے لپٹ گئی، جب معاملہ
کی شدت اور اس کی ہولناکی کی خبر دینا مقصود
ہوتا ہے تو ساق کا ذکر کرتے ہیں" ۲۹/۴، ۱۷

سَاقِطًا: گرنے والا، سُقُوطٌ سے اسم فاعل
کا صیغہ واحد مذکر (ملاحظہ ہو تَسَقَّطُ) ۲۷/۴

سَاقَیْهَا: اس کی دونوں پنڈلیاں، سَاقَیْ
مضاف، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ
سَاقَیْ اصل میں سَاقَیْنِ تھا سَاقٌ کا تثنیہ بحالت
نصب و جر، اضافت کے سبب ی ساقط ہوگئی۔

۱۹/۱۸

سَاكِنًا: ٹھیرا ہوا، ساکن سُکُونٌ سے جس کے معنی
تھمنے اور حرکت کے بعد کسی شے کے ٹھہر جانے کے
ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ۱۹/۳

سَاَلَ: اس نے مانگا، سُؤَالٌ سے ماضی کا صیغہ
واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو اِسْئَلْ اور سُؤَالِ) ۲۹/۷

سَالَتْ: وہ بہی، وہ جاری ہوئی، (مُعَرَّب)
سَیَلَانٌ سے جس کے معنی بہنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ
واحد مؤنث غائب، ۱۳/۸

سَاَلْتُكَ: میں نے تجھ سے پوچھا، میں نے تجھ
سے سوال کیا، سَاَلْتُ سُؤَالٌ سے ماضی کا صیغہ
واحد متکلم، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر، ۱۶/۱

سَاَلْتُكُمْ: میں نے تم سے سوال کیا، میں نے
تم سے مانگا، اس میں كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے۔

۱۱/۱۳ ۲۲/۱۲

سَاَلْتُمْ: تم نے مانگا، تم نے سوال کیا، سُؤَالٌ
سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ۱/۲

سَاَلْتُمُوْهُ: تم نے اس کو مانگا، تم نے اس کا
سوال کیا، اس میں واو اشباع کا، ہٗ ضمیر واحد مذکر
غائب ہے۔ ۱۳/۱۷

سَاَلْتُمُوْهُنَّ: تم نے ان (عورتوں) سے مانگا
تم نے ان سے سوال کیا، اس میں واو اشباع کا اور
ھُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب ہے، ۲۲/۴

سَاَلْتَهُمْ: تو نے ان سے پوچھا، تو نے ان سے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سوال کیا، سَاَلْتَ سُؤَالٌ سے ماضی کا صیغہ واحد
مذکر حاضر، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب پ ۱۴ پ ۲۱ ۲ و ۱۳
پ ۲۴ ۱ پ ۲۵ ۱۳ و ۷

سَاَلَكَ: اس نے تجھ سے پوچھا، اس نے تجھ
سے سوال کیا، اس میں كَ ضمیر واحد مذکر حاضر ہے
(ملاحظہ ہو سَاَلَ) پ

سَالِمُوْنَ: چنگے، اچھے بھلے، صحیح سالم،
سَلَامَةٌ سے جس کے معنی آفات ظاہرہ و باطنہ سے
صحیح سالم رہنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر
سَالِمٌ کی جمع پ ۲۹ ۴ -

سَاَلُوْا: اُنھوں نے مانگا، اُنھوں نے سوال کیا،
سُؤَالٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۲

سَاَلَهَا: اس کو پوچھا، اس کا سوال کیا، اس میں
هَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے، (ملاحظہ ہو سَاَلَ
پ ۴

سَاَلَهُمْ: ان سے پوچھا، ان سے سوال کیا، اس
میں هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو سَاَلَ)
پ ۲۹ ۱

سَامِدُوْنَ: کھیل کرنے والے، غافل ہونے والے
گانے والے، تکبر سے سر اُٹھانے والے، حیرت میں کھڑے
رہنے والے، سُمُوْدٌ سے جس کے معنے کھیلنے، غافل ہونے
گانے اور تکبر سے سر اُٹھانے اور حیرت میں کھڑے رہ جانے
کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، سَامِدٌ واحد
ابن درید نے تصریح کی ہے کہ یہ یمانی لغت[1] ہے۔ اور
عبدالرزاق بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے اس کے معنی گانے کے نقل کرتے ہیں،
عکرمہ کا بیان ہے کہ یہ اہل یمن کی زبان ہے جب یمنی
تغن (توگا) کہنا چاہیگا تو اس کے لیے اُسْمُدْ بولیگا[2]
اور امام بخاریؒ اپنی صحیح میں عکرمہ سے ناقل ہیں کہ
سَامِدُوْنَ کے معنی حمیری زبان میں گانے والوں کے
ہیں[3]، نیز عبدالرزاق نے ایک اور طریق سے بروایت
عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس
کے معنے کھیل کرنے والوں کے اور بروایت معمر، قتادہ
سے غافل ہونے والوں کے روایت کیے ہیں، اور
ابن مردویہ بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے روگردانی کرنے والوں کے معنی نقل
کرتے ہیں[4]۔ پ ۲۷

سَمِرًا: کہانی والا، افسانہ گو، داستاں سرا، سَمَرٌ
سے جس کے معنی رات میں قصہ گوئی کے ہیں اسم

---

[1] جمہرۃ اللغۃ ج ۲ ص ۲۶۵ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۵ طبع مصر [3] صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۲۰ طبع مجتبائی دہلی [4] فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۵ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فاعل کا صیغہ جمع مذکر، علامہ محمود آلوسی، روح المعانی میں
رقمطراز ہیں :-

"سامرًا بربنائے حال منصوب ہے اور یہ اسم جمع ہے
جیسے کہ حاج، حاضر، جامل اور باقر ہیں اور
بعض کا قول ہے کہ یہ مصدر ہے جو بربنائے تاویل
مشہور حال واقع ہوا ہے اس لیے اپنی اصل
کے اعتبار سے قلیل و کثیر سب پر مشتمل ہے مگر مخفی
نہ رہے کہ مصدر کا فاعل کے وزن پر آنا نادر ہے
اور اسی سے عافیۃ اور عاقبۃ ہے سمر اصل میں
ظل قمر (چاند کا سایہ) کو کہتے ہیں اور یہ جیسا کہ
مطلع (کتاب کا نام ہے) میں مذکور ہے اپنے
دھندلے پن کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے
اور بحر میں ہے کہ درختوں پر جو چاندنی پڑتی ہے اُسے
کہتے ہیں، اور راغب کا بیان ہے کہ یہ رات کی
اندھیاری ہے بعد میں رات میں باتیں کرنے کے
معنی میں اس کا استعمال ہونے لگا، اور بعض نے
سامر کی تفسیر اندھیری رات سے کی ہے، اور یہاں
اس معنی میں اس کا ہونا اور پھر بربنائے نزع
خافض اسے منصوب قرار دینا کچھ نہیں ہے"[۵۱] ۱۸

سَامِرِیٌّ : سامری، علامہ محمود زمخشری، کشاف
میں رقمطراز ہیں :-

"سامری بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کی طرف
منسوب ہے جس کو سامرہ کہا جاتا ہے اور بعض
کا قول ہے کہ سامرہ یہود میں ایک قوم ہے جو بعض
مذہبی چیزوں میں یہود کی مخالف ہے اور بعض نے
اس کو باجرما کا رہنے والا بتایا ہے اور بعض کہتے
ہیں کہ کرمان کا ایک دہقانی کافر تھا، اس کا نام
موسیٰ بن ظفر ہے یہ منافق تھا اور اسلام ظاہر
کرتا تھا، اس کی قوم گائے کی پجاری تھی"[۵۲]

اور مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں :

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا، یہ
اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب، قیاس کہتا
ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا
فرد ہے، کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام
سے پکارنا شروع کردیا ہے، عربی میں قدیم سے
اس کا نام سامری چلا آرہا ہے، اور اب بھی
عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے،
یہاں قرآن کا "السامری" کہہ کے اسے پکارنا صاف
کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے اس کی قومیت کی طرف
اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا، سامری تھا،

---

۵۱ روح المعانی ج ۱۸ ص ۵۴ طبع منیریہ مصر
۵۲ کشاف ج ۲ ص ۲۹ طبع بولاق مصر ۱۲۸۱ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریبًا ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبے میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں، اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں اُٹھا رہی تھیں، ان میں ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی، دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اُتری سمیری تھی، اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرہ آباد ہوا تھا جس کا محل تل العبید میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں۔

بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا گو یہ دور دور تک پھیل گئے تھے، مصر کے ان سے تعلقات کا سُراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰؑ کا بھی معتقد ہوگیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا، اسی کو قرآن نے "السامری" کے لفظ سے یاد کیا ہے، گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی"[1]

پ ۱۶ ل
۱۴۴، ۱۴۳

سَاوٰی: اس نے برابر کردیا، وہ برابر ہوگیا مُسَاوَاۃٌ سے جس کے معنی برابر کرنے اور برابر ہونے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۱۶ ع ۲

سَاهِرَةِ: میدان، زمین، روئے زمین، سَهرٌ سے جس کے معنی نیند اڑ جانے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث، مگر اس کا استعمال زمین اور روئے زمین کے معنی میں ہوتا ہے، امام رازی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں:-

"ساهرۃ سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں، اس نام سے اس کے موسوم ہونے کی دو وجہیں ہیں (۱) اس پر چلنے والا خوف سے سوتا نہیں (۲) اس میں سراب رواں ہوتا ہے یہ عرب کے محاورہ عین ساهرۃ چشمہ رواں سے ماخوذ ہے، اور میرے نزدیک اس میں تیسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ زمین کا ساهرہ اس لیے نام پڑا کہ شدت خوف کے باعث اس میں انسان کی نیند اڑ جاتی ہے تو وہ زمین کہ جس کے اندر قیامت کے موقع پر کافر جمع ہونگے نہایت ہی خوف میں ہونگے لہٰذا اس زمین کا نام ساهرہ اس

[1] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۶۴ و ۴۶۵۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بنا پر ہوا۔
پھر ایک اور وجہ سے بھی علماء میں اختلاف
ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی زمین ہے اور
دوسروں کا بیان ہے کہ ارضِ آخرت ہے کیونکہ
لوگ زجرہ (جھڑکی) صیحہ (شور) کے وقت جوق
درجوق آخرت کی زمین پر منتقل ہونگے، شاید
یہ وجہ زیادہ قریب ہو۔[1] ۳/۲

سَاهَمَ: اس نے قرعہ ڈلوایا، مُسَاهَمَةٌ سے
جس کے معنے کسی کے ساتھ قرعہ ڈالنے کے ہیں،
ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ۲۳/۹

سَاهُوْنَ: بے خبر، بھولنے والے، غافل سَهْوٌ
سے جس کے معنی غافل ہونے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ
جمع مذکر۔ سَاهُوْنَ اصل میں سَاهِيُوْنَ تھا بروزن
فَاعِلُوْنَ، ی مضموم ماقبل اس کا مکسور، ضمہ ی پر
ثقیل ہوا نقل کرکے ماقبل کو دیا، اب واو اور ی دو
ساکن جمع ہوئے، ی کو حذف کردیا، امام راغب
لکھتے ہیں
"غفلت سے جو خطا ہو وہ سہو ہے اس کی دو
قسمیں ہیں ایک یہ کہ انسان سے ایسی چیزیں سرزد
نہ ہوں جو اس خطا کو کھینچتی اور پیدا کرتی ہیں جیسے
دیوانہ کسی انسان کو گالی دے، دوسرے یہ کہ اس
سے ایسی چیزیں ہوئیں جو اس خطا کو پیدا کرتی ہیں
جیسے وہ شخص کہ جس نے شراب پی اور پھر اس
سے کوئی برائی بغیر اس برائی کے ارادہ کیے ظہور
میں آئی تو پہلی خطا تو اس کو معاف ہے اور دوسری
پر ماخوذ ہوگا، اور دوسری طرح کی خطا پر حق تعالےٰ
نے مذمت فرمائی ہے ارشاد ہے فِي غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ
(غفلت میں بھول رہے ہیں) عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُوْنَ (اپنی نماز سے بے خبر ہیں)"

۲۶/۱۸ ۳۰/۳۲

سَائِبَةٍ: سائبہ، اہل جاہلیت مویشی میں سے
جو جانور بت کے نام پر آزاد کرتے اور اُسے اپنا اختیار
پر چھوڑ دیتے وہ "سائبہ" تھا،
امام فخرالدین رازی، تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں:-
"سائبۃ بروزن فاعلۃ، ساب سے ہے جو سطح
زمین پر کسی چیز کے رواں ہونے کے لیے استعمال ہوتا
ہے، کہا جاتا ہے ساب الماء (پانی رواں ہوا)
سابت الحیۃ (سانپ رواں ہوا) پس جو جانور
اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ جدھر چاہے چلا جائے
وہ سائبہ ہے اور یہ بمعنی مسیبۃ (رواں شدہ)

[1] تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۴۳ طبع مصر ۱۳۰۹ھ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اسم فاعل بمعنی اسم مفعول) ہے جیسے کہ عیشۃ راضیۃ بمعنی مرضیۃ ہے، اور اس کے متعلق علماء نے متعدد صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ کوئی شخص جب بیمار ہو جاتا یا سفر سے واپس ہوتا یا کوئی منت مانتا یا کسی نعمت کا شکرانہ ادا کرتا تو اونٹ چھوڑ دیتا جو تمام احکام میں بحیرہ[۱] کی طرح ہوتا تھا۔

(۲) فراء کا قول ہے کہ جب ناقہ دس بچے دے چکتی جو سب مادہ ہوتے تو اسے چھوڑ دیا جاتا نہ اس پر سواری کی جاتی نہ اس کا دودھ دوہا جاتا اور نہ اس کی اُون کاٹی جاتی، اور نہ بجز بچہ یا مہمان کے کوئی اس کا دودھ پیتا تھا

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سائبۃ وہ ہے جو بتوں کے لیے لے جائی جاتی یعنی ان کے لیے چھوڑی جاتی تھی، ایک شخص اپنے مال میں سے جو چاہتا چھوڑ دیتا اور اُسے لے کر پجاریوں کے پاس جو ان کے بتوں کے خادم تھے آتا تھا اور وہ مسافروں کو اس کا دودھ پلاتے تھے۔

(۴) سائبۃ: وہ غلام ہے جو اس طرح پر آزاد کیا جاتا کہ نہ اس پر ولاء ہوگی نہ دیت اور نہ میراث[۲]

شیخ نور الحق محدث دہلوی تیسری القاری میں فرماتے ہیں:-

"ابوعبیدہ گوید سائبہ از ہمہ انعام می باشد کہ نذر بتاں کردند و می گزاشتند و بعضے گویند مخصوص بشتر ست"[۳]

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں آگ میں کھینچ رہا ہے، یہ پہلا شخص ہے جس نے سوائب (سانڈنیاں) کو چھوڑا ہے[۴]

ت
۴۲
۱ ۱
سٰئِحٰتٍ: روزہ دار، سیاحۃ سے جس کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث سائحۃ واحد اس اعتبار سے اس کے لغوی معنی زمین پر سیر و سیاحت کرنے والیوں کے ہیں لیکن سلف کی اکثریت نے اس کی تفسیر صائمات یعنی روزہ رکھنے والیوں سے کی ہے، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں

---

[۱] ملاحظہ ہو لفظ بحیرہ [۲] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵۷ و ۴۵۸ [۳] تیسیر القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۲۵ طبع علوی لکھنؤ [۴] صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۶۵ طبع مجتبائی دہلی۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

صحابہ میں سے حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین اہل تفسیر میں سے عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، محمد بن کعب قرظی، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابومالک، ابراہیم نخعی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی وغیرہم کا یہی قول نقل کیا ہے، اور زید بن اسلم اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے اس کی تفسیر مہاجرات (ہجرت کرنے والیاں) سے کی ہے، مگر پہلا قول اولیٰ ہے۔[1]

علامہ زمخشری کشاف میں سورۃ التحریم میں اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"صائم کو سائح کہا گیا کیونکہ اس کے پاس توشہ نہیں ہوتا، اس لیے جب تک کھانے کو نہ ملے رکا رہتا ہے، پس روزہ دار کو افطار کا وقت آجانے تک رک جانے میں اس سے تشبیہ دی گئی ہے"

ث ۲۸

سائحون: بے تعلق رہنے والے، یہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے، فرماتے ہیں:-

"بے تعلق رہنا روزہ ہے، یا ہجرت ہے یا دل نہ لگانا دنیا کے مزوں میں (موضح قرآن)"

سیاحۃ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر سائح واحد علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں۔

"سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ صائم کا "سائح" اس لیے نام پڑا کہ سیاحت کرنے والا کھانا، پینا، نکاح کرنا، سب لذتوں کو ترک کر دیتا ہے اور ازہری کا بیان ہے کہ جو شخص عابدانہ طریق پر زمین میں سیاحت کرتا ہے، اس کے ساتھ توشہ نہیں رہتا اس لیے وہ کھانے سے رکا رہتا ہے اور اسی طرح روزہ دار بھی کھانے سے رک جاتا ہے، اور بعض کا قول ہے کہ سیاحت اصل میں زمین پر برابر چلتے رہنے کا نام ہے جیسے کہ بہتا پانی ہوتا ہے اور روزہ دار بھی برابر طاعت کی بجا آوری اور امر ممنوع کے ترک میں مشغول رہتا ہے۔

عطا کہتے ہیں کہ سائحون سے مراد راہ خدا کے غازی اور مجاہد ہیں اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، مجھے سیاحت کی اجازت عطا فرمائیے تو آپ نے ارشاد فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد ہے بغوی نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے

۱؎ بلاغہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۹۰ طبع مصر ۱۳۵۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

عکرمہ نے کہا ہے کہ "سائحون" سے طالب علم مراد
ہیں کہ جو طلب علم میں ایک شہر سے دوسرے
شہر میں پھرتے رہتے ہیں، اور بعض کا قول ہے
کہ نفس کی درستگی اور اخلاق کی خوبی میں سیاحت
کو بڑا دخل ہے، کیونکہ ضرور ہے کہ سیاحت کرنے
والے کو طرح طرح کی تکالیف اور مشقتوں سے
سابقہ پڑے جن پر صبر کرنا اسے لابدی ہے، دوران
سیاحت میں علماء و صلحاء سے ملاقات ہوگی اور
ان سے استفادہ کرکے ان کی برکتوں کو لے کر
واپس ہوگا، نیز قدرت الٰہی کے آثار و عجائبات
نظر پڑیں گے اور ان پر غور کریگا تو حق تعالیٰ کی
وحدانیت اور اس کی عظمت قدرت کی طرف
رہنمائی کرینگے"۔ ؎

امام راغب مفردات القرآن میں تحریر کرتے ہیں:-
"بعض نے کہا ہے کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں ایک
حقیقی یعنی کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنا دوسرے
حکمی یعنی جوارح کان، آنکھ، زبان وغیرہ کی معاصی
سے حفاظت کرنا، پس سائح وہ ہے جو پہلی قسم کا
روزہ نہیں بلکہ یہ روزہ رکھے، اور بعض کا قول ہے
کہ سائحون وہ ہیں جو اس آیت کے مقتضی کی
تلاش میں رہتے ہیں اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ
فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ
یَّسْمَعُوْنَ بِھَا (کیا پھرے نہیں ملک میں جو ان کے
دل ہوتے جن سے بوجھتے یا کان ہوتے جن سے
سنتے)"

حافظ ابن کثیر نے مفسرین سلف صحابہ و تابعین سے اس
کی تفسیر میں روزہ داروں کے سے نقل کرکے لکھا ہے کہ
اس بارے میں حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے۔ ابن جریر
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائحون روزہ دار ہیں مگر
یہ موقوفاً اصح ہے، نیز ابن جریر نے عبید بن عمیر سے روایت
کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائحین کے
متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ روزہ رکھنے والے
ہیں، ابن کثیر کہتے ہیں یہ مرسل جید ہے اور یہ معنے سب
اقوال میں اصح اور زیادہ مشہور ہیں اور ایسی روایت
بھی آئی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ سیاحت سے مراد جہاد ہے۔
اس کے بعد لکھتے ہیں، مگر سیاحت سے مراد وہ نہیں ہے
جو بعض متعبدین سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس محض زمین میں پھر لینا
اور پہاڑ کی چوٹیوں اور کھوؤں اور جنگلوں میں تنہا بسر
کرنا سیاحت ہے کیونکہ یہ چیز بجز اس زمانہ کے جب کہ

؎ لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ۲ ص ۲۶۹ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فتنوں کا زمانہ ہو اور مذہب پامال ہو رہا ہو اور کسی وقت مشروع نہیں[1] ہے۔ پ۱۱

سائغٌ: خوش گوار، رچتا پچتا، سوغٌ سے جس کے معنی آسانی کے ساتھ کھانے پینے کے حلق سے نیچے اُتر جانے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر پ۲۲/۱۴

سائغاً پ۱۴/۵

سائقٌ: ہانکنے والا، سوقٌ سے جس کے معنی ہانکنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، یہاں وہ فرشتہ مراد ہے جو حشر میں کھینچ کر لائیگا۔ پ۲۶/۶

سائلٌ: مانگنے والا، سوال کرنے والا، سؤالٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، آیت شریفہ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ کی تفسیر میں ابن ابی حاتم نے ابن زید سے یہ روایت کی ہے کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے جسے سائل کہا جاتا ہے[2]، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ قول ضعیف اور مُراد سے دور ہے صحیح پہلے ہی معنی ہیں کیونکہ سیاق اسی کو بتا رہا ہے[3]۔ (ملاحظہ ہو اَسْئَلُ اور سُؤَال) پ۲۶/۱۸ پ۲۹/۷ پ۳۰/۱۸

سائلین: مانگنے والے، سوال کرنے والے، پوچھنے والے، سؤالٌ سے اسم فائل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب وجر، پ۲/۶ پ۱۳/۱۲ پ۲۲/۱۶

فصل البَا الموحّدہ

سبا: ایک قوم کا نام ہے، ان کا وطن عرب میں تھا، یمن کی طرف (موضح القرآن) امام ابن جریر طبری حضرت فروہ بن مسیک غطیفی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) مجھے سبا سے مطلع فرمائیے وہ کیا ہے، آیا وہ کوئی ملک ہے، یا کوئی عورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو وہ کوئی ملک ہے اور نہ کوئی عورت بلکہ ایک شخص ہے جس کے دس اولادیں ہوئیں، چھ نے یمن کی سمت کو اختیار کیا، اور چار نے شام کو، جو لوگ بجانب شام رہے وہ لخم، جذام، عاملہ اور غسان ہیں، اور جنہوں نے یمن کی سمت کو اختیار کیا وہ کندہ، اشعریین ازد، مذحج، حمیر اور انمار ہیں، تب اس شخص نے دریافت کیا انمار کون ہیں، آپ نے فرمایا وہ لوگ جن میں خشعم اور بجیلہ ہیں۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی جامع میں اس سے زیادہ بسط کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب بتایا ہے[4]، زجاج کہتے ہیں کہ سبا و

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ [2] الاتقان فی علوم القرآن از سیوطی ص ۴۹۰ طبع احمدی
[3] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۱۸ طبع مصر ۱۳۵۶ھ [4] ایضاً ج ۳ ص ۵۳۱ طبع مصر ۱۳۵۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شہر ہے جو مارب کے نام سے مشہور ہے یہ صنعا سے تین شب کی مسافت پر ہے[1]۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ یہ سرزمین اس نام سے اس لیے موسوم ہوئی کہ یہی اولادِ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی سکونت گاہ تھی، یاقوت نے اس کا طول البلد ۶۴ درجہ اور عرض البلد ۱۰ درجہ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اقلیم اول میں ہے[2]۔ ابن درید نے کتاب الاشتقاق میں لکھا ہے کہ سبا، ابن یشجب بن یعرب کا لقب ہے اس کا نام عبد شمس ہے، یہ لفظ یمن کے تمام قبائل کو جامع ہے[3]۔ مولانا سید سلیمان ندوی، ارض القرآن میں لکھتے ہیں۔

توراۃ میں شبا ایک جد قبیلہ کا نام ہے، عرب روایت کے مطابق اس جدِ قبیلہ کا نام عمر یا عبد شمس اور لقب سبا تھا، محققین جدید بھی زیادہ تر اس کو لقب خیال کرتے ہیں لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ "سبی" سے مشتق ہے جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں، چونکہ عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا اور اس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا، اس لیے اس کا لقب سبا قرار دیا گیا۔ تحقیق جدید یہ ہے کہ "سبی" اور "سبا" اس معنی سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم تجارت ہے۔ کتبات میں عموماً "سبا" کا مادہ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے عربی زبان میں یہ اب تک شراب کی تجارت اور خرید و فروخت اور اس کے سفر کے معنی میں مستعمل ہے۔ سبا چونکہ تاجر قوم تھی اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئی"[4] ۱۹/۱۷ ۲۲/۲۸

سُبَاتًا: آرام، راحت، تکان کا دفع کرنا، اصل میں اس کے معنی راحت کے ہیں اسی سے سَبَتَ یَسْبُتُ (نَصَرَ) بضم مضارع آتا ہے، آیت شریفہ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (اور بنایا نیند کو تمہاری تکان دفع کرنے کے لیے) میں ابن الاعرابی نے سُبَات کو بمعنی قطع کرنے کے لیا ہے، اور سبت کے معنی قطع کرنے کے ہیں، گویا جب سو گیا لوگوں سے منقطع ہو گیا، زجاج کہتے ہیں سبات یہ ہے کہ حرکت سے منقطع ہو جائے اور روح بدن میں موجود ہو پس معنی یہ ہیں "ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنایا"[5]

راغب لکھتے ہیں "سبات بمعنی قطع عمل ہے یہ رات کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے جس کا آیت لِتَسْكُنُوا فِيهِ (تاکہ اس میں چین پکڑو) میں بیان ہے" ۱۹/۲ ۲۰/۱

---

۱ تاج العروس ۲ معجم البلدان ج ۵ ص ۳۴ طبع مصر ۱۳۲۴ھ ۳ تاج العروس

۴ ارض القرآن ج ۱ ص ۲۲۶ و ۲۲۷ طبع معارف اعظم گڈھ ۱۳۴۳ھ ۵ تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَبَب: رسی، سامان، ذریعہ، ابوعبیدہ کہتے ہیں ہر وہ رسی جو اوپر سے ڈالی جائے "سبب" ہے، خالد بن عینیہ کا بیان ہے کہ جو مضبوط اور لمبی رسی ہو وہ "سبب" ہے، اور جب تک اس کے ذریعہ اترا چڑھا نہ جائے سبب نہیں کہلاتی اور بعض کا قول ہے کہ اس وقت تک "سبب" سے موسوم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ایک طرف سے چھت یا اسی قسم کے کسی مقام میں لٹکی ہوئی نہ ہو[۱]۔ (ملاحظہ ہو اَسْبَاب) ۹/۱

سَبَباً ۲/۱۶

سَبْتُ: کام، کاج سے قطع تعلق کر لینا، سنیچر کی تعظیم کرنا، سنیچر کا دن، یوم شنبہ، اول معنی کے اعتبار سے مصدر ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اسم، جس کی جمع اَسْبُتٌ اور سُبُوتٌ آتی ہے، علامہ زمخشری نے پہلے معنی اختیار کیے ہیں اور علامہ ابوحیان اندلسی نے دوسرے چنانچہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں:

"سبت مصدر ہے، سبتت الیہود کے معنی ہیں یہود نے شنبہ کے دن کی تعظیم کی"[۲]

اور ابوحیان البحر المحیط میں فرماتے ہیں:۔

"السبت یوم معلوم (روز شنبہ) کا نام ہے اور یہ سَبْتٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں اور یا سبات سے ہے جس کے معنی آسائش و راحت کے ہیں اور ابوالفرج بن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ خطاب ہے، کلام عرب میں سَبْت بمعنی اِسْتِرَاحَت کے معروف نہیں۔

ابن جریج کا بیان ہے کہ "یوم السبت" اس لیے نام پڑا کہ وہ زمانہ کا ایک قطعہ (ٹکڑا) ہے"[۳]

علامہ مرتضیٰ زبیدی لغوی تاج العروس شرح قاموس میں رقمطراز ہیں:

"السبت ہفتہ کا ایک مشہور دن ہے اور وہ ہفتہ کا ساتواں روز ہے[۵] اور سبت اس کا اس لیے نام پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں پیدائش کی ابتدا فرمائی۔ اور زمین کی پیدائش کے ایک حصہ کو اسی دن میں قطع یعنی تمام کیا، اور کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو اس دن کام کاج کے قطع کرتے اور چھوڑ دینے کا حکم تھا اور محکم میں ہے کہ سبت اس لیے نام رکھا گیا کہ پیدائش کی ابتدا یکشنبہ کے دن سے ہوئی تھی جو جمعہ کے دن تک جاری ہی

---

۱ تاج العروس ۲ تفسیر کشاف ج ۱ ص ۷۳ طبع مصر ۳ البحر المحیط ج ۱ ص ۲۴۰ طبع سعادت مصر ۱۳۲۸ھ

۵ اردو میں اسی لیے اسے ہفتہ کہا جاتا ہے۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور شنبہ کو کسی چیز کی پیدائیش عمل میں نہیں آئی۔ اہل لغت نے کہا ہے لہٰذا "یوم السبت" مسبت ہوا یعنی تمام شدہ باین طور کہ اس دن میں عمل منقطع ہو گیا۔[۱]

علامہ موصوف نے سبت کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں تین توجیہیں ذکر فرمائی ہیں جن میں پہلی تو یقیناً پوچ ہے کیونکہ اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ ہفتہ کے دن کسی چیز کی پیدائش عمل میں بھی آئی یا نہیں اور برتقدیر صحت ہفتہ ہی کو سبت سے موسوم کرنا کیا معنی جبکہ بقیہ چھ دنوں میں سے ہر ایک دن میں کسی نہ کسی شے کی تخلیق تکمیل کو پہنچی ہے البتہ دوسری توجیہ قابل قبول ہے لیکن اصل میں سبت کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو علامہ موصوف نے امام اللغۃ ابن سیدہ کی کتاب المحکم سے نقل کی ہے ائمہ لغت کی تصریحات اسی کی تائید میں ہیں ابو عبیدہ کہتے ہیں

انما سمی سبتا لانہ	سبت اس لیے نام رکھا گیا
سبت فیہ خلق کل	کہ اس میں ہر شے کی پیدائش
شیٔ و عملہ[۲]	کا کام قطع ہو چکا۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں۔

"حق تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کی ابتداء یوم الاحد یعنی یک شنبہ کے دن سے فرمائی اور جیسا کہ ارشاد ہے چھ دن میں ان کو خلق فرما کر ہفتہ کو اپنا کام ختم فرما دیا، لہٰذا اس دن کا نام "یوم السبت" پڑ گیا۔

جوہری کا بیان ہے :۔

وسمی یوم السبت	چونکہ دن اس پر ختم ہو جاتے
لانقطاع الایام	ہیں اس لیے اس کا نام "یوم
عندہ[۳]	السبت" قرار دیا گیا۔

غرض آفرینش عالم کی ابتداء چونکہ اتوار کے دن سے عمل میں آئی ہے اس لیے وہ عالم کا پہلا دن یعنی یوم الاحد قرار پایا اور ہفتہ کے دن چونکہ پیدائش کا کام منقطع ہو گیا اس لیے انقطاع کے دن یعنی یوم السبت سے موسوم ہوا، یہود و نصاریٰ دونوں فرقوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہفتہ کے ایک دن کو عید قرار دیا یہود نے سنیچر کو پسند کیا اور نصاریٰ نے اتوار کو اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یوم جمعہ کو مشروع فرمایا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پچھلے ہیں قیامت کے اگلے بس کتاب ان یہود و نصاریٰ کو پہلے مل گئی، اور یہ یعنی جمعہ ان کا دن ہے جو ان پر مقرر

[۱] تاج العروس من جواہر القاموس ج ۱ ص ۵۴۷ طبع خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ مادہ "سبت" [۲] تاج العروس [۳] ایضاً

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کیا گیا تھا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور اللہ نے ہمیں اس کی طرف رہ نمائی فرمائی اب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصاریٰ پرسوں[1]

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ سے اللہ نے اگلوں کو بے خبر رکھا، یہودیوں کے لیے تو سنیچر ہوا اور نصرانیوں کے لیے اتوار اور اللہ ہمیں لایا تو ہمیں جمعہ کے دن کی ہدایت فرمائی اور جمعہ سنیچر اور اتوار مقرر ہوئے اور اسی طرح وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے پیچھے ہونگے، ہم دنیا والوں میں اخیر ہیں اور قیامت کے دن اول کہ خلائق سے پہلے ہمارا ہی فیصلہ ہوگا۔[2]

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:-

"اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ آیا عقل ہی کوئی ایسی وجہ ہے جو یہ بتلاتی ہو کہ جمعہ کا دن ہفتہ کے دن سے افضل ہے کیونکہ اہل ملل اس پر متفق ہیں کہ حق تعالیٰ نے چھ روز میں عالم کی تخلیق فرمائی، یکشنبہ سے پیدائش و آفرینش کی ابتداء فرمائی اور جمعہ کے دن میں تکمیل ہوگئی، سنیچر کا دن فراغت کا دن ہوا، یہود تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ترکِ اعمال میں اپنے پروردگار کی موافقت کرتے ہیں بدیں وجہ انہوں نے سبت کو معین کیا ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ خلق و تکوین کی ابتدا تو یکشنبہ سے ہوئی ہے اس لیے ہم اس دن کو عید قرار دیتے ہیں لہذا یہ دونوں وجہیں تو معقول ہیں پھر جمعہ کو ہمارے لیے عید مقرر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ تو ہم کہینگے کہ جمعہ کا دن کامل ہونے اور تمام ہونے کا دن ہے اور تمام و کمال کا حاصل ہونا فرحِ کامل اور سرورِ عظیم کا موجب ہے لہذا اس بناء پر جمعہ کے دن کو عید قرار دینا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم"[3]

واضح رہے کہ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ آفرینش عالم کی ابتدا کس دن میں عمل میں آئی بعض شنبہ بتاتے ہیں اور بعض یکشنبہ، اور اس کی وجہ اختلافِ روایات ہے، حافظ ابن کثیر البدایۃ و النھایۃ میں فرماتے ہیں:-

"[4] ابن جریر نے اولِ ایام کے بارے میں تین اقوال نقل کیے ہیں، اور محمد بن اسحاق سے ان کا بیان روایت کیا ہے کہ "اہلِ تورات کہتے ہیں اللہ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ طبع مصطفائی ۱۳۰۰ھ [2] صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۴۳ طبع مصر ۱۳۳۷ھ [3] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۶۳۔ [4] صحیح بخاری ج ۱۔ ص ۴۶ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

نے آفرینش کی ابتدا یکشنبہ کو فرمائی اور اہلِ انجیل کہتے ہیں دوشنبہ کو اللہ نے تخلیق شروع کی اور ہم مسلمان جیساکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے یوں کہتے ہیں کہ اللہ نے شنبہ کو پیدائش کا آغاز فرمایا۔

اور یہ قول جس کی ابن اسحٰق نے مسلمانوں سے حکایت کی ہے فقہاء شافعیہ وغیرہم کی ایک جماعت اسی طرف مائل ہے اور ابھی اس بارے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت (اللہ نے مٹی کو شنبہ کے دن پیدا فرمایا) آنے والی ہے۔

اور یکشنبہ کے قول کو ابن جریر نے بروایت سُدّی، ابو مالک (رضی اللہ عنہ) اور بروایت ابی صالح، ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے اور بروایت مرہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) اور صحابہ کی ایک جماعت نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور یہی تورات کی نص صریح ہے اور اسی کی طرف فقہاء کا دوسرا گروہ مائل ہے اور یہی لفظ احد سے زیادہ مشابہ ہے اور اسی بنا پر چھ دن میں پیدائش کی تکمیل ہوئی اور جمعہ ان کا آخری دن ہوا اور مسلمانوں نے ہفتہ میں اسے اپنے لیے عید قرار دیا۔[1]"

حدیث مذکور جس کی طرف حافظ ابن کثیر نے اشارہ کیا ہے مسند احمد بن حنبل، صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی کو شنبہ کے دن پیدا فرمایا اور پہاڑوں کو یکشنبہ کے دن اور درختوں کو دوشنبہ کے دن اور مکروہ یعنی ناپسند امور کو سہ شنبہ کے دن اور نور کو چہارشنبہ کے دن خلق فرمایا اور پنجشنبہ کے دن جانوروں کو منتشر فرمایا اور روز جمعہ بعد عصر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جو آخری مخلوق ہیں اور جمعہ کی آخری ساعت میں عصر سے لے کر رات کے درمیان ان کی تخلیق عمل میں لائی گئی ہے

یہ روایت ان تینوں کتابوں میں بروایت ابن جریج بایں اسناد مروی ہے ابن جریج اخبرنی اسماعیل بن امیہ عن ایوب بن خالد عن عبداللہ بن رافع مولیٰ اُم سلمہ عن ابی ھریرۃ نیز امام نسائی نے تفسیر میں بروایت ابن جریج عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ہریرہ روایت کیا ہے۔[2] حافظ ابن کثیر اس روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابن جریج پر اس حدیث میں اختلاف ہے،

۱؎ البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۵ طبع مصر مطبع کردستان العلمیہ ۱۳۴۸ھ ۲؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۷

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

علی بن المدینی، بخاری اور بیہقی وغیرہ حفاظ نے اس
حدیث میں کلام کیا ہے، بخاری نے تاریخ میں
کہا ہے کہ "بعض نے اس کو کعب سے بیان کیا
ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے"۔ یعنی یہ حدیث ان
روایتوں میں سے ہے جس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
نے کعب سے سنا اور ان سے لیا ہے، کیونکہ وہ
دونوں حدیث کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ
رہتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے، یہ تو انہیں اپنے صحیفوں
سے بتاتے اور وہ انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے وہ باتیں نقل کرتے جو اس کی تصدیق میں
ہوتیں، پس یہ حدیث وہ ہے جس کو حضرت ابو
ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے ان کے صحیفوں
سے لی ہے، پھر کسی راوی کو وہم ہوا اور اس نے اسے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیا اور یہ کہہ
کر کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا"
اس کے رفع کی اور تاکید کر دی۔

نیز اس کے متن میں سخت غرابت ہے، من
جملہ اس کے یہ کہ اس میں آسمانوں کے پیدا کرنے
کا ذکر تک نہیں اور زمین اور زمین میں جو کچھ ہے
سات روز میں اس کے پیدا ہونے کو بیان کیا ہے،
اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ زمین چار دن
میں پیدا ہوئی ہے، پھر دو دن میں آسمانوں کو دھوئیں
سے پیدا کیا گیا"۔[۱]

اور دوسرے قول یعنی یکشنبہ کو آغاز آفرینش
ہونے کے بارے میں وہ حدیث ہے جو مستدرک
حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی
ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آکر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق
سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین کو یک
شنبہ اور دوشنبہ کے دن پیدا فرمایا اور پہاڑوں
کو نیز ان منافع کو جو پہاڑوں میں ہیں سہ شنبہ کے روز
بنایا اور درخت، پانی، شہر، آبادی اور ویرانہ کی
چہار شنبہ کے روز تخلیق فرمائی، یہ چار روز ہوئے،
ارشاد عز و جل ہے قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي
خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا
ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن
فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي
أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۝ (تو کہہ کیا تم
منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور
برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو، وہ رب ہے

۱ ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۷۔

175-16
(11)

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جہان کا، اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ، اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر، اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں، پورا ہوا پوچھنے والوں کو) اور پنجشنبہ کے دن آسمان پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستارے آفتاب و ماہتاب اور فرشتے پیدا فرمائے اب تین ساعتیں جمعہ کی باقی رہی تھیں کہ ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں اجلیں پیدا فرمائیں کہ وقت پر مرتا ہے جسے موت آئی اور دوسری ساعت میں ہر اس شئے پر کہ جس سے لوگ منتفع ہوتے ہیں آفت ڈالی، اور تیسری میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انہیں جنت میں بسایا اور ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آخری ساعت میں وہاں سے ان کا اخراج کر دیا، یہود نے کہا پھر کیا ہوا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا پھر وہ عرش پر قائم ہوا بولے اگر پوری بات کہتے تو ٹھیک تھا، کہنے لگے پھر آپ نے آرام لیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا اور یہ آیت نازل ہوئی وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان، سو تو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں)

حاکم نے لکھا ہے کہ

هٰذَا صحيح	یہ حدیث صحیح الاسناد ہے
الاسناد	مگر بخاری و مسلم نے اس کو
ولم يخرجاه[1]	روایت نہیں کیا۔

مگر حاکم کی تصحیح میں اہل فن کو کلام ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں اس حدیث میں غرابت ہے[2]۔ اس حدیث کا ایک راوی ابو سعید بقّال ہے اس کے متعلق حافظ ذہبی تلخیص المستدرک میں ابن معین سے جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں ناقل ہیں کہ لا یکتب حدیثہ[3] (اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

غرض آفرینش عالم کے متعلق دنوں کی ترتیب تعیین میں تو کوئی صحیح حدیث موجود نہیں البتہ سلف صحابہ و تابعین کی اکثریت اسی پر ہے کہ ابتداء آفرینش

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۴۳ طبع دائرۃ المعارف، واضح رہے کہ اس حدیث کو حاکم کے علاوہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور نحاس نے ناسخ و منسوخ میں اور ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نیز بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الدر المنثور فی تفسیر الماثور از سیوطی ج ۵ ص ۱۳۶)

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۹۴ [3] تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۴۳

یکشنبہ کے دن سے عمل میں آئی بلکہ امام جریر طبری نے
تو اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے،[1]

ب ۱/۸ ب ۵/۴۴ ب ۶/۲ ب ۹/۱۱ ب ۱۴/۲۲

سَبْتِهِمْ: ان کا شنبہ منانا، ان کا سنیچر منانا،
ان کا کام چھوڑ دینا، سبت مضاف ھِمْ ضمیر
جمع مذکر غائب مضاف الیہ، یہود سنیچر کے دن کام
چھوڑ دیتے اور اس دن کی تعظیم کرتے ہیں ب ۹/۱۱

سَبَّحَ: اس نے پاکی بیان کی، تَسْبِیْحٌ سے جس
کے معنی سُبْحَانَ اللہ کہنے اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان
کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، امام
راغب لکھتے ہیں:-

"سب چیزیں حق تعالیٰ شانہ کی تسبیح کرتی ہیں
بعض کا سجدہ تسخیری ہوتا ہے اور بعض کا اختیاری،
آسمان زمین اور رینگنے والے جانوروں کے
متعلق اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں
کہ وہ بالتسخیر تسبیح گذار ہیں کیونکہ ان کے احوال
اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر دال ہیں، البتہ اس
میں اختلاف ہے کہ آسمان و زمین آیا اپنے اختیار
سے بھی اللہ کی پاکی بولتے ہیں اور آیت اسی
کی مقتضی ہے"

علامہ لغوی سید محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس
شرح قاموس میں رقمطراز ہیں

"اور کبھی تسبیح بول کر اس سے نماز اور ذکر اور
تحمید اور تمجید مراد لی جاتی ہے، اور نماز تسبیح
سے اس لیے موسوم ہوئی کہ تسبیح کے معنی
اللہ کی تعظیم کرنے اور ہر برائی سے اس کی
تنزیہ یعنی پاکی بیان کرنے کے ہیں، اور ارشادِ
الٰہی فَسُبْحٰنَ اللہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ
تُصْبِحُوْنَ (سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام
کرو اور جب صبح کرو) کی اسی معنی پر تفسیر کی گئی
ہے کہ ان دونوں وقتوں میں اللہ ان کو نماز کا
حکم فرماتا ہے، اور فراء نے کہا ہے کہ حِیْنَ
تُمْسُوْنَ مغرب و عشا اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ
نماز فجر اور عَشِیًّا نماز عصر اور حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ
نماز اولیٰ یعنی ظہر ہے اور ارشاد ہے وَسَبِّحْ
بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ یعنی نماز پڑھ شام اور صبح"
(ملاحظہ ہو تَسْبِیْحَہٗ) ب ۲۷/۱۷ ب ۲۸/۹ و ۱۲

سَبِّحْ: تو تسبیح کر، تو پاکی بیان کر، تو عبادت کر،
تَسْبِیْحٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ب ۳/۱۲ ب ۱۴/۶
ب ۱۶/۷ ب ۱۹/۳ ب ۲۲/۱۱ ب ۲۶/۱۷ ب ۲۷/۴ و ۱۵ و ۱۶ ب ۲۹/۶ ب ۳۰/۱۲ و ۳۵

---

[1] تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۲۳ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَبْحًا: مشغول ہونا، تیزی سے تیرنا، یہ سَبَحَ یَسْبَحُ کا مصدر ہے، امام راغب فرماتے ہیں:
سَبْحٌ کے معنی پانی اور ہوا میں تیز گزرنے کے ہیں، بولا جاتا ہے سَبَحَ، سَبْحًا وسِبَاحَۃً اور حسب ذیل معانی میں بطور استعارہ استعمال ہوا ہے (۱) آسمان میں ستاروں کی گردش کے لیے جیسے وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (اور ہر کوئی ایک چکر میں پیرتے ہیں (۲) گھوڑے کے دوڑنے کے لیے جیسے وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اور قسم ہے پیرنے والے گھوڑوں کی تیزی سے) (۳) کام میں جلد لگ جانے کے لیے جیسے اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا (البتہ تجھ کو دن میں جلد شغل رہتا ہے لمبا)"
علامہ محمود آلوسی آیت اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔
"کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں" دن کو اپنے سونے اور حوائج میں مصروف ہونے کے لیے فراغت اور گنجائش ہے" اور بعض نے کہا ہے کہ "اگر رات میں کچھ چھوٹ جائے، تو تمہیں دن میں فراغت ہے تم اس کی تلافی کر سکتے ہو"

پس سبح بمعنی فراغ ہے اور لغت میں بھی اس معنی میں مستعمل ہے لیکن پہلے معنی (یعنی کام میں جلدی مشغول ہو جانا) عرب کے محاورہ سبح فی للماء کے زیادہ موافق اور موقع کے زیادہ مناسب ہیں[1]

ب ۲۹ ت ۳۰
۱۳ ۳

سُبْحٰنَ: پاک ہے، امام سیوطی الاتقان میں رقمطراز ہیں:۔
"سبحان مصدر ہے بمعنی تسبیح (یعنی پاکی بیان کرنے کے)، نصب نیز مفرد کی طرف اضافت اس کو لازم ہیں خواہ مفرد اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحٰنَ اللّٰہِ (اللہ پاک ہے) اور سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی (پاک ذات ہے جو لے گیا) یا اسم ضمیر سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ (اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو) اور سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا (پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں) اور یہ ان مصادر میں سے ہے جن کے فعل کو مردہ کر دیا گیا ہے، (یعنی کبھی استعمال نہیں کیا گیا) اور کرمانی کی عجائب میں ہے کہ "یہ غریب (یعنی اوپری سی بات) ہے، جو مفضل نے بیان کی ہے کہ سُبْحَانَ سَبَحَ کا مصدر ہے جب کہ دعا اور ذکر کے لیے

[1] روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۰۵ طبع منیریہ مصر

(۱۶۱-۱۷۱) (۲۳-۲۲) لغات ۳

اپنی آواز بلند کرے اور یہ شعر پیش کیا ہے :-

سبحان الٰہ وجوہ تغلب کلما
سبح الحجیج وکبروا اھلالا

(اللہ تغلب کے منہوں کو بگاڑے جب بھی حاجی
زور سے دعا مانگیں اور چلا کر تکبیر کہیں)

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سبحان اللہ کے معنی ہیں اللہ کی ذات کی ہر برائی سے پاکی بیان کرنا"[۱]

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے قاموس میں سبحان کو معرفہ لکھا ہے یعنی وہ اس کی تسبیح کا علم جنس بناتے ہیں جیسے بُرَّۃ (ایک گیہوں) بُرٌّ (گندم) کا علم جنس ہے اور اسی طرح دوسرے اعلام اجناس کہ جو معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں، اور صاحب قاموس نے جو اس کا علم ہونا بیان کیا ہے یہی مختار جماہیر ہے قاضی بیضاوی، زمخشری، دمامینی اور بہت سے علماء بھی اسی کے مقر ہیں، زجاج نے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے اور اس کا نصب ایک پوشیدہ فعل کی بنا پر ہے جس کا اظہار متروک ہے اصل یوں ہے اُسَبِّحُ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ تَسْبِیْحًا (میں اللہ کی تسبیح کرتا ہوں) شیخ محمد فاسی لکھتے ہیں کہ پھر سبحان فعل کا قائم مقام ہو کر تنزیہ بلیغ یعنی ان برائیوں سے جن کو مشرکین حق تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں پاک ہونے کو بتانے لگا، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گویا ایک شخص نے مجھ سے سبحان اللہ کی تفسیر بیان کی اس نے کہا کہ کیا تم محاورہ الفرس یسبح فی سرعتہ (گھوڑا اپنی تیزی میں دوڑ رہا ہے) پر غور نہیں کرتے کہنے لگا سبحان اللہ کے معنی ہیں اللہ کی طرف لپکنا اور اس کی طاعت میں چست رہنا۔

یہ واضح رہے کہ امام سیوطی نے جو یہ کہا ہے کہ سبحان کے فعل کو مردہ کر دیا گیا ہے اور مفصل نے جو اس سے فعل کے آنے کا ذکر کیا ہے تو تعجب کے ساتھ اسے کرمانی کی عجائب سے نقل کیا ہے اور اسی طرح ابن یعیش وغیرہ شارحین مفصل نے بھی لکھا ہے سو لائق اعتبار نہیں، کیونکہ اس کا فعل مشہور ہے اور اور باب افعال اور دیگر علماء اس کو لائے ہیں ان کا بیان ہے کہ یہ سبّح مخفف سے ہے جیسے کہ شکر شکرانا ہے، اور ایک جماعت نے اس کو بھی جائز

[۱] الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۶۳ طبع مصر ۱۳۴۳ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رکھا ہے کہ اس کا فعل سَبَّحَ ہو مسند دگر نہ
تصریح ضرور کرتے ہیں کہ یہ بعید از قیاس ہے
کیونکہ اس کی کوئی نظیر نہیں، برخلاف اول کے
کہ اس کی نظیریں بہت سی ہیں اگرچہ وہ بھی غیر مقیس ہے،
یعنی قاعدہ کے مطابق نہیں ہے۔[۱] ب ۱۳/۶ ب ۱۵/۱و۱۰،۱۲
ب ۱۷/۴ ب ۱۸/۵ ب ۱۹/۱۶ ب ۲۰/۱۰ ب ۲۱/۵ ب ۲۳/۲و۴و۹ ب ۲۵/۷و۱۳
ب ۲۷/۴ ب ۲۸/۶ ب ۲۹/۳ :

سُبْحٰنَكَ : تو پاک ہے، سُبحان مضاف
كَ ضمیر واحد مذکر حاضر، مضاف الیہ ب ۱/۴ ب ۴/۱۱
ب ۷/۶ ب ۹/۱۶ ب ۱۱/۶ ب ۱۷/۶ ب ۱۸/۸و۱۷ ب ۲۲/۱۱

سُبْحٰنَهٗ : وہ پاک ہے، سُبحانَ مضاف
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ب ۱/۱۴ ب ۶/۷ ب ۷/۱۸
ب ۱۰/۱۱ ب ۱۱/۷و۱۲ ب ۱۴/۷و۱۳ ب ۱۵/۵ ب ۱۶/۵ ب ۱۷/۴ ب ۲۱/۷ ب ۲۳/۱۵
ب ۲۴/۴ ۔

سَبَّحُوْا ۔ انہوں نے تسبیح کی، انہوں نے پاکی
بیان کی، تَسْبِیْحٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب
(ملاحظہ ہو تَسْبِیْحٌ اور سَبَّحَ ب ۲۱/۱۹

سَبِّحُوْا : تم تسبیح پڑھو، تم پاکی بیان کرو، تم
عبادت کرو، تَسْبِیْحٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر
ب ۱۶/۴

سَبِّحُوْهُ : اس کی پاکی بولتے رہو، اس کی یاد
کرتے رہو، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے ب ۲۲/۳

سَبِّحْهُ : تو اس کی تسبیح کر، تو اس کی پاکی بول،
اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، (ملاحظہ ہو
سَبَّحَ) ب ۲۶/۱۷ ب ۲۷/۴ ب ۲۹/۲۰

سَبُعٌ : درندہ، اَسْبُعٌ اور سِبَاعٌ جمع، راغب
نے مفردات میں لکھا ہے:

"درندہ کو سَبُعٌ اس لیے کہا گیا کہ اس کی
قوت پوری ہوتی ہے اور سَبْعٌ بھی اعداد
تامہ میں سے ہے" ب ۶/۵

سَبْعَ : سات، ہفت، اسم عدد ہے، مونث کے
لیے آتا ہے ب ۱/۳ ب ۳/۴ ب ۱۲/۱۲ ب ۱۵/۵ ب ۱۸/۱و۱۵ ب ۲۴/۱۲ ب ۲۸/۱۸
ب ۲۹/۵و۹ سَبْعًا ب ۱۴/۶ ب ۳۰/۱

سَبْعُوْنَ : ستر، اسم عدد ہے، بحالت رفع
سبعون ہوگا، ب ۲۹/۵

سَبْعَةٌ : سات، ہفت، اسم عدد ہے جو مذکر کے
لیے آتا ہے ب ۲/۸ ب ۱۳/۱ ب ۱۵/۱۵ ب ۲۱/۱۲

سَبْعِيْنَ : ستر، اسم عدد ہے، بحالت نصب و
جر سَبْعِیْن ہوگا۔ ب ۹/۹ ب ۱۰/۱۶

سَبَقَ : وہ پہلے ہو چکا، وہ پہلے گذر چکا، اس نے

---

[۱] اس بحث کے تمام حوالوں کے لیے ملاحظہ تاج العروس شرح قاموس۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سبقت کی، سَبَقَ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب مِنَ اللّٰہ سَبَقَ کا مطلب ہے اللہ کی طرف سے پہلے سے ٹھہر چکا اور ہو چکا ۹/۹ ۱۱/۱۶ (ملاحظہ ہو تَسْبِقُ) ۱۰/۵ ۱۲/۴ ۱۶/۴ ۱۸/۲

سَبْقًا: آگے ہونا، پہلے ہونا، مقدم ہونا، سَبَقَ یَسْبِقُ کا مصدر ہے ۳۰/۳

سَبَقَتْ: پہلے سے ہو چکی، پہلے سے ٹھہر چکی، سَبَقَ سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب۔ ۱۱/۷ ۱۲/۲۰ ۱۶/۱۷ ۱۷/۷ ۲۳/۹ ۲۴/۲۰ ۲۵/۳

سَبَقَكُمْ: اس نے تم سے پہلے کیا، اس نے تم سے سبقت کی، سَبَقَ اس میں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے (ملاحظہ ہو سَبَقَ) ۸/۱۷ ۲۰/۱۵

سَبَقُوْا: انہوں نے سبقت کی، وہ آگے نکل گئے سَبَقَ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ۱۰/۴

سَبَقُوْنَا: وہ ہم سے پہلے دوڑے، انہوں نے ہم سے سبقت کی، وہ ہم سے آگے ہوئے، اس میں نا ضمیر جمع متکلم ہے ۲۶/۲ ۲۰/۲

سُبُلَ: راہیں، راستے۔ سَبِیْلٌ کی جمع۔ ۶/۷ ۶/۶ ۱۴/۱۵

سُبُلَنَا: ہماری راہیں، ہمارے راستے، سُبُلَ مضاف، نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، ۱۳/۱۴ ۲۱/۲

سُبُلًا: ۱۴/۸ ۱۶/۱۱ ۱۷/۳ ۲۵/۷ ۲۹/۹

سَبِیْلٌ: راستہ، راہ "سبیل" اصل میں اس راہ کو کہتے ہیں جو واضح ہو اور اس میں سہولت ہو۔ امام راغب لکھتے ہیں:-

سَبِیْلٌ کا استعمال ہر اس شے کے لیے ہوتا ہے جس کے ذریعہ کسی شے تک پہنچا جا سکے خواہ وہ شے شر ہو یا خیر، نیز واضح راستہ بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے، یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کی تانیث زیادہ غالب ہے[۱]، اس کی تذکیر کا شاہد ارشادِ الٰہی وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ہے (کہ اس میں سبیل کے لیے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے) اور تانیث کا شاہد قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ ہے (کہ هٰذِهٖ کے ذریعہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے)

آیت شریفہ اَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ (اور ان کو روکتے رہتے ہیں راہ سے) میں سبیل سے راہِ حق مراد ہے کیونکہ اسم جنس کا جب مطلق ہو کر استعمال ہو تو وہ

[۱] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ج ۲ ص ۱۵۶ طبع خیریہ مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کے ساتھ مخصوص ہوگا جو حق ہو اور ایسے ہی ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (پھر راہ آسان کردی اُس کو) ہے آیت کریمہ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ (اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے) میں سبیل سے کوئی ایک معین راستہ مراد نہیں کہ جو کج بھی ہو، بلکہ یہاں یہ اسم جنس ہے۔ سبیل

پ۱/۱۳ پ۲/۶، ۱۰ پ۳/۱۶ پ۵/۳، ۴، ۹، ۱۱، ۱۴ پ۶/۷، ۱۳، ۱۴ پ۷/۱۲ پ۹/۷

پ۱۰/۱، ۱۸ پ۱۱/۱۴ پ۱۳/۱۱ پ۱۴/۵، ۷، ۲۲ پ۱۵/۳ پ۱۸/۱۷ پ۱۹/۱۷

پ۲۰/۶، ۱۵، ۱۶ پ۲۱/۷، ۱۱، ۱۷ پ۲۴/۷، ۹، ۱۰ پ۲۵/۵، ۶، ۱۰ پ۲۸/۴، ۷ پ۲۹/۱۹

پ۳۰/۵

سَبِيْلًا پ۴/۱، ۱۴ پ۵/۳، ۵، ۹، ۱۱، ۱۷، ۱۸ پ۶/۱ پ۹/۷، ۸

پ۱۵/۴، ۵، ۸، ۹، ۱۲ پ۱۸/۱۶ پ۱۹/۱، ۲، ۳ پ۲۲/۵ پ۲۹/۱۳، ۲۰

سَبِيْلِ اللّٰهِ: راہِ خدا، اللہ کی راہ۔ سَبِيْلِ مضاف اللّٰهِ مضاف الیہ، حافظ ابو السعادات، ابن الاثیر الجزری لکھتے ہیں :-

سَبِيْلِ اللّٰه لفظ عام ہے جو ہر اس خالص عمل کے لیے آتا ہے جس کی بدولت حق کے تقرب کے راستہ پر فرائض، نوافل اور انواع عبادات کی ادائیگی کے ذریعہ گامزن ہوا جائے اور جب یہ مطلق استعمال ہو تو بیشتر جہاد کے معنی میں آتا ہے حتی کہ کثرت استعمال کی بناء پر ایسا ہوگیا کہ گویا اسی معنی میں منحصر ہو۔[1]

پ۲/۳، ۸، ۱۱، ۱۶ پ۳/۴، ۵، ۱۰ پ۴/۱، ۶، ۸ پ۵/۷، ۸، ۱۰ پ۶/۲، ۳، ۱۲

پ۸/۱، ۱۲، ۱۸ پ۹/۱۸ پ۱۰/۲، ۴، ۶، ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۷ پ۱۱/۳، ۴

پ۱۲/۲ پ۱۳/۱۳ پ۱۴/۱۸، ۱۹ پ۱۷/۸، ۱۰ پ۱۸/۹ پ۲۱/۱۰ پ۲۳/۱۱

پ۲۶/۵، ۸، ۱۴ پ۲۷/۱۷ پ۲۸/۳، ۱۰، ۱۳ پ۲۹/۱۴

سَبِيْلِكَ: تیری راہ، تیرا راستہ، سَبِيْلِ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، پ۱۱/۱۴ پ۲۴/۶

سَبِيْلِنَا: ہماری راہ، ہمارا راستہ، سَبِيْلَ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، پ۲۰/۱۳

سَبِيْلِهٖ: اس کی راہ، اس کا راستہ سَبِيْل مضاف هٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ پ۶/۱۰

پ۸/۱، ۶ پ۱۰/۸، ۹ پ۱۳/۱۷ پ۱۴/۲۲ پ۱۵/۲۱ پ۲۳/۱۵ پ۲۷/۶ پ۲۸/۹

پ۲۹/۳

سَبِيْلِهِمْ: ان کی راہ، ان کا راستہ، سَبِيْلِ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ۱/۲

سَبِيْلِيْ: میری راہ، میرا راستہ، سَبِيْلِ مضاف ىْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ پ۴/۱۱ پ۱۳/۶ پ۲۸/۷

فصل التاء المثناۃ

سِتْرًا: حجاب، پردہ، سُتُوْرٌ اور اَسْتَارٌ جمع پ۱۶/۲

۱؎ ملاحظہ ہو النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سِتَّۃٌ: چھ، اسم عدد ہے، مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے، سِتَّۃٌ اصل میں سِدْسَۃٌ تھا، سین کو تا سے بدلا اور پھر دال کا اس میں ادغام کر دیا گیا پ ۸/۱۴ پ ۱۱/۶ پ ۱۲/۱
پ ۱۹/۳ پ ۲۱/۱۴ پ ۲۶/۱۷ پ ۲۷/۱۷

سِتِّیْنَ: ساٹھ، اسم عدد ہے سِتَّۃٌ سے مشتق ہے، پ ۲۸/۱

فصل الجیم المعجمہ

سَجَدَ: اس نے سجدہ کیا، سُجُوْدٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے متعلق بعض نے تو یہ کہا ہے کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ قرار دیں اور بعض کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فروتنی کرنے اور ان کی اولاد کی مصالح کا بندوبست کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا، سو بجز ابلیس کے سب نے حکم مانا۔[۱] (ملاحظہ ہو اُسْجُدُ) پ ۱۴/۳ پ ۲۳/۱۴

سُجَّدًا: سجدہ کرنے والے ساجِدٌ کی جمع، آیت شریفہ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے) میں جھکتے ہوئے اطاعت شعارانہ داخل ہونا مراد ہے امام سیوطی واسطی سے اس آیت کی تفسیر میں ناقل ہیں کہ سریانی میں سجدًا

کے معنی ہیں سر جھکانے والے، اور وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا (اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں) میں سجدۂ تعظیمی مراد ہے سجدۂ عبادت نہیں، اور اخفش نے جو نحو ولغت کے امام ہیں فرمایا ہے کہ یہاں خرو! بمعنی مروا (یعنی گذرنے کے ہے گرنے اور زمین پر پڑنے کے معنی میں نہیں، ان کے قول پر آیت کا ترجمہ یوں ہوگا "وہ ان کے لیے جھکے ہوئے گزرے" پ ۱/۶ پ ۶/۲
پ ۹/۱۰ پ ۱۳/۵ پ ۱۴/۱۲ پ ۱۵/۱۲ پ ۱۶/۷ و ۱۲ پ ۱۹/۴ پ ۲۱/۱۵ پ ۲۶/۱۲

سَجَدُوْا: انہوں نے سجدہ کیا، سُجُوْدٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔ پ ۱/۴ پ ۵/۱۲ پ ۸/۹ پ ۱۵/۷ و ۱۹
پ ۱۶/۱۶

سُجِّرَتْ: وہ آگ سے پُر کی گئی۔ اس کا پانی بہایا گیا، وہ خالی کی گئی، وہ پُر کی گئی، تَسْجِیْرٌ سے جس کے معنی زور سے آگ بھڑکانے اور بہانے، خالی کرنے اور پُر کرنے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب، امام فخر الدین رازیؒ آیۂ شریفہ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب دریا جھونکے جائیں گے) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"یہ بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے اور بالتشدید بھی (یعنی سُجِرَتْ بھی اور سُجِّرَتْ بھی) اور اس میں

---

[۱] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸ [۲] تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مختلف وجہیں ہیں۔

(۱) اصل کلمہ سجرت التنور سے ہے جو تنور جھونکنے اور اس میں آگ بھڑکانے کے لیے آتا ہے اور کسی چیز میں جب آگ بھڑکائی جاتی ہے تو جو کچھ رطوبت اس میں ہوتی ہے وہ خشک ہوجاتی ہے، تو اس وقت سمندروں میں ذرا سا پانی بھی نہیں بچیگا، پھر چونکہ حسب تصریح وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ (اور چلائے جائینگے پہاڑ) پہاڑ چلائے جائینگے اس لیے اس آن سمندر اور زمین انتہائی حرارت اور سوزانی میں ایک شے بن جائینگے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب سمندروں کے پانی سوکھ جائیں تو زمین ابھر کر اور مرتفع ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر ہوجائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ان کے اجزا منتشر ہوں اور وہ مٹی کی طرح ہوجائیں تو وہ مٹی سمندروں کی تہ میں جا پہنچے اور سطح زمین سمندروں کے ساتھ برابر ہوجائے اور سب مل کر ایک دہکتا ہوا سمندر بن جائے۔

(۲) سجرت بمعنی فجرت ہو جو پانی کے رواں ہونے کے لیے آتا ہے، اور یہ اس طرح کہ چونکہ حسب ارشاد مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں میں ہے ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے) سمندروں کے مابین آڑ ہے پس جب اللہ اس آڑ کو ہٹا دیگا، ایک دوسرے میں رواں ہونے لگے گا اور سارے سمندر ایک سمندر بن جائینگے، کلبی کا قول یہی ہے۔

(۳) سجرت بمعنی اوقدت یعنی آگ بھڑکانے کے ہو، قفال نے کہا ہے کہ اس کی تاویل میں مختلف وجوہ کا احتمال ہے۔ اول یہ کہ جہنم سمندروں کی تہوں میں ہو اس لیے سمندر اس وقت تو اس لیے نہیں دہکتے کہ دنیا کو قائم رکھنا ہے۔ لیکن جب دنیا کی مدت ختم ہوجائیگی حق تعالے شانہ اس آگ کی تاثیر کو سمندروں تک پہنچا دیگا اور اس لیے وہ پورے طور پر کھولنے لگ جائینگے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالی آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سمندر میں ڈال دیگا اور سمندر کھول اٹھینگے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالی سمندروں میں آتش عظیم پیدا فرمائیگا کہ پانی اُبل جائینگے، میں (یعنی امام رازی) کہتا ہوں کہ ان سب وجوہ میں تکلف سے کام لیا گیا ہے ان میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں کیونکہ جو دنیا کی تخریب اور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے یقیناً وہ اس
. . . . اس پر بھی قادر ہے کہ
سمندروں کے ساتھ جو چاہے کرے ان کو کھولا
دے یا ان کے پانیوں کو آگ کی شکل میں بدل
ڈالے بغیر اس کے کہ اسے ان میں آفتاب و ماہتاب
ڈالنے کی حاجت ہو یا ان کے نیچے جہنم کی
آگ ہو[۵]"

سورۃ ۳۰ - ۶

سِجِلّ: کاغذ کا طومار، صحیفہ، محضر، وثیقہ، لکھنے والا، مرد، ایک شخص کا نام، سِجِلّات جمع۔ یہ ان اسماء میں ہے کہ باوجود مذکر ہونے کے ان کی جمع الف تا کے ساتھ آتی ہے[۱]۔ جو جمع مونث سالم کا وزن ہے۔

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں :-

"اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ عربی ہے یا معرب (یعنی دوسری زبان سے عربی میں لایا گیا) ہے پس بصرہ والے تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ عربی ہے، اور ابو الفضل رازی نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے[۳]"

ابن جنی نے جو نحو و عربیت کے امام ہیں المحتسب میں سجل کے معنی کتاب یعنی نوشتہ کے نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ایک قوم نے اس کو فارسی سے معرب کہا ہے[۴]، امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ

"اس کی اصل جیسا کہ بیان کیا گیا ہے فارسی ہے جس کو عربی کر لیا گیا ہے اور سجل کو پتھر بنایا گیا ہے جس پر تحریر کیا جاتا تھا بعد میں ہر وہ شے جس پر لکھا جانے لگا اس کا نام سجل پڑ گیا"۔

اس لحاظ سے سجل فارسی لفظ سنگ کا معرب ہے اور ابن مردویہ نے بطریق ابی الجوزا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حبشی زبان میں اس کے معنی شخص کے ہیں[۵]، امام لغت زجاج کا بھی یہی بیان ہے[۶]۔

امام ابن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن میں رقمطراز ہیں :-

"جس سجل کا حق تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے اہل تاویل اس کے معنی میں مختلف ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ ایک فرشتہ کا نام ہے کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ایک کاتب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، دیگر حضرات

---

۱ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۸۳ و ۳۳۹ طبع شرفیہ مصر ۱۳۲۴ھ طبع منیریہ مصر ۲ تاج العروس ۳ روح المعانی ج ۱۷ ص ۹۱ ۴ الاتقان از سیوطی ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر ۱۳۱۷ھ ۵ ایضاً
۶ غرائب القرآن ورغائب الفرقان از نظام الدین نیشاپوری ج ۱۷ ص ۶۰ برحاشیہ تفسیر طبری۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

یہ کہتے ہیں کہ سجل وہ صحیفہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے (پہلے قول کو ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سدی سے اور دوسرے کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور تیسرے کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ) اور اس بارے میں ہمارے نزدیک سب اقوال میں صحت کے اعتبار سے اولیٰ اس شخص کا قول ہے جس نے سجل کو اس جگہ بمعنی صحیفہ بیان کیا ہے، کیونکہ یہی معنے کلام عرب میں معروف ہیں، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی ایسے کاتب کا پتہ نہیں چلتا کہ جس کا نام سجل ہو اور نہ فرشتوں میں کوئی ایسا فرشتہ ہے کہ جس کا یہ نام ہو[۱]۔

واضح رہے کہ ابن مندہ، ابونعیم، ابن مردویہ خطیب اور ابن عساکر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کاتب تھا جس کو سجل کہا جاتا تھا سو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (جس دن ہم لپیٹ دینگے آسمان کو جس طرح کہ سجل کا لپیٹنا ہی نوشتوں کو[۲])

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس حدیث کو روایت کرکے بروایت برقانی حافظ ابوالفتح ازدی سے نقل کیا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ابن نمیر اس میں منفرد ہیں[۳]۔ حافظ ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ "ابن نمیر کبار ثقات میں سے ہیں اور یہ حدیث ان طرق سے صحیح ہے اور اُس سے غفلت ہوئی جس نے یہ زعم کیا یہ حدیث موضوع ہے[۴]"۔ لیکن حافظ صاحب کا یہ فرمانا اسناد کے اعتبار سے تو ممکن ہے اُسے تسلیم کرلیا جائے لیکن متن بہرحال نکارت سے خالی نہیں، حافظ ابن کثیر نے صاف تصریح کی ہے:-

وھذا منکر جدا	یہ ابن عمر سے بروایت
من حدیث نافع	نافع سخت منکر ہے
عن ابن عمر لا یصح	ہرگز صحیح نہیں ہے
اصلاً[۵]"	

اسی طرح ابو داؤد اور نسائی وغیرہ کی وہ روایت جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے کہ سجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

۱ جامع البیان المعروف بہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۷ ص ۱۰۰ طبع میمنیہ مصر۔ ۲ تفسیر فتح القدیر ج ۳ ص ۴۱۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ ۳ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۷۵ طبع سعادت مصر ۱۳۴۹ھ ۴ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۳ ص ۶۵ طبع شرفیہ مصر ۱۳۲۵ھ ۵ ملاحظہ ہو الدر المنثور فی تفسیر بالماثور از امام سیوطی ج ۴ ص ۳۴۰ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کے کاتب تھے، اور بیہقی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے
صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر
اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"اور اسی طرح ابن عباس سے بروایت ابی
داؤد وغیرہ جو گزرا وہ بھی صحیح نہیں، حفاظ کی ایک
جماعت نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح
کی ہے اگرچہ وہ ابو داؤد کی سنن میں موجود ہے
منجملہ ان کے ہمارے شیخ حافظ کبیر ابو الحجاج
مزی ہیں، اور بحمد اللہ اس حدیث پر ایک مستقل جزء
لکھا ہے اور امام ابو جعفر بن جریر اس روایت پر
انکار کے در پے ہیں انہوں نے اس کی پورے
طور پر تردید کی ہے ان کا بیان ہے کہ صحابہ میں
کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں چلتا کہ جس کا نام "سجل"
ہو، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب
معروف ہیں ان میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس
کا نام "سجل" ہو۔ اللہ ان پر رحم فرمائے انہوں نے

اس بارے میں بالکل صحیح فرمایا ہے اور یہ اس
حدیث کی نکارت پر سب سے قوی دلیل ہے۔
اور جس نے بھی اسماء صحابہ میں سجل کا ذکر کیا
ہے اس نے اسی حدیث پر اعتماد کیا ہے کسی اور
چیز پر نہیں واللہ اعلم، اور صحیح ابن عباس سے
یہی ہے کہ سجل صحیفہ ہی ہے، علی بن ابی طلحہ
اور عوفی ان سے یہی روایت کرتے ہیں۔ مجاہد
قتادہ اور بہت سے علماء نے اسی کی تصریح
کی ہے، اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے،
کیونکہ لغت میں یہی مشہور ہے۔ پس اس صورت
میں آیت کے معنی یہ ہونگے کہ "جس دن کہ ہم
لپیٹ لیویں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں صحیفہ
میں نوشتے"

قاضی شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں لکھا ہے
کہ یہ کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بس یہی
صحیح ہے (یعنی سجل کا معنی صحیفہ ہونا) درست نہیں

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کیونکہ علی بن ابی طلحہ اور عوفی دونوں ضعیف ہیں، لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ معنی لغوی ہی پر اعتماد کیا جائے؟ لیکن واضح رہے کہ علی بن ابی طلحہ وہ ہیں جن پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے باب میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں اعتماد کیا ہے اور عوفی کی روایات کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے۔[۲]

علاوہ ازیں سجل کو اگر کسی کاتب کا نام مانا جائے تو تشبیہ میں حسن نہیں رہتا۔ بہر حال لغت کے اعتبار سے بھی اور روایت کے اعتبار سے بھی اولیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنے صحیفہ کے لیے جائیں ۱۷/۷

سِجْنَ: قید خانہ، محبس، سُجُوْنُ جمع ۱۲/۱۴، ۱۵ ۱۳/۵

سُجُوْدِ: سجدہ کرنا، سر زمین پر رکھنا، فروتنی کرنا، یہ سَجَدَ یَسْجُدُ کا مصدر ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ کبھی سجود کی تعبیر نماز سے بھی کی جاتی ہے ارشاد ہے وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (اور نماز کے پیچھے) اور صلاۃ الضحیٰ کو سبحۃ الضحیٰ اور سجود الضحیٰ بھی کہتے ہیں ۲۶/۱۴ ۲۹/۴

سُجُوْدِ: سجدہ کرنے والے، سَاجِدٌ کی جمع ۱/۱۵ ۱۷/۱۱ ۲۶/۱۲

سَجٰی: وہ چھا گیا، اس نے آرام لیا، اس نے قرار پکڑا، (نَصَرَ) سُجُوٌّ سے جس کے معنی سکون پانے اور قرار پکڑنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔

علامہ حسین بن احمد معروف بابن خالویہ لکھتے ہیں:

"کہ جب رات میں ہوا تھم جائے، اور اس کی اندھیاری سخت بڑھ جائے تو کہا جاتا ہے لیل سَاجٍ اسی طرح جب سمندر تھم جاتا ہے، تو بحر ساج بولتے ہیں"[۱] ۳۰/۱۸

سِجِّیْلٍ: کنکر، یہ وہی فارسی کا سنگ وگل ہے جو عربی میں آکر سجیل بن گیا ہے۔ فریابی نے مجاہد سے یہی نقل کیا ہے۔[۲] ۱۲/۱۷ ۱۴/۵ ۳۰/۳۳

سِجِّیْنٌ: سجین، قید خانہ، ابو حاتم نے کتاب الزینۃ میں ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ غیر عربی ہے۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر میں قمطراز ہیں:

"سجین آیا شئے معین کے لیے اسم علم ہے یا کسی معنی سے اسم مشتق ہے اس بارے میں دو قول ہیں۔

اول جمہور مفسرین کا قول ہے کہ یہ شئے معین کا علم ہے۔ پھر اس سے شئے معین میں اختلاف ہے اکثر تو اس طرف ہیں کہ یہ ساتویں زمین زیر زمین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[۱] اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم ص ۱۱۶ طبع دار الکتب المصریہ [۲] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

(کا بروایت عطا نیز) قتادہ، مجاہد، ضحاک اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا سجین ساتوں زمینوں میں سب سے نیچے ہے۔ عطا خراسانی کا بیان ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت اسی میں ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین جہنم میں ایک گڑھا ہے۔ کلبی اور مجاہد نے کہا ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مشتق ہے اور سِجِّينٌ بروزن فِعِّيلٌ سَجْنٌ سے جس کے معنی حبس اور تضییق (یعنی روکنے قید کرنے اور تنگ کرنے) کے ہیں اسی طرح اسم قرار دیا گیا ہے جس طرح کہ فسق سے فِسِّيقٌ بولا جاتا ہے ابو عبیدہ، مبرد، اور زجاج کا یہی قول ہے، واحدی کا بیان ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور اس امر کی دلیل کہ اہل عرب سجین کو نہیں جانتے آیۃ شریفہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ (اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا سجین ہے یعنی سجین اس میں سے نہیں جسے تم اور تمہاری قوم جانتی ہو (امام رازی کہتے ہیں) اور میں اس کو ضعیف نہیں بتاتا کیونکہ شاید یہ سجین کے معاملہ کی عظمت کے لیے بیان کیا گیا ہو جیسے ارشاد الٰہی وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا) میں ہے۔[1]

شیخ اسماعیل حقی بروسوی لکھتے ہیں:۔

"سجین" اس جامع کتاب کا علم ہے جو شر کا دفتر ہے جس میں شیاطین نیز کافران و فاسقان جن و انس کے اعمال مدون ہیں یہ لفظ حاتم کی طرح صفت سے نقل کر لیا گیا ہے اور منصرف ہے کیونکہ اس میں صرف ایک ہی سبب ہے یعنی معرفہ ہونا اور اس کی اصل فِعِّيل ہے سِجِّينٌ سے ساجنٌ کا مبالغہ ہے[2] یا چونکہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اسے ساتویں زمین کے نیچے تاریک اور وحشتناک مقام پر ڈال دیا گیا ہے، نیز ابلیس اور اس کی ذریت کا ان کی تذلیل اور تحقیر کی بنا پر مسکن ہے اور وہاں راندہ درگاہ شیاطین

[1] تفسیر کبیر مسمی بہ مفاتیح الغیب ج ۸ ص ۳۵۲ طبع مصر۔
[2] یعنی بہت روکنے اور قید کرنے والے کے کیونکہ یہ دوزخیوں کو جہنم میں روکنے اور قید کرنے کا سبب ہے۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پہنچتے رہتے ہیں جس طرح کہ نیکوں کے نوشتوں پر فرشتگانِ مقرب حاضر ہوتے ہیں لہذا سجین مسجون [3] کا مبالغہ ہے [1]

قاضی محمد بن علی شوکانی فرماتے ہیں:۔

"سجین کے نون میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اصلی ہے اور اس کا اشتقاق سِجْنٌ سے ہے جس کے معنی حبس کے ہیں اور یہ مبالغہ کا وزن ہے جیسے خِمِّیرٌ سِکِّیرٌ اور فِسِّیقٌ۔ خمر سکر اور فسق سے ہیں ابو عبیدہ مبرد اور زجاج نے ایسا ہی بیان کیا ہے، واحدی نے کہا ہے کہ یہ کمزور بات ہے کیونکہ عرب سجین سے واقف نہ تھے اور اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان ائمہ کا بیان کرنا خود دلیل قائم کرنا اور یہ بتلانا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور اسی میں سے ابن مقبل کا شعر ہے ۔

ورفقة یضربون البیض ضاحیة
ضربا تواصت به الابطال سجینا

اور بعض کا قول ہے کہ نون لام کے بدلہ میں ہے اصل میں سجیل تھا جو سِجِلٌ سے مشتق ہے جس کے معنی نوشتہ کے ہیں [2]" ۳ب/۸

فصل الحاء المھملة

سَحَابٌ: بادل "سحاب" ابر کو کہتے ہیں خواہ اس میں پانی ہو یا نہ ہو اور کبھی لفظ سحاب ذکر کر کے بطور تشبیہ اس سے سایہ اور اندھیرا بھی مراد لیا جاتا ہے ارشاد ہے: اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ [4] (یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل (یعنی اندھیرا بادل، اندھیرے میں ایک پر ایک) اصل میں سَحْبٌ کے معنی کھینچنے کے ہیں اسی سے سحاب ہے کیونکہ ہوا اس کو کھینچ کرلے چلتی ہے یا اس لیے کہ یہ پانی کو کھینچ کر لاتا ہے یا اس بنا پر کہ یہ خود اپنی روانی میں کھنچا چلا آتا ہے، اصمعی نے جو لغت و عربیت کے امام ہیں کتاب اسماء السحاب میں لکھا ہے کہ

"سحاب اسم جنس جمعی ہے اس کا واحد سحابۃ

---

[1] تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۶۶ طبع اسٹنبول [3] بمعنی محبوس و مقید کے کیونکہ ساتویں زمین میں مقید پڑا ہوا ہے۔ [2] تفسیر فتح القدیر ج ۵ ص ۳۸۸ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہے یہ مذکر بھی آتا ہے اور مؤنث بھی، مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع بھی"[۱]

فرید وجدی لکھتے ہیں :۔

"لفظ کی رعایت سے اس کی صفت مفرد آتی ہے جیسے ارشادِ الٰہی وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اور بادل جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان اور زمین کے) اور معنی کی رعایت سے جمع بھی لائی جاتی ہے جیسے وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (اور اٹھاتا ہے بادل بھاری)"[۲]

اسی طرح تذکیر کی مثال آیتِ مذکورہ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ اور تانیث کی حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا ہے، تانیث جمع ہونے ہی کی وجہ سے ہے، اس کی جمع سُحُبٌ آتی ہے۔ لسان العرب میں ہے، مناسب یہ ہے کہ سُحُبٌ سَحَابٌ کی جمع ہو جو سَحَابَةٌ کی جمع ہے پس سُحُبٌ جمع الجمع ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامۂ مبارک کا نام سحاب تھا، جو ہوا میں (شملہ کے) اُڑنے کے سبب بادل سے تشبیہ کی بنا پر اس نام سے موسوم ہوا۔[۳] ۲/۴ ، ۱۳/۸ ، ۲۰/۲ ، ۲۲/۱۴ ، ۲۱/۸ ، ۸/۴ سَحَابًا ۲۷/۴

سَحَّارٍ: بڑا جادوگر، سِحْرٌ سے بروزن فَعَّالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے ۱۹/۴

سُحْتٍ: حرام، اصل میں وہ چھلکا جسے جڑ سے اُکھیڑ لیا جائے "سحت" ہے اور اسی سے سُحْت کا استعمال اس ممنوع فعل کے لیے ہوتا ہے کہ جس کے مرتکب کو عار دامن گیر ہو، گویا وہ اپنے دین و مروت کی جڑ کاٹتا ہے۔ مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں :۔

گفتگو میں یہ کبھی مکروہ کے لیے آتا ہے اور کبھی حرام کے لیے اور قرائن سے اس کا پتہ چلتا ہے"[۴]

ارشادِ الٰہی ہے أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ (بڑے حرام کے کھانے والے ہیں) میں سُحت بمعنی حرام ہے یعنی وہ چیز جو ان کے دین کا ناس کرنے والی ہے اور حدیث کسب الحجام سحت (پچھنے لگانے والے کی کمائی سحت ہے) یعنی سحت بمعنی مکروہ ہے یعنی یہ کمائی مروت کو ختم کرنے والی ہے دین کو نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اونٹنی کے چارہ اور

---

۱ تاج العروس شرح قاموس
۲ دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ سحب
۳، ۴ تاج العروس شرح قاموس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

غلاموں کو کھانا کھلانے میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے [1] پ ۶ / ۱۰ و ۱۳

سِحْرٌ: جادو، جادو کرنا، سَحَرَ یَسْحَرُ کا مصدر ہے۔ یہ مصادرِ شاذہ میں ہے [2]۔ علامہ ابن خالویہ لغوی نے کتاب لیس میں تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فَعَلَ یَفْعَلُ فِعْلًا کے وزن پر سوائے سَحَرَ یَسْحَرُ سِحْرًا اور کوئی مصدر نہیں ہے [3]۔ لیکن علامہ ابو حیان نے البحر المحیط میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ "بجز سِحْرٌ اور فِعْلٌ کے اور کوئی مصدر بروزن فِعْلٌ فَعَلَ یَفْعَلُ کا نہیں پایا جاتا" [4] شیخ سمین نے بھی یہی کہا ہے [5]

امام ابو بکر جصاص رازی احکام القرآن میں رقمطراز ہیں "اہل لغت ذکر کرتے ہیں کہ سحر کی اصل لغت میں اس شئے کے لیے ہے جو لطیف ہو اور جس کا سبب مخفی ہو اور سَحَر ان کے نزدیک بالفتح بمعنی غذا ہے کیونکہ وہ مخفی ہوتی ہے اور اس کے مجاری لطیف ہوتے ہیں لبید کہتے ہیں (رضی اللہ عنہ)

ارانا موضعین لامر غیب
ونسحر بالطعام وبالشراب

یہاں نسحر میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ہم سحر زدہ کی طرح مشغول و فریفتہ تھے دوسرے یہ کہ ہم غذا حاصل کر رہے تھے اور جو وجہ بھی ہو اس کے معنی خفاء کے ہوتے ہیں ایک اور شاعر کہتا ہے

فان تسئلینا فیم نحن فاننا
عصافیر من ھذا الانام المسحر

اس بیت کے معنی میں بھی وہی احتمال ہیں جو اول میں ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ مُسَحَّر سے ذو سحر (پھیپھڑے والا) مراد لیا ہو، سحر پھیپھڑے کو اور جو حلق سے لگا ہو اُسے کہتے ہیں اسی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین سَحَرِی ونحری (رسول اللہ علیہ وسلم نے میرے پھیپھڑے اور سینے کے بالائی حصہ کے مابین وفات پائی) اور ارشاد الٰہی ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (یعنی تم اس مخلوق سے ہو جو کھاتی پیتی ہے اور اسی کو آیت شریفہ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم) بتلاتی ہے جس طرح کہ فرمایا ہے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ

---

[1] ملاحظہ ہو مفردات امام راغب [2] روح المعانی ج ۱ ص ۳۰۵ [3] تاج العروس شرح قاموس
[4] البحر المحیط ج ۱ ص ۳۱۹ [5] الفتوحات الالٰہیہ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیہ مشہور بہ حاشیہ جمل علی الجلالین

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں) نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہماری طرح ذو سحر (پھیپھڑے والا) ہے اور اس قسم کے مقامات پر لفظ سحر کا ذکر ان اجسام کے ضعف ولطافت اور رقت کے سبب کیا جاتا ہے نیز بایں ہمہ اسی کے ذریعہ انسان کا قوام ہے، لہذا جس کی یہ صفت ہو وہ ضعیف ومحتاج ہے، یہ ہیں وہ معنی جو لغت میں سحر کے آتے ہیں پھر یہ اسم منقول ہو کر ہر اس امر کے لیے استعمال ہونے لگا جس کا سبب مخفی ہو اور اپنی حقیقت کے خلاف اس کا تخیل ہونے لگے نیز ملمع اور دھوکہ بازی کے قائم مقام ہو اور جب بھی یہ لفظ مطلق بلا کسی قید کے استعمال ہوگا اپنے فاعل کی مذمت کو بتائیگا ہاں قید کے ساتھ قابل مدح وستائش کے بارے میں بھی استعمال ہوا ہے، مروی ہے ان من البیان لسحرا (بعضا بیان تو جادو ہے)“ [۱]

امام راغب فرماتے ہیں :-

”سحر طرف حلقوم اور پھیپھڑے کو کہتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اسی سے سحر کا اشتقاق کیا گیا ہے، اور وہ سحر یعنی گلے اور پھیپھڑے کو نشانہ بناتا ہے، سحر مختلف معانی کے لیے بولا جاتا ہے

(۱) دھوکہ دینا اور بے حقیقت خیالات کا پیدا کرانا جیسے شعبدہ باز کہ جو کچھ بھی کرتا ہے ہاتھ کی صفائی کی بنا پر نظریں بچا کر کرتا ہے اور جیسے کہ چغلخور ملمع کی باتوں کے ذریعہ جو (دوسری طرف سے) کانوں کو بند کردیتی ہیں کیا کرتا ہے ارشاد الٰہی سَحَرُوْا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (انہوں نے باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان کو ڈرایا) اسی کے متعلق ہے، نیز فرمایا ہے یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ (اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے) اور اسی نظر سے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر (جادوگر) سے موسوم کیا، وَقَالُوْا یٰاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (اور کہنے لگے اے جادوگر پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو)

(۲) شیطان سے کسی طرح کے تقرب کے ذریعہ اس کی معاونت کا حاصل کرنا، جیسے کہ ارشاد ہے هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ میں بتلاؤں تم

۱؎ احکام القرآن ج ۱ ص ۴۸ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کو کس پر اُترتے ہیں شیطان، ہر جھوٹے گنہگار پر
اور اسی کے متعلق فرمایا ہے وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ
کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (لیکن شیطانوں
نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو)

(۳) جس کی طرف آن سمجھ (جو بات تک کرنا
نہیں جانتے) جاتے ہیں کہ وہ ایک ایسے فعل کا
نام ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ اس
کی قوت سے صورتوں اور طبیعتوں کو بدلا اور
انسان کو گدھا بنایا جاتا ہے، حالانکہ اہل علم
کے نزدیک اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اور کبھی سحر سے اس کی خوبی کا تصور ہوتا ہے
چنانچہ کہا گیا ہے ان من البیان لسحرا اور
کبھی کام کی باریکی کا چنانچہ اطبا طبیعت کو
ساحرۃ کہتے اور غذا کو سحر سے موسوم کرتے
ہیں کیونکہ اس کا فعل دقیق اور اس کی تاثیر
لطیف ہوتی ہے

حافظ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:۔

"سحر کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں
مختلف اقوال ہیں۔

اول یہ کہ وہ اعیان (حقائق) کا قلب و اختراع
اور لوگوں کی صورتوں کا بدل ڈالنا ہے جو کہ
معجزات و کرامات کے مشابہ ہے جیسے کہ ہوا میں
اُڑنا اور ایک رات میں مسافتوں کا قطع کر ڈالنا

دوم یہ کہ دھوکہ بازیاں، بازی گریاں ملمع سازیاں
اور شعبدہ بازیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں
یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی (اس کے
خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑ رہی
ہیں) اسی کو بتلا رہا ہے اور حدیث میں ہے کہ
لبید بن الاعصم نے جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر سحر کیا تھا تو آپ کے خیال میں یوں
آتا تھا کہ آپ کسی چیز کو انجام دے رہے ہیں حالانکہ آپ
اس کو انجام دیتے نہ تھے اور یہ معتزلہ کا قول ہے جن کی
رائے میں سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شافعیہ میں
ابو اسحٰق استرابادی بھی انہی کے موافق ہیں۔

سوم یہ کہ وہ حیلہ کے طور پر ایسا معاملہ ہے
جو نظر بندی کر دیتا ہے اسی سے ہے سَحَرُوْٓا
اَعْیُنَ النَّاسِ (انہوں نے باندھ دیا لوگوں کی
آنکھوں کو) حیلہ گروں اور ایک چیز کو دوسری
چیز کے ساتھ ملا دینے والوں اور شعبدہ بازوں
میں اس طرح کی چیزیں ہوتی ہیں جن میں سے بہت
سی باتیں کتاب کشف الدک والشعوذہ و ایضاح
الشک، اور کتاب ارخاء الستور والکلل فی الشعوذہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

وانجیل میں مذکور ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جب
مکہ میں چاند کے ۲ ٹکڑے ہو گئے تو ابوجہل (علیہ
اللعن) کہنے لگا ذرا اتنا صبر کرو کہ بادیہ نشین لوگ
آلیں اگر وہ اس کی خبر نہ دیں تو محمد نے (صلوات
علیہ وسلامہ) ہماری آنکھوں پر سحر کیا ہے (یعنی
ہماری نظربندی کر دی ہے) جب اُنہوں نے
بھی اس کی خبر دی تو بولا کہ یہ تو بڑا جادو ہے،

چہارم یہ کہ وہ خدمت جن کی ایک قسم ہے اور
انہوں نے ہی اسے اپنے اجسام کی جنسِ لطیف
اور اس کی ہیئتوں سے نکالا ہے، چنانچہ وہ لطیف
دقیق اور مخفی ہی ہے۔

پنجم یہ کہ وہ ان اجسام سے مرکب ہے، جن کو
جمع کرکے جلایا جاتا اور ان کی راکھ اور سیاہیاں
بناکر ان پر اسماء اور عزیمتیں پڑھی جاتی ہیں
اور پھر جہاں سحر کی ضرورت پڑتی ہے وہاں
انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔

ششم یہ کہ اس کی اصل طلسمات اور
قلفطریات ہیں جو ستاروں کی خاصیتوں کی
تاثیر پر بنائے جاتے ہیں جیسے کہ فرعونی
لاٹھیوں کے پارہ میں دھوپ کی تاثیر تھی،
یا جو چیز مشکل ہو اس کی سہولت کے لیے
شیطانوں سے خدمت لینا۔

ہفتم یہ کہ وہ ان کلمات سے مرکب ہے
جو کفر پر مشتمل ہیں۔

ہمارے ایک معاصر کا بیان ہے کہ یہ سب
اقوال جو سحر کی حقیقت کے متعلق لوگوں نے
بیان کیے ہیں سحر کے اقسام میں سے بعض
قسمیں ہیں، اس نے ان کے ساتھ دوسرے
انواع شعبدہ، دک (ایک چیز کو دوسری چیز
سے ملا دینا) نیز نیرنجات، اوفاق، عزائم اور
رومالوں کا ڈالنا، اور اختلالِ حواس کی قسموں
کو بھی شامل کیا ہے (یہاں تک معاصر کا بیان
ختم ہوا)

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سحر موجود تھا،
کیونکہ قرآن اور حدیث صحیح اس پر ناطق ہیں
لیکن اب ہمارے زمانہ میں تمام وہ باتیں جن
پر ہم نے کتابوں کے ذریعہ واقفیت حاصل
کی ہے کذب و افتراء ہیں جن سے کچھ نہیں بنتا،
اور قطعی کوئی شئے اس میں سے صحیح نہیں اور
یہی حال عزیمتوں اور رومال ڈالنے کا ہے، پر
وہ لوگ جن کے متعلق یہ اعتقاد کیا جاتا ہے
کہ وہ عقلمند ہیں ان باتوں کی تصدیق کرتے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور ان پر کان دھرتے ہیں حالانکہ میں نے بعض ان لوگوں کو کہ جو اپنے کو عالم بتلاتے ہیں یہ دیکھا ہے کہ جب مفلس ہوئے چند کتابیں بنائیں اور اپنے دماغ سے کچھ باتیں ان میں ذکر کر کے بازار میں اچھے داموں انہیں فروخت کر ڈالا۔

اور بعض علماء نے سحر کے اسم کا اطلاق لوگوں کے درمیان چغل خوری کے ذریعہ ادھر کی باتیں اُدھر لگانے پر بھی کیا ہے کیونکہ اس میں بھی دوست کو دشمن سے اور محبوب کو مبغوض سے بدل دیتا ہے۔[۱]"

سحر کی حقیقت پر امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن میں اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب رح نے تفسیر فتح العزیز میں اور شیخ طنطاوی جوہری نے تفسیر الجواہر میں بڑی سیر حاصل بحثیں لکھی ہیں تفصیل کے لیے ان کا مطالعہ کافی ہے۔

ب ۱/۱۲، ب ۷/۵،۷، ب ۹/۴، ب ۱۱/۱۳، ب ۱۲/۱، ب ۱۶/۱۲، ب ۱۷/۱، ب ۱۹/۷،۱۶، ب ۲۰/۷

ب ۲۲/۱۱، ب ۲۳/۵، ب ۲۵/۹، ب ۲۶/۱، ب ۲۷/۳،۸، ب ۲۸/۹، ۲۹/۱۵

سَحَر: پچھلی رات، سحر کا وقت، "سحر" کے معنی اصل میں پھیپھڑے کے ہیں۔ مجازاً اس کا استعمال صبح سے کچھ پہلے رات کے اس آخری حصہ کے لیے ہوتا ہے جب کہ پچھلی رات کی سیاہی دن کی روشنی سے مل جاتی ہے۔ علامہ زمخشری کا بیان ہے۔

"" سحر" اس کا نام بطور استعارہ پڑا کیونکہ وہ رات کے جانے اور دن کے آنے کا وقت ہے اس لیے وہ صبح کے سانس لینے کا مقام ہے[۲]"

اَسْحَار: جمع (ملاحظہ ہو اَسْحَار، ب ۲۷/۹)

سِحْرَانِ: دو جادو، سِحْرٌ کا تثنیہ بحالت رفع، ب ۲۰/۸

سِحْرُكَ: تیرا جادو، سِحْرِ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ب ۱۶/۱۲

سَحَرُوْا: انہوں نے جادو کیا، انہوں نے نظربندی کی (فتح) سَحْرٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ب ۱۹/۴

سَحَرَةٌ: جادوگر، سَاحِرٌ کی جمع ب ۹/۴، ب ۱۱/۱۴، ب ۱۶/۱۲، ب ۱۹/۷

سِحْرُهٗ: اس کا جادو، سِحْرٌ مضاف ہ ضمیر

۱۔ البحر المحیط ج ۱ ص ۳۲۷، ۳۲۵ طبع مصر ۲۔ تاج العروس فصل السین باب الراء

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

واحد مذکر غائب مضاف الیہ ہے ۱۹

سِحْرِهِمَا: ان دونوں کا جادو، سِحر مضاف ھُمَا تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ ۱۶/۱۲

سِحْرِهِمْ: ان کا جادو۔ سِحرِ مضاف ھِم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ۱۶/۱۲

سُحْقًا: دفع ہونا، دور کرنا، مصدر ہے اور اس کا فعل ثلاثی ہے۔ سَمِعَ و کَرُمَ دونوں سے آتا ہے ۱ یعنی سَحِقَ یَسْحَقُ بھی اور سَحُقَ یَسْحُقُ بھی۔ زجاج نے اس کو باب افعال کا مصدر بتایا ہے۔ یعنی اَسْحَقَ سُحْقًا۔ ابو علی فارسی کا بیان ہے کہ قیاس سَحَاقًا ہے، مصدر بحذف زوائد آیا ہے جیسے کہ کہا گیا ہے

ع: وان اھلک فذلک کان قدری (اگر میں ہلاک ہوا تو یہی میری تقدیر میں تھا) کہ یہاں قدری بمعنی تقدیری کے ہے۔ ابوحیان لکھتے ہیں کہ

"مصدر میں ادعاء حذف کی احتیاج نہیں کیونکہ اس کا فعل ثلاثی آیا ہے" ۲ ۱۹/۱

سَحِيقٍ: دور، البعید سُحق سے بروزن فَعِیل بمعنی فاعل ہے۔ ۱۷/۱۱

فصل الخاء المعجمہ

سَخِرَ: اس نے ٹھٹھا کیا (سَمِعَ) سُخرٌ سے جس کے معنی ٹھٹھا کرنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب آیتِ شریفہ سَخِرَ اللّٰہُ مِنْهُمْ (اللہ نے ان کو ٹھٹھا کرنے کی سزا دی) میں سُخرٌ کا استعمال حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے بسبب مشاکلت ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"یہ ان کی بد اطواری اور اہل ایمان سے استہزاء کے مقابلہ کے طور پر ہے کیونکہ جیسا کام ویسا ہی بدلہ ۳"

امام رازی نے اصم سے اس کے معنی کی تشریح نقل کی ہے:

"مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین نے جو نیکی کے کام بظاہر انجام دیے تھے انہیں قبول تو رکھا مگر ان پر انہیں ثواب نہیں عطا فرمائیگا تو یہ "سخریہ" (ٹھٹھے) ہی کی طرح ہوا" ۴ ۱/۱۶

سَخَّرَ: اس نے کام میں لگا دیا، اس نے بس میں کر دیا، تَسْخِیرٌ سے جس کے معنی بس میں کر لے اور زبردستی کسی خاص کام میں لگا دینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ ۱۳/۱۲و۷ ۱۴/۸ ۱۷/۱۶

۲۱/۱۲و۲ ۲۲/۱۴ ۲۳/۱۵ ۲۵/۱۸و۷

۱ قاموس ۲ البحر المحیط ج ۸ ص ۳۰۰ ۳ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۶ طبع مصر ۱۳۶۵ھ

۴ تفسیر کبیر ج ۳ ص ... ملاحظہ ہو۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَخَّرْنَا: ہم نے تابع کر دیا، ہم نے بس میں کر دیا تَسْخِیْر سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم پ۱۷/۶ ۲۳/۱۱و۱۲

سَخَّرْنٰهَا: ہم نے اس کو بس میں کر دیا، اس میں هَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے، پ۱۷/۱۲

سَخِرُوْا: اُنہوں نے ہنسی کی، انہوں نے ٹھٹھا کیا، سُخْر سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے پ۱۲/۴ پ۱۷/۳

سَخَّرَهَا: اس نے اس کو مقرر کر دیا، اس نے اس کو کام میں لگا دیا، اس میں هَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے (ملاحظہ ہو سَخَّرَ) پ۱۷/۱۲ ۲۹/۵

سِخْرِيًّا: ٹھٹھا، ہنسی، دل لگی، اسم ہے۔ واضح رہے کہ یہ سُخْر سے جس کے معنی ٹھٹھا کرنے کے ہیں اسم بھی ہو سکتا ہے، اور سَخَرَ یَسْخَرُ کا مصدر بھی جس کے معنی مسخر ہونے اور بس میں آنے کے ہیں، اور علامہ زمخشری تفسیر سورۂ "مومنوں" میں رقمطراز ہیں:-

"سُخْرِیٌّ پیش کے ساتھ اور زیر کے ساتھ بھی سِخْرِیّ کا مصدر ہے سُخْر کی طرح سے، مگر یاء نسبت کی بناء پر فعل کی قوت میں زیادتی ہو جاتی ہے جس طرح کہ خصوص میں خصوصیۃ کہا گیا ہے، اور کسائی وفراء سے منقول ہے کہ مکسور تو ٹھٹھے سے ہے اور مضموم مسخر کرنے اور غلام بنانے سے یعنی اُنہوں نے اُن کو مسخر رکھا اور غلام سمجھا، اور پہلا مذہب خلیل اور سیبویہ کا ہے"[1]

علامہ محمود آلوسی، روح المعانی میں فرماتے ہیں:-

"نافع، حمزہ اور کسائی نے سُخْرِيًّا بضم سین پڑھا ہے اور باقی سبعہ نے بکسر سین، اور معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں یعنی ٹھٹھا کرنا، یہ خلیل، ابو زید انصاری، اور سیبویہ کے نزدیک ہے اور ابو عبیدہ، کسائی اور فراء نے مضموم السین کو بمعنی بے اُجرت خدمت لینے کے اور مکسور السین کو بمعنی استہزاء کے بیان کیا ہے، اور یونس نے کہا ہے کہ جب خدمت لینا مراد ہو تو سین پر ضمہ (پیش) کے سوا اور کچھ نہ آئیگا، اور جب ہنسی ٹھٹھا کرنا مراد ہو تو ضمہ بھی روا ہے اور کسرہ (زیر) بھی اور دونوں حالتوں میں یہ مصدر ہے جس میں یاء نسبت مبالغہ کے لیے بڑھا دی گئی ہے جیسے کہ احمری میں"[2]

ابو علی فارسی کہتے ہیں:-

"کہ قرأت کسر سین کی زیادہ مناسب ہے، کیونکہ وہ بمعنی استہزاء ہے اور کسرہ اس میں اکثر ہے اور

---

[1] تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ج ۳ ص ۵۷ طبع مصر [2] روح المعانی ج ۱۸ ص ۶۲ طبع منیریہ مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

یہی آیت کے زیادہ لائق ہے دیکھئے "نہیں رشاد

وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ (اور تم ان سے ہنستے

تھے)"[۱]
پ۱۸/۶ پ۲۳/۱۳

سُخْرِيًّا: خدمتگار، تابعدار، علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں :-

سُخْرِيًّا جیسا کہ آپ نے ساخرۃ کی طرف نسبت ہے جس کے معنی بس میں کرنے اور کام میں لگانے کے ہیں، راغب کہتے ہیں کہ سخری وہ ہے کہ جس پر زبردستی کی جائے اور وہ اپنے ارادہ سے مسخر ہو جائے اور بعض نے خیال کیا ہے کہ یہ یہاں سُخْرٌ سے ہے بمعنی استہزاء کے یعنی تاکہ تونگر نقیر پر ٹھٹھا کرے اور ابو حیان نے اس کو بعید بتایا ہے اور سمین نے کہا ہے کہ یہ موقع کے مناسب نہیں"[۱]
پ۲۵/۹

سَخَطِ: غصہ، وہ سخت غصہ جو عقوبت کا مقتضی ہو "سَخَطٌ" ہے پ۸/۶

سَخِطَ: وہ غصہ ہوا (سَمِعَ) سَخَطٌ سے جس کے معنی غصہ ہونے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب
پ۶/۱۵

فصل الدال المهملة

سَدًّا: آڑ، حائل، دیوار، دو چیزوں کے درمیان آڑ اور حائل کو سَدٌّ کہا جاتا ہے اصل میں یہ سَدَّ يَسُدُّ کا مصدر ہے جس کے معنی رخنہ کو استوار کرنے اور خلل کو بند کرنے کے ہیں۔ دیوار، پہاڑ اور بند میں چونکہ یہ صفت موجود ہے اس لیے ان کے لیے بھی سَدّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے "سد ذوالقرنین" کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی جو تحقیق ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے، فرماتے ہیں :-

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے، یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے، اس مقام پر قدیم زمانہ سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا، دوسری طرف پہاڑ کا وہ تمام حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلواں ہونے کی وجہ سے

۱۔ البحر المحیط ج ۶۔ ص ۳۰۴ طبع مصر ۱۳۲۸ھ

۲۔ روح المعانی ج ۲۵ ص ۷۲۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

قابل عبور ہو سکتا تھا، ساحل کی طرف یہ دیوار دوہری ہے یعنی اگر آذر بائیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے اس میں پہلے ایک دروازہ تھا، دروازے سے جب گزرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا اب یہ صورت باقی نہیں رہی، دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دار ملتی ہے لیکن یہ دوہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے دونوں دیواریں جہاں جاکر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں دربند آباد ہے۔ اس دوہری دیوار کو ایرانی قدیم سے "دوباد" کہتے آئے ہیں یعنی دوہرا سلسلہ۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل ولاڈی کیوکز (یونانی کاکیشیا، ارمی

کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے) اور ٹفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے انتہائی بلند حصوں سے ہو کر گزرا ہے اور دور تک بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے "آہنی دروازہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام "بھاک کورائی" اور "کاپان کورائی" چلا آتا ہے، دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ "کور کا درہ" سوال یہ ہے کہ کور سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ گورش کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس (ذوالقرنین) کا اصلی نام تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ استخر میں پڑھا جا چکا ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے، ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوار یا دونوں؟

قرآن میں ہے کہ، ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا، اس نے برابر کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا، اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا، تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پر صادق نہیں آتیں، یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں
کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان
نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک
چلی گئی ہے اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے
تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا، پس یہ قطعی ہے
کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں
ہو سکتا۔

البتہ درہ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن
کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں
کے درمیان ہے، اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے
درمیان کی راہ بالکل مسدود کردی ہے چونکہ
اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا
اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں "آہنی دروازہ"
کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے اسی کا ترجمہ ترکی
میں "دامر کپو" مشہور ہو گیا، بہر حال ذوالقرنین
کی اصلی سد یہی سد ہے"[۱]

(ملاحظہ ہو ذوالقرنین) پ ۱۶/۲ پ ۲۲/۱۸

سِدْرٌ: بیری کا درخت، راغب لکھتے ہیں:-
"سدر ایسا درخت ہے جو کھانے میں ناکافی ہوتا
ہے، اسی لیے ارشاد ہوتا ہے وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ
سِدْرٍ قَلِیْلٍ (اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے)
اور چونکہ اس کے کانٹے جھاڑ کر اس کے ذریعہ
سایہ حاصل کیا جاتا ہے اس لیے یہ ارشاد الٰہی
فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (بیری کے درختوں میں جن
میں کانٹا نہیں ہے) میں یہ جنت کے سایہ اور
اس کی مثال قرار دیا گیا کہ سایہ حاصل کرنے کے
لیے بہت کافی ہوتا ہے۔ پ ۲۲/۸ پ ۲۷/۱۴

سِدْرَۃٌ: بیری کا درخت، واحد ہے سِدْرٌ کی
جمع پ ۲۷/۵

سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی: سدرۃ المنتہیٰ، پرے
حد کی بیری، "سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے، انسانی فہم و
ادراک کی آخری سرحد پر ایک درخت، اکابر تابعین سے
یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی
ہے[۲] یہی وہ مقام ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کو فیوض ربانی اور نعمائے صمدانی سے مخصوص فرمایا
گیا تھا۔ پ ۲۷/۵

سُدُسٌ: چھٹا حصہ، اسم عدد ہے، اَسْدَاسٌ جمع،
پ ۴/۱۳

۱ ملاحظہ ہو ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۲۷، ۴۲۸ و ۴۲۹ طبع مدینہ پریس بجنور
۲ سیرۃ النبی ج ۳ ص ۴۳۵ طبع معارف پریس اعظم گڈھ ۱۳۴۶ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سُدًى: بے قید، مہمل کہ نہ کسی بات پر مامور ہو اور نہ کسی چیز سے اسے روکا جائے، اِسْدَاءٌ سے جس کے معنی مہمل چھوڑ دینے کے ہیں اسم ہے، واحد اور جمع دونوں کے لیے مساوی طور پر مستعمل ہے، پ ۲۹/۱۸

سَدِيْدًا: سیدھا، سَدَادٌ سے جس کے معنی درست و راست ہونے کے ہیں بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ، پ ۴/۱۲ پ ۲۲/۶

سَدَّيْنِ: دو پہاڑ، دو آڑ، سَدٌّ کا تثنیہ بحالتِ نصب و جر (ملاحظہ ہو سَدٌّ) پ ۱۶/۲

فصل الراء المهملة

سِرًّا: چھپی ہوئی بات، بھید، راز، دل میں جو بات چھپی ہو اسے "سر" کہتے ہیں، اِسْرَارٌ جمع واضح رہے بطور کنایہ اور مجاز کے لفظ سِر کا استعمال جماع، نکاح، نکاح کرنے کا اظہار کرنے نیز زنا کے لیے بھی ہوتا ہے، چنانچہ آیت شریفہ لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا (اُن سے نکاح کا وعدہ نہ کرو چھپ کر) میں سِر کو ابن السید نے نکاح کا کنایہ بتایا ہے اور مجاہد و فراء نے زمانہ عدت میں نکاح کی بات چیت کرنے کے معنی لیے ہیں اور ابو الہیثم، حسن بصری، ابو مجلز، نے زنا سے تفسیر کی ہے"[۱] پ ۲/۱۰ پ ۱۸/۱۶

سِرًّا پ ۲/۱۴ پ ۳/۶ پ ۱۳/۹،۷ پ ۱۴/۱۶ پ ۲۲/۱۶

سَرَّآءِ: نعمت، فراخی، خوشی، اصل میں حالتِ شادمانی کا نام "سراء" ہے۔ پ ۴/۵ پ ۹/۲

سَرَابٍ: چمکتی ہوئی ریت، سراب، شدت گرما میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے میدان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہہ رہا ہے اور مکانات اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے، اسے "سراب" کہتے ہیں چونکہ اکثر اس کے نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے اس لیے سراب دھوکہ اور فریب کے لیے ضرب المثل ہے پ ۱۸/۱۱ **سَرَابًا** پ ۳۰/۱

سَرَابِيْلَ: کرتے، قمیصیں، پیراہن، سِربالٌ کی جمع "سربال" قمیص کو کہتے ہیں، وہ کسی قسم کی بھی ہو۔ پ ۱۴/۱۴

سَرَابِيْلُهُمْ: ان کے کرتے، ان کے پیراہن سَرَابِيْلُ مضاف، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۳/۱۹

سِرَاجًا: چراغ، دیا، مجازاً آفتاب اور ہر روشن چیز کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے سُرُجٌ جمع پ ۱۵/۴ پ ۲۲/۳ پ ۲۹/۹ پ ۳۰/۱

[۱] تاج العروس۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَراحًا: رخصت کرنا، چھوڑنا، تسریحٌ سے جس کے
معنی طلاق دینے کے ہیں، اسم ہے، جیسے تبلیغٌ سے
بلاغٌ ہے، ابوجعفر بیہقی نے تاج المصادر میں لکھا ہے کہ
"اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ سَراحٌ، سَلامٌ
کلامٌ اسماء ہیں بروزن فَعالٌ جو مصدر کے
معنی دیتے ہیں:-
راغب لکھتے ہیں کہ
"ارشادِ الٰہی وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا اور
رخصت کرو بھلی طرح سے" "تسریح ابل" (اونٹوں
کو چرنے کے لیے چھوڑنا) سے مستعار ہے جیسے
کہ طلاقٌ "اطلاق ابل" (اونٹوں کے پاؤں کے بند
کھولنا) سے مستعار ہے"
(ملاحظہ ہو تسریحٌ) ب ۲۱/۲۰ ۲۲/۳

سُرادِقُها: اس کی قناتیں۔ سُرادِقُ مضاف
ھا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ۔ علامہ
ابو السعادات مبارک بن الاثیر جزری نے لکھا ہے
کہ ہر وہ شئے جو کسی شے کا احاطہ کیے ہوئے ہو، خواہ
چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ "سُرادق" ہے[1]
امام سیوطی الاتقان میں فرماتے ہیں:-
"جوالیقی کا بیان ہے کہ یہ فارسی ہے معرب اصل
میں سرادر تھا بمعنی (در سرا، دہلیز کے) اور دیگر
حضرات یہ کہتے ہیں یہ فارسی کا سراپردہ ہے"[2]
اور علامہ زبیدی نے تاج العروس میں جوالیقی
سے یہ نقل کیا ہے کہ "یہ" "سرادر" یا "سراطاق" کا
معرب ہے لیکن طاق خود معرب ہے
راغب اصفہانی مفردات میں رقمطراز ہیں:
"سُرادق فارسی ہے معرب اور کلامِ عرب میں
کوئی ایسا مفرد اسم نہیں ہے کہ جس کا تیسرا
حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں"
علامہ محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ:-
"اس کے معرب ہونے کے بارے میں تو راغب
نے صحیح کہا کیونکہ عامہ اہل لغت اسی پر ہیں لیکن
یہ جو کہا ہے کہ کلام عرب میں الخ تو علابط، خرامص
جنادف، حلاحل کا آنا اس کی تکذیب کرتا
ہے، حالانکہ سب کے سب سرادق کے وزن
پر ہیں اور ایسے الفاظ بہت۔ باوجود اس کثرت
کے ایسے فاضل سے غفلت ہو جانا بعید ہے۔
اس لیے غور کرنا چاہیے کہ ان کی مراد کیا ہے"[3]
امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن جریر طبری نے
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر [2] الاتقان ج ۱، ص ۱۳۸ طبع مصر ۱۳۴۳ھ [3] روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۳۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کی ہے کہ "سرادق نار" (سراپردہ آتش) کی چار دیواریں ہیں اور ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے بقدر ہے[1]۔ سُرَادِقَاتٌ جمع ہے۔ سیبویہ کا بیان ہے کہ جب اس کو کسرہ نہ دیا گیا تو باوجود مذکر ہونے کے اس کی جمع تا کے ساتھ لائے[2]۔ پ ۱۵/۱۶

سِرَاعًا: دوڑتے ہوئے، جلدی کرتے ہوئے، دوڑنے والے، جلدی کرنے والے، سَرِيْعٌ کی جمع جو کہ سُرْعَةٌ سے، جس کے معنی جلدی کرنے کے ہیں بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ جس طرح کہ کِرَام کریم کی جمع ہے[3]۔ پ ۲۶/۱۷ پ ۲۹/۸

سَرَائِرُ: بھید، راز، پوشیدہ باتیں سَرِيْرَةٌ کی جمع علامہ ابن خالویہ لکھتے ہیں:-

"یاء کو جمع میں ہمزہ کر لیا گیا حالانکہ واحد میں ہمزہ نہ تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع میں یاء سے قبل الف ہی جو ساکن ہے، اب دو ساکن جمع ہوئے تو اُنہوں نے "یاء" کو ہمزہ سے بدل کر التقاء ساکنین کی بناء پر اس کو کسرہ دے دیا اور اسی طرح سے ہی قَبِيْلَةٌ اور قَبَائِلُ اور اگر "یاء" اصلی ہوتی جیسے کہ مَعِيْشَةٌ میں ہے تو جمع میں اُسے ہمزہ نہ کیا جاتا ہے ارشاد ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ[4] پ ۳۰/۱۱

سَرَابًا: فرنگ، اَسْرَابٌ جمع پ ۱۵/۲۱

سَرِّحُوْهُنَّ: تم ان عورتوں کو رخصت کردو، تم ان عورتوں کو چھوڑ دو، سَرِّحُوْا تَسْرِيْحٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر هُنَّ ضمیر جمع مونث غائب۔ (ملاحظہ ہو تَسْرِيْحٌ) پ ۲/۱۳ پ ۲۲/۳

سَرْدِ: کڑیاں جوڑنا، زرہیں بنانا، سَرَدَ يَسْرُدُ کا مصدر ہے، نیز کڑیوں کے لیے بطور اسم بھی مستعمل ہے، پ ۲۲/۱۸

سُرُرٌ: تخت، سَرِيْرٌ کی جمع ہے، راغب لکھتے ہیں:-

"سَرِيْرٌ یعنی جس پر سرور سے بیٹھا جائے کیونکہ یہ ارباب نعمت کے ہی پاس ہوتا ہے اس کی جمع اَسِرَّةٌ اور سُرُرٌ ہے۔

پ ۱۴/۴ پ ۲۳/۶ پ ۲۷/۱۴،۳ پ ۳۰/۱۴ سُرُرًا پ ۲۵/۹

سَرَقَ: اس نے چوری کی، (ضَرَبَ) سَرِقَةٌ سے جس کے معنی چوری کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، راغب لکھتے ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۱ طبع مصر ۱۳۵۶ھ [2] تاج العروس [3] تفسیر کبیر سورہ ق ج ص ۶۲۴
[4] اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم ص ۴۹ طبع دار الکتب المصریہ۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

"سَرِقَتْ" کے معنی ہیں پوشیدہ طور پر اس چیز کا لینا جس چیز کو لینے کا حق نہ ہو، اور شرع میں یہ کسی شے کے مخصوص جگہ سے اور مخصوص مقدار میں لے لینے کے لیے مستعمل ہے"۔ ۱۳/۴

سِرَّكُمْ: تمہارا بھید، تمہارا چھپا، سِرَّ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، (ملاحظہ ہو سِرَّ) پ

سَرْمَدًا: ہمیشہ، دائم، علامہ زمخشری کشاف میں رقمطراز ہیں:-

سرمد کے معنی دائم و متصل کے ہیں، سَرْدٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی متابعت یعنی پے بہ پے اور لگاتار ہونے کے ہیں، اسی سے ماہ ہائے حرام کے بارے میں عرب کا محاورہ ہے ثلاثۃ سرد وواحد فرد (تین یعنی ذی قعدہ، ذی حجہ محرم، پے بہ پے ہیں اور ایک یعنی رجب یکہ ہے) اور میم زائد ہے، اس کا وزن فَعْمَلٌ ہے اور اس کی نظیر دلامص ہے دلاص سے[1]"، اور بعض نحویوں کا مختار یہ ہے کہ میم اس میں اصلی ہے اور اس کا وزن فَعْلَلٌ ہے، کیونکہ درمیان میں میم کی زیادتی قیاس سے نہیں کی جاتی ہے[2]، قاضی شوکانی نے اسی کو ظاہر بتایا ہے[3] ۲۰/۱

سُرُوْرًا: سرور، جو خوشی اندر چھپ رہی ہو اس کا نام "سرور" ہے، یہ سَرَّ یَسُرُّ کا مصدر ہے، علامہ مرتضیٰ زبیدی بعض اہل لغت سے ناقل ہیں کہ "سرور کی حقیقت یہ ہے کہ فقط قلب میں التذاذ (مزہ پانا) و انشراح (کھلنا) حاصل ہوتا ہے بغیر اس کے کہ ظاہر میں اس کا کوئی اثر ہو اور "حبور" وہ ہے جس کا اثر ظاہر میں دکھائی دیتا ہے"[4] ۲۹/۱۹

سِرَّهُمْ: ان کا بھید، ان کا راز، سِرَّ مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ۱۲ ۲۵/۱۳

سَرِيًّا: ایک چشمہ، اَسْرِيَةٌ اور سُرْيَانٌ جمع، جیسے کہ رَغِيْفٌ کی جمع اَرْغِفَةٌ اور رُغْفَانٌ ہیں تاج العروس میں ہے،

"سَرِيٌّ غَنِيٌّ کی طرح سے بمعنی نہر ہے تغلب نے یہی کہا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ بمعنی جدول ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے، اور یہی اہل لغت کا قول ہے چنانچہ انہوں نے

---

۱ تفسیر کشاف ج ۳ ص ۷۷، طبع مصر ۱۳۵۴ھ ۲ روح المعانی ج ۲۰ ص ۹۳ ۳ فتح القدیر ج ۴ ص ۱۷۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ ۴ روح المعانی ج ۱۶ ص ۷۶۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کی تفسیر اس چھوٹی نہر سے کی ہے جو نخلستان
کی طرف رواں ہو"
علامہ آلوسی لکھتے ہیں :۔
"جدول کو سری سے اس لیے موسوم کیا کہ پانی
اس میں سیر کرتا یعنی رواں ہوتا ہے اس معنی کے
اعتبار سے اس کا لام کلمہ یا ہے حسن بصری
ابن زید اور جبائی سے مروی ہے کہ سری سے
عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور یہ سرو سے بمعنی رفعت
ہے جیسا کہ راغب نے کہا ہے، اس صورت
میں آیہ شریفہ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا
کے معنی ہونگے) یعنی تیرے رب نے تیرے نیچے
ایک رفیع الشان بلند مرتبت لڑکا کر دیا اور
صحاح میں اس کے معنی مروت کے ساتھ
سخاوت کے مرقوم ہیں،
پر رفعت مراد لینا قدر کے اعتبار سے زیادہ
اونچا ہے، اور اس معنی کے لحاظ سے لام کلمہ
واو ہے"[1] $\frac{16}{5}$
سَرِيْعٌ: جلد کرنے والا، سُرْعَۃٌ سے جس کے معنی
جلدی کرنے کے ہیں بروزن فَعِيْلٌ بمعنی فاعل صفت
کا صیغہ ہے، قاموس میں ہے:۔

"اللہ عز و جل کے "سریع الحساب" ہونے کے یہ
معنی ہیں کہ اس کا حساب لینا لا محالہ واقع ہو کر
رہیگا یا ایک حساب اس کو دوسرے حساب سے
اور ایک شے اس کو دوسری شے سے ہٹا کر
اپنی طرف مشغول نہیں کر سکتی یا اس کے
افعال جلد ظہور میں آتے ہیں اور جو وہ ارادہ
فرماتے ہیں اس میں کسی بات کی دیر نہیں
لگتی، کیونکہ اس کا ہر فعل بغیر کسی چیز کے ارتکاب
اور کوشش کے واقع ہوتا ہے، پس حق سبحانہٗ
تمام خلق سے ان کے جی اُٹھنے اور جمع ہو جانے
کے بعد ایک لحظہ میں بغیر کسی قسم کے شمار لگانے
اور رکاوٹ کے حساب فرمالیں گے وَهُوَ
اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ اور وہ بہت جلد حساب
لینے والا ہے:
راغب لکھتے ہیں:۔
"فرمانِ الٰہی اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (اور
بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب) اور سَرِيْعُ
الْعِقَابِ (جلد عذاب کرنے والا ہے) پر تنبیہ ہے
اس پر جس کے متعلق ارشاد ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗ
اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ

[1] روح المعانی ج ۱۶ ص ۷۶۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ اسی وقت ہو جائے"

۲/۹ ۳/۱۰ ۴/۱۱ ۶/۵ ۸/۷ ۹/۱۱ ۱۳/۱۲ و ۱۹ ۱۸/۱۱ ۲۴/۷

فصل الطاء المہملۃ

سُطِحَتْ: وہ بچھائی گئی، (فتح) سَطْحٌ جس کے معنی بچھانے کے ہیں، ماضی مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب، ۳۰/۱۳

فصل العین المہملۃ

سَعَتِہٖ: اس کی وسعت، اس کی گنجائش، سَعَتِ مضاف، ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ (ملاحظہ ہو سَعَۃٍ) ۵/۱۶ ۲۸/۱۷

سُعِدُوْا: وہ نیک بخت بنائے گئے، (فتح) سَعْدٌ سے جس کے معنی نیک بخت کرنے کے ہیں، ماضی مجہول کا صیغہ مذکر غائب، علامہ ابو جعفر بیہقی تاج المصادر میں لکھتے ہیں:-

"سَعْدٌ اور سُعُوْدٌ کے معنی مبارک ہونے کے ہیں، کہا جاتا ہے، سَعَدَ یَوْمُنَا ہمارا دن مبارک ہوا) نیز سَعْدٌ کے معنی ہیں نیک بخت کرنے کے اور اس معنی میں اہل لغت نے اختلاف کیا ہے، زجاج، ازہری اور فارابی نے تو اس کو جائز رکھا ہے اور ارشاد الٰہی وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا (اور لیکن جو لوگ نیک بخت کیے گئے) سے جو بضم سین ہے استدلال کیا ہے اور سیبویہ نیز محققین اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے ان کا بیان ہے کہ (اس معنی میں) عرب کا محاورہ اَسْعَدَہُ اللّٰہُ ہے اور یہ روا نہیں کہ سُعِدُ اَسْعَادَۃٌ سے (بمعنی نیک بخت ہونا) ہو کیونکہ سَعَادَۃٌ شَقَاوَۃٌ کی طرح سے لازم ہے اور اس قرأت کے بارے میں سیبویہ نے کہا ہے کہ یہ لغت قیاس سے خارج ہے یا باب فعل اور فعلتہ سے ہوگی (یعنی لازم بھی اور متعدی بھی) جیسے کہ غَاضَ (وہ گھٹ گیا) اور غِضْتُہٗ (میں نے اس کو گھٹا دیا) ہے اور اسی طرح سے سَعَدَ (وہ نیک بخت ہوا) اور سَعَدْتُہٗ (میں نے اس کو نیک بخت کیا) ہیں۔ اور مَسْعُوْدٌ میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں، کیونکہ جائز ہے یہ مثل اَجَنَّہُ اللّٰہُ فَھُوَ مَجْنُوْنٌ کے ہو یعنی باب اَسْعَادٌ سے مستعمل ہو" ۱۲/۹

سُعُرٍ: سودا، جنون، بے عقلی علامہ سمین لکھتے ہیں:

"سُعُرٍ مفرد بھی ہو سکتا ہے بمعنی جنون کے کہا جاتا
ہے ناقۃٌ مسعورۃٌ یعنی اپنی رفتار میں دیوانی
سی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سَعِیرٌ کی جمع ہو
جس کے معنی نار یعنی آگ کے ہیں اور دونوں
احتمال منقول ہیں" لہ

اصل میں سَعْرٌ کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں جب
انسان کے دماغ میں گرمی بھڑک اٹھتی ہے تو وہ پاگل
ہو جاتا ہے سُعُرٌ کا استعمال سودا اور جنون کے معنی
میں اسی اعتبار سے ہے۔ ۲۷/۱۰۰۹

سُعِّرَتْ : وہ دہکائی گئی، وہ بھڑکائی گئی تَسْعِیْرٌ
سے جس کے معنی سخت آگ دہکانے کے ہیں، ماضی مجہول
کا صیغہ واحد مونث غائب، نبأ

سَعَوْا : وہ لپکے، انہوں نے کوشش کی، سَعْیٌ
سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب (ملاحظہ ہو سَعٰی)۔
۱۷/۱۴ ، ۲۲/۷

سَعَۃٌ : کشائش، فراخی، وسعت، طاقت پہنچ
یہ وَسِعَ یَسَعُ کا مصدر ہے جس کے معنی فراخ ہونے
کے ہیں، اس کی تا واو کے بدلہ میں ہے عِدَۃٌ اور
زِنَۃٌ کی طرح اول سے واو کو حذف کر کے آخر
میں اس کے عوض تا لے آئے ہیں، راغب لکھتے ہیں

"سَعَۃٌ کا استعمال امکنہ (مقامات) کے لیے بھی
ہوتا ہے اور حالت کے لیے بھی اور فعل کے لیے
بھی، جیسے کہ قُدْرَۃٌ اور جُوْدٌ وغیرہ الفاظ ہیں،
چنانچہ مکان کے بارے میں جیسے ارشاد ہے
اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ (میری زمین کشادہ ہے)
اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً (کیا نہ تھی زمین
اللہ کی کشادہ) اور حالت کے بارے میں فرمانِ
الٰہی ہے لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَۃٍ مِّنْ سَعَتِہٖ (چاہیے
خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے
موافق) اور ارشاد ہے عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُہٗ
(اور مقدور والے پر اس کے موافق ہے)"

آیت کریمہ وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً
(اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا
اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش) کے
بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ربیع
بن انس اور ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے
وسعتِ رزق مراد ہے اور قتادہ سے روایت
کیا گیا ہے کہ اظہارِ دین کی طاقت مراد ہے
کیونکہ ان کو مشرکین کی جانب سے دین کے

لہ حواشی سلیمان جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۲۴۷ طبع مصر ۱۳۵۲ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

معاملہ میں سخت تنگی لاحق رہتی تھی کہ اظہار دین سے روکتے تھے۔

سَعْيٌ : قصد کرنا، کام کرنا، چلنا دوڑنا، کمانا۔ سَعٰی یَسْعٰی کا مصدر ہے یہ سب معانی قاموس میں منقول ہیں، اور امام راغب، مفردات میں فرماتے ہیں:۔ "سَعْیٌ کے معنی "مشیٔ سریع" (تیز روی لپکنے) کے ہیں، جو "عَدْوٌ" (دوڑنے) سے کم ہے اور کسی معاملہ میں کوشش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے خواہ خیر ہو یا شر اور بیشتر سعی کا استعمال اچھے کاموں کے بارے میں ہوتا ہے"

سَعْيًا

سَعٰی : اس نے کوشش کی، وہ دوڑا، اس نے کمایا، سَعْیٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب،

سَعِيْدٌ : نیک بخت، سَعَادَةٌ جس کے معنی نیک بخت ہونے کے ہیں بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ

سَعِيْرٌ : دہکتی ہوئی آگ، دوزخ سعرٌ سے جس کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے (ملاحظہ ہو جَحِیْم)

سَعِيْرًا

سَعْيُكُمْ : تمہاری کمائی، تمہاری کوشش، سَعْیٌ مضاف کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ

سَعْيَهٗ : اس کی کمائی، اس کی کوشش، سَعْیَ مضاف، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ،

سَعْيَهَا : اس کی کمائی، اس کی دوڑ، سَعْیِ مضاف ھَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ

سَعْيُهُمْ : ان کی دوڑ، ان کی کوشش، سَعْیُ مضاف ھُمْ ضمیر مذکر غائب،

فصل الفاء

سَفَاهَةٌ : بے عقلی، بیوقوفی، جہالت سَفِہَ یَسْفَہُ کا مصدر ہے،

سَفَرٌ : سفر، دور کی مسافت قطع کرنے کا نام "سفر" ہے اَسْفَارٌ جمع، اصل میں سَفْرٌ کے معنی پردہ ہٹانے اور متفرق کرنے کے ہیں۔ سفر کو سفر اسی اعتبار

سلہ احکام القرآن از امام جصاص رازی ج ۱ ص ۳۰۶ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سے کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ دونوں معانی محفوظ ہیں، علامہ ابن سیدہ محکم میں لکھتے ہیں۔

"اس نام سے یہ اس لیے موسوم ہوا کہ جس طرح ہوا سوکھے پتوں کو لاتی اور لیجاتی متفرق کرتی ہے اسی طرح سفر میں بھی آمد و رفت ہوتی ہے" [1]

اور امام ابو منصور ازہری، تہذیب میں رقمطراز ہیں سفر کا نام 'سفر' اس لیے پڑا کہ وہ مسافروں کے رُخ اور ان کے اخلاق کو ظاہر کرتا ہے اور جو بات ان میں چھپی ہوتی ہے اُسے کھول دیتا ہے [1]"

اور اصطلاحِ شرع میں سفر سے خاص قسم کی قطع مسافت مراد ہے جس سے احکامِ شرعیہ متغیر ہو جاتے ہیں [2] ائمہ احناف کے نزدیک "جس سفر سے احکام متغیر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان تین دن رات کی مسافت کا ارادہ کرے۔ مسافت اونٹ کی رفتار سے ہو یا پیادہ روی سے پر چال درمیانی ہو" [3]

اور یہی قول امام سفیان ثوری اور امام حسن بن صالح کا ہے [4]۔ امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی فرماتے ہیں :-

"لغت میں سفر کی کوئی حد معلوم نہیں کہ جس سے فرق ہو سکے کہ کم سے کم سفر یہ ہے اور اس کے علاوہ یہ ہے پس جب لغت کا معاملہ یہ ٹھہرا اور علما اس پر متفق ہیں کہ جو سفر افطار کو مباح کرتا ہے اس کی مقدار شرع میں معلوم ہے۔ ہاں اس مقدار کے بارے میں وہ باہم مختلف ہیں، ہمارے اصحاب (حنفیہ) تین دن اور تین رات کی مسافت بتاتے ہیں اور دوسرے دو دن کی مسافت اور اور لوگ ایک ہی دن کی مسافت اور لغت کا اس بارے میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ اس میں کم سے کم سفر کی کسی وقت کے ساتھ اس طرح تحدید ہے ہی نہیں کہ جس سے کم کرنا جائز نہ ہو کیونکہ وہ ایسا اسم ہے جو عادت سے ماخوذ ہے اور ہر وہ چیز جس کا حکم عادت سے ماخوذ ہو اقل قلیل سے اس کی تحدید ناممکن ہے، نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ سَفَرٌ سَفْرٌ سے

ا؎ تاج العروس ۲؎ سفر سے جو احکام متغیر ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں: نماز کا قصر کرنا روزہ کے افطار کا مباح ہونا، موزوں پر مسح کی مدت کا تین دن تک بڑھ جانا، جمعہ، عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا، بغیر محرم کے آزاد عورت کے نکلنے کا حرام ہونا۔ (ملاحظہ ہو عنایہ شرح ہدایہ از علامہ اکمل الدین بابرتی ج ۱ ص ۳۹۳۔

۳؎ ہدایہ باب صلاۃ المسافر ۴؎ احکام القرآن از جصاص ج ۲ ص ۳۱۲ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مشتق ہے جس کے معنی کھولنے کے ہیں۔ عرب کے اس محاورہ سے ہے سفرت المرأۃ عن وجھہا (عورت نے اپنا چہرہ کھولا) اور اسفر الصبح (صبح روشن ہوئی) اور سفرت الریح السحاب (ہوا نے بادل کھول دیا) اور مِسْفَرَۃٌ جھاڑو کے معنی میں ہے کیونکہ وہ مٹی کو جھاڑ کر زمین کو کھول دیتی ہے اور اسفر وجھہ اس کا چہرہ تاباں (ک) اور روشن ہوا، اور اسی سے ارشادِ الٰہی ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ (کتنے چہرے اس دن روشن ہیں) یعنی تاباں و درخشاں ہیں، پس کسی دور مقام کی طرف جانے کو سَفَر سے موسوم کیا گیا، کیونکہ وہ مسافر کے اخلاق و احوال کو کھولتا ہے۔

اور معلوم ہے کہ جب سفر کے معنی وہ ہوئے جو ہم نے بیان کیے تو یہ تھوڑے سے وقت اور ایک دن اور دو دن میں واضح نہیں ہوتے کیونکہ اکثر اس قسم کی مسافت کا ارتکاب کیا جاتا اور اس میں اس کے اخلاق کی وہ باتیں ظاہر نہیں ہو پاتیں کہ جن کو دور کا سفر کھول کر رکھ دیتا ہے

پھر اگر عادت کا اعتبار کیا جائے تو ہم یہ جانتے ہیں کہ قریب کی مسافت کو سفر نہیں کہا جاتا اور دور کی مسافت کا نام سفر ہے، ہاں اس پر سب متفق ہیں کہ تین دن رات کی مسافتِ سفر صحیح ہے کہ جس کے بارے میں احکام شرع متعلق ہیں۔ پس تین دن رات کی مسافت کا سفر ہونا تو ثابت ہو گیا اور اس سے کم کا سفر ہونا ثابت نہیں کیونکہ سفر کے معنی اس میں معدوم اور توقیف (اس سے واقف کرانا) اور اس کی تحدید پر اتفاق مفقود ہے۔

نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی حدیثیں مروی ہیں جو چاہتی ہیں کہ احکام شرع میں سفر کے ہونے میں تین دن کی مسافت کا اعتبار ہو۔ من جملہ ان کے ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی عورت بغیر اپنے محرم کے تین دن کا سفر کرے۔[1]

٢/٧ ٣/٧ ٥/٤ ٦/٦ ١٥/٢١

سَفَرًا ١١/١٢

سَفَرِنَا: ہمارا سفر، سَفَرِ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ١٥/٢١

سَفَرَۃٍ: لکھنے والے، سَافِرٌ کی جمع ہے جیسے کَتَبَۃٌ

[1] احکام القرآن ج ١ ص ٢٠٣ -

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کَاتِبٌ کی ہے، واضح رہے کہ سَفَرٌ کے معنی لکھنے کے بھی آتے ہیں جو اسی اعتبار سے ہیں کہ لکھنے میں وہ شے کھلتی ہے سَافِرٌ اسی سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ:-

"کَتَبَۃٌ کو سَفَرَۃٌ اور کَاتِبٌ کو سَافِرٌ اس لیے کہا گیا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس شے کو بیان کرنے والا اور واضح کرنے والا ہے"۔[1]

ابن ابی حاتم نے بروایت ابن جریج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نبطی زبان میں اس کے معنی قرا یعنی قرأت کرنے والوں کے ہیں[2]۔ پ ۳۰ / ۵

سَفَرِنَا: ہمارا سفر، سَفَرِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ ۱۵ / ۲۱

سُفْلیٰ: بہت نیچی، سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل کا صیغہ واحد مؤنث۔ عُلْیَا کی نقیض ہے (ملاحظہ ہو اَسْفَلَ) پ ۱۰ / ۱۲

سَفِہَ: وہ بیوقوف ہوا، اس نے احمق بنایا، اس نے ہلاک کیا (سَمِعَ) علامہ محمود آلوسی زیر آیۃ شریفہ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ (مگر جو بیوقوف ہوا اپنے جی سے، یا مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو) تحریر فرماتے ہیں:-

"اور سَفِہَ بالکسر (بروزن سَمِعَ) جیسا کہ مبرد و ثعلب کا بیان ہے متعدی بنفسہٖ ہے، اور نَفْسَہٗ مفعول بہٖ، لیکن سَفُہَ بالضم (بروزن کَرُمَ) سو وہ لازم ہے اور حدیث میں جو آتا ہے کہ الکبر ان تسفہ الحق و تغمط الناس (تکبر یہ ہے کہ تو حق کا استخفاف کرے اور لوگوں کو خوار رکھے) وہ اس کے متعدی ہونے کا شاہد ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ بھی لازم ہے اور مفعول کی طرف اس کا تعدیہ اس بناء پر ہے کہ وہ اس معنی جھل یا اھلک پر مشتمل ہے جس کی طرف تعدیہ ہوتا ہے، یعنی خفتِ عقل اور عدم تفکر کی بناء پر اس نے اپنے آپ کو نادان بنایا" اور یہ زجاج کا قول ہے، یا "اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا" یہ ابو عبیدہ کا قول ہے"[3] پ ۱ / ۱۶

سَفَہًا: نادانی، کم عقلی، بیوقوفی سَفِہَ یَسْفَہُ کا مصدر ہے، واضح رہے کہ سَفَہٌ کا استعمال امور اخروی اور دنیاوی دونوں کے بارے میں ہوتا ہے چنانچہ "سفہ دنیوی" کے متعلق ارشاد ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَہَآءَ اَمْوَالَکُمْ (اور مت پکڑا دو

---

[1] تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۳۳ طبع مصر ۱۳۲۴؁ [2] الاتقان از امام سیوطی ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر [3] روح المعانی ج ۱ ص ۳۴۷

بیعقلوں کو اپنے مال) اور "سفا اخروی" کے متعلق فرمایا ہے وَاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا (اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا) یہ دین کے بارے میں سفاہت و بیوقوفی کا بیان ہے، ۸/۳

سُفَہَاءُ: بے وقوف، کم عقل، بے سمجھ، احمق، سَفِیْہٌ کی جمع ۱/۲ ۲/۱ ۴/۱۲ ۹/۹

سَفِیْنَۃٌ: کشتی، جہاز، سَفْنٌ سے جس کے معنی پوست اکھیڑنے اور کسی شے کو اوپر سے چھیلنے کے ہیں بروزن فَعِیْلَۃٌ بمعنی فاعِلَۃٌ ہے چونکہ کشتی سطح آب کو چیرتی جاتی ہے اس لیے اس کا نام "سفینہ" ہوا۔ سفائن اور سُفُنٌ جمع ۱۵/۲۲ ۱۶/۱ ۲۰/۱۴

سَفِیْہًا: بیوقوف، بے عقل سَفَہٌ اور سَفَاہَۃٌ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ واحد مذکر، ۳/۷

سَفِیْہُنَا: ہم میں کا بیوقوف، سَفِیْہٌ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، ۲۹/۱۱

فصل القاف

سِقَایَۃَ، پانی پلانا، پلانے کی جگہ، پینے کا برتن "سقایۃ" کے بارے میں مفسرین و اہل لغت کے اقوال سخت پریشان ہیں کوئی اس کو سَقٰی یَسْقِیْ کا مصدر بتاتا ہے اور کوئی اَسْقٰی کا اور کوئی مصدر کو بمعنی اسم فاعل بیان کرتا ہے اور کوئی کہتا ہے اس مکان کا نام ہے جہاں حاجیوں کو پینے کے لیے پانی دیا جاتا تھا، علامہ سید محمد رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں اس پر بڑی عمدہ تحقیقی بحث لکھی ہے جو درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:۔

سِقَایۃ لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی وغیرہ پلایا جاتا ہے، اسی معنی میں ہے جعل السِّقَایَۃَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْہِ (رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے) اسے سِقَایَۃ سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اس سے پلایا جاتا تھا اور صواع اس لیے کہا گیا کہ صاع کی طرح اس سے ناپا جاتا تھا یہ مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے اور مذکر بھی۔ لسان میں (اسی طرح دوسری کتابوں میں) مذکور ہے، "اور سقایۃ وہ مقام ہے جس میں حج کے مواقع وغیرہ پر شراب (پینے کی چیز شربت، پانی وغیرہ) تیار کیا جاتا ہے" (اس کے بعد کہا ہے) کہ حدیث میں آتا ہے ماثر الجاھلیۃ تحت قدمی الا سقایۃ الحاج وسدانۃ البیت (جاہلیت کے قابل ذکر کارناموں میں سے ہر کارنامہ میرے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

قدموں تلے ہی بجز حاجیوں کے پانی پلانے کے انتظام اور خانہ کعبہ کی خدمت گزاری اور پاسبانی کے) کہ قریش حاجیوں کو پانی میں کشمش ڈال کر پلایا کرتے تھے، اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں اس سب کے متولی رہے ہیں اور جس حدیث کو صاحب لسان نے بیان کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کی بعض روایات میں وارد ہوئی ہے۔

اور نووی نے الاسماء واللغات میں (اس سلسلہ میں) جو فرمایا ہے حسب ذیل ہے:-

سقایۃ العباس رضی اللہ عنہ مسجد حرام (زادہ اللہ شرفاً) میں ایک مقام ہے جس میں لوگوں کے پینے کے لیے پانی کھینچا جاتا ہے، اس کے اور زمزم کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہے، ازرقی نے اپنی کتاب تاریخ مکہ میں نیز علماء نے بیان کیا ہے کہ "سقایۃ چمڑے کے حوض تھے جو قصی بن کلاب کے زمانہ میں مکہ کے صحن میں رکھے جاتے تھے اور ان میں اونٹوں کے ذریعہ کنوؤں سے شیریں پانی کھینچا جاتا تھا۔ پھر قصی نے مرتے وقت سقایہ کا منصب اپنے بیٹے عبد مناف کے سپرد کیا، اور وہ برابر عبد مناف کے ہی پاس رہا وہ اسے سرانجام دیتے رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

میں (یعنی علامہ رشید رضا) کہتا ہوں اس مقام پر جو سقایۃ العباس سے موسوم ہے ایک عمارت تعمیر کردی گئی تھی جو اب تک قائم چلی آتی ہے۔ یہ چاہ زمزم کی جانب جنوب ایک بڑا حجرہ ہے، مورخین مکہ نے اس کی پیمائش نیز زمزم اور کعبۂ مشرفہ سے اس کے فاصلہ کا حال بیان کیا ہے۔

اور اس لفظ کے استعمال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اہم حرفہ بن گیا ہے، اور اسی طرح حجابۃ جو بیت اللہ کی کلید برداری اور پاسبانی تھی اور یہ دونوں حرفے قریش کے نہایت شاندار کارنامے تھے، اور اسی بنا پر اسلام نے ان دونوں کو برقرار رکھا، اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ انا صاحب السقایۃ اور لوگوں کا بھی ان کے متعلق یہی کہنا اس سے یہ مراد نہیں لیا جائیگا کہ وہ اس مقام کے مالک تھے جہاں وہ پانی رکھا جاتا تھا جو کہ کشمش یا اس میں خرما ڈال کر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شیریں کیا جاتا تھا اور نہ (سقایہ) سے وہ پانی مراد ہوگا، بلا شبہ اس سے مراد یہی ہے کہ وہ اس کام کے انتظام کے متولی ہیں یعنی کشمش اور خرما لا کر انہیں پانی میں ڈالنا اور اس کے برتنوں کو ان مقامات پر رکھنا جہاں آکر حاجی اس کو پیتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ لغوی اور مفسر اس معنی سے غفلت کرے اور کوئی تو یوں کہے کہ وہ اس مکان کا نام ہے جہاں پانی پلایا جاتا تھا اور کوئی سقی یا اسقی کا مصدر بتائے (وغیرہ وغیرہ)" [1]

آگے چل کر سید صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں حکومت سعودیہ کی توجہ ہر سال لاکھوں حاجیوں کے لیے پانی کی وافر مقدار مہیا کرنے اور اسے صاف ستھرا رکھنے کی طرف بڑھتی جاتی ہے لیکن شربت کا پلانا بہت زمانوں سے چھوٹ گیا ہے، کیونکہ حجاج کی کثرت کی بنا پر یہ دشوار بن گیا ہے اور اگر حرمین کے اوقاف کے چوتھائی حصہ کا بھی جو اسلامی اطراف میں موجود ہیں انتظام کر کے حکومت حجاز کی طرف روانہ کیا جائے تو حکومت کے لیے اس کا اعادہ اور مکہ یا منیٰ میں اس کے لیے عام انتظام کرنا ممکن ہے۔" [2] ۱۰ / ۹ ۱۳ / ۳

سَقَرُ: آگ، دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے،

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس من جواہر القاموس میں رقمطراز ہیں۔

"سقر کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ آتش کا نام سقر رکھ دیا گیا ہے، اس لفظ کے اشتقاق کا پتہ نہیں [3]، اور معرفہ اور عجمہ ہونا منصرف ہونے سے مانع ہے اور بعض کا قول ہے کہ دوزخ کو سقر اس لیے کہا گیا کہ وہ جسم و روح کو تحلیل کر ڈالتی ہے اور یہ عربی نام ہے۔ اہل عرب کے محاورہ سقرتہ الشمس سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دھوپ نے اسے تحلیل کر دیا، اور اُسے لو لگ گئی، اور جو اسے عربی اسم بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معرفہ مؤنث ہے"

علامہ ابو حیان اندلسی نے البحر المحیط میں لکھا ہے:۔

---

[1] تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۲۱۶، ۲۱۷ طبع مصر ۱۳۴۶ھ   [2] ایضاً ص ۲۱۸، ۲۱۹

[3] امام سیوطی نے الاتقان میں جوالیقی سے نقل کیا ہے کہ عجمی لفظ ہے (الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸)

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

"سقر علمیت اور تانیث کی بنا پر غیر منصرف ہے اس کے وسط کی حرکت زینب کے حرف رابع کے قائم مقام ہے" (ج ۸ ص ۱۷۲)

راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں :-

"چونکہ سقر اصل میں جھلسانے کو چاہتا تھا اس لیے یہ فرما کر کہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ (اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، جلا دینے والی ہے آدمیوں کو) متنبہ کر دیا گیا کہ مشاہدہ میں جو "سقر" کا احوال تم جانتے ہو اس سے معاملہ جداگانہ ہے" $\frac{29}{15}$ $\frac{12}{10}$

سُقِطَ: وہ گرا دیا گیا (نَصَرَ) سُقُوْطٌ جس کے معنی گر پڑنے کے ہیں، ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب

امام ابو جعفر احمد بن علی مقری بیہقی اپنی کتاب نادر، تاج المصادر میں رقمطراز ہیں :-

"اور ارشاد الٰہی وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ یعنی وہ نادم ہوئے، اس کے معنی ہوتے ہیں سقط الندم فی ایدیھم (ندامت ان کے ہاتھوں میں گر پڑی) اور ندامت کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ سُقِطَ مفعول مالم یسمّ فاعلہ پر آیا ہے جس طرح کہ رغب فی فلان بولا جاتا ہے، اور سُقِطَتْ نہیں بولا جاتا جس طرح کہ رُغِبَتْ نہیں بولا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے رُغِبَ فی اور سُقِطَ فِي يَدِه بمعنی ندم کے اور سُقِطَ فِي ايديهم اور اسقط بھی مگر سُقِطَ کا استعمال زیادہ بھی ہے اور عمدہ بھی اور بعض نے اُسْقِطَ کا انکار کیا ہے، اور اس طرز استعمال کو نہ قرآن سے پہلے سنا گیا اور نہ عرب اس سے واقف تھے اور یہ ترکیب کسی شے کے اوپر سے نیچے کی طرف آنے اور اس کے زمین پر گرنے کو بتاتی ہے پھر اس کے معنی میں وسعت کی گئی چنانچہ غلط بات کو سقط (پڑی گری چیز) کہا جانے لگا کیونکہ انہوں نے اس کو بے ضرورت چیز کے مثابہ قرار دیا،

اور ہاتھ کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ ندامت دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کا اثر ہاتھوں میں ظاہر ہوتا ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا (پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا) اور فرمایا وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ (اور جس دن کاٹ کاٹ کھائیگا گنہگار اپنے ہاتھوں

کو) چنانچہ بسا اوقات ہاتھوں کی طرف اس فعل کی نسبت کردی جاتی ہے جو اس سے سرزد نہیں ہوتا جیسے ارشاد الٰہی ہے ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ (یہ اس کی وجہ سے ہے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ)" ۹/۸

سَقَطُوْا: وہ گر پڑے، سُقُوْطٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ۱۰/۱۳

سَقْفٌ: چھت، سُقُوْفٌ جمع اَلسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (اونچی چھت) سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے چھت کی بجائے ہے اور یا عرش عظیم جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے" ۱۴/۱۱ ۲۷/۳ سَقْفَاتٌ ۱۷/۳

سُقُفًا: چھتیں، اخفش نے اس کو سَقْفٌ کی جمع بتایا ہے جیسے کہ رَهْنٌ اور رُهُنٌ ہیں، اور فرا نے سَقِيْفٌ (اس کے معنی بھی چھت ہی کے ہیں) کی جمع بیان کیا ہے، جس طرح سے کہ کَثِيْبٌ اور کُثُبٌ بولتے ہیں، فرا نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر چاہو تو جمع الجمع بھی قرار دے سکتے ہو کہ سَقْفٌ کی جمع سُقُوْفٌ اور سُقُوْفٌ کی جمع سُقُفٌ ہے ۲۵/۹

سُقْنٰهُ: ہم نے اس کو ہانک دیا، ہم اس کو ہانک لے گئے، (نَصَرَ) سُقْنَا سَوْقٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، (ملاحظہ ہو سَائِقٌ) ۱۴/۱۴ ۲۲/۱۴

سُقُوْا: ان کو پلایا گیا، (ضَرَبَ) سَقْيٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب (ملاحظہ ہو تَسْقِيْ) ۲۶/۶

سَقٰى: اس نے پانی پلایا، سَقْيٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ۲۰/۱

سُقْيٰهَا: اس کو پانی پلانا، سُقْيَا سَقْيٌ سے اسم ہے، مضاف ہے، اور هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ۔ سُقْيَا کی جمع سُقْيَاتٌ ہے جیسے حُبْلٰی کی حُبْلَيَاتٌ ہے، ۳۰/۱۶

سَقَيْتَ: تو نے پلایا، سَقْيٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ۲۰/۶

سَقِيْمٌ: دکھی، بیمار، سُقْمٌ سے جس کے معنی بیمار ہونے کے ہیں بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:-

سَقَمٌ اور سُقْمٌ اس مرض کو کہتے ہیں جو بدن کے ساتھ مخصوص ہو، اور "مرض" کبھی بدن میں ہوتا ہے اور کبھی نفس میں جیسے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ (ان کے دلوں میں بیماری ہے) اور ارشاد الٰہی "اِنِّيْ سَقِيْمٌ" (میں دکھی ہوں)

ل تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

یہ تعریض ہے، یا زمانۂ ماضی اور مستقبل کی طرف اشارہ ہے یا اس تھوڑے سے دکھ کی طرف جو فی الحال موجود رہتا ہے، کیونکہ انسان کو کوئی نہ کوئی خلل لگا ہی رہتا ہے اگرچہ وہ اسے محسوس نہ کرے۔" پ ۲۳ / ر ۷، ۹

سَقٰهُمْ: اس نے ان کو پلایا، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو سَقٰی) پ ۲۹ / ۱۹

فصل الکاف

سُکَارٰی: نشہ میں مست، سُکر سے جس کے معنی مست ہونے کے ہیں یا جمع مکسر ہے یا اسم جمع، امام تاج الدین ابو محمد بن مکتوم قیسی حنفی نحوی الدر اللقیط میں لکھتے ہیں:-

"سُکارٰی مضموم کے بارے میں علماء کو اختلاف ہے، کہ آیا وہ جمع تکسیر ہے، سیبویہ نے تکسیر صفات کے بیان میں کہا ہے "اور کبھی بعض صفات کی فعالیٰ پر بھی تکسیر کرتے ہیں، چنانچہ بعض سُکارٰی اور عُجالٰی بولتے ہیں" فعالٰی کے جمع ہونے پر یہ سیبویہ کی صاف تصریح ہے اور استاذ ابو الحسن بن الباذش کو وہم ہو گیا جو انہوں نے سیبویہ کی طرف یہ نسبت کر دی کہ یہ اسم جمع ہے نیز یہ کہ ابنیہ کے سلسلہ میں سیبویہ نے اس کو بیان بھی کیا ہے۔ ابن الباذش کا بیان ہے کہ قیاس بھی یہی ہے کیونکہ یہ ایسے وزن پر آیا ہے جس پر کبھی کوئی جمع آئی ہی نہیں۔ حالانکہ ابنیہ کے سلسلہ میں سیبویہ کی اس کے سوا کوئی تصریح ہی نہیں کہ وہ جمع تکسیر ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ فعالٰی کا وزن اسم میں ہوتا ہے جیسے حبارٰی سمانٰی، کبارٰی اور صفت نہیں ہوتا، ہاں صرف اس صورت میں کہ اس کے وزن پر واحد کی تکسیر کر لی جائے جیسے عجالٰی، سکارٰی اور کسالٰی ہیں اور سیرافی نے اس کے بارے میں دونوں قول بیان کیے ہیں اور اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ جمع تکسیر ہے نیز یہ کہ سیبویہ کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے۔"[1]

اور امام ابن جنی المحتسب میں فرماتے ہیں:-

"سُکارٰی بالضم اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اسم مفرد غیر مکسر ہے جیسے کہ حبارٰی، سمانٰی اور سُلامٰی ہیں۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ مکسر ہو اور ان الفاظ میں سے ہو کہ جو فعالٰی کے وزن پر

[1] الدر اللقیط من البحر المحیط ص ۲۵۵ ج ۲ طبع مصر سنہ ۱۳۲۸ھ برحاشیہ البحر المحیط

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پڑ آتے ہیں جیسے ظُؤَارٌ، عُراقٌ اور دُخالٌ ہیں،
مگراتنی بات ہے کہ الف کے ذریعہ اسے مؤنث
کرلیا گیا ہے جیسے کہ نُقَاوَۃٌ کے استعمال میں ھا
کے ذریعہ تانیث کرلی گئی ہے، ابو علی نے اس
کو نَقُوۃٌ کی جمع کہا ہے، نیز جس طرح کہ حجارۃ
ذکارۃ اور عبارۃ میں فعال کی تانیث کرلی
گئی ہے اسی طرح اس کی بھی تانیث عمل میں
آئی ہے۔[۱]

امام ابو بکر جصاص، آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ
اَنْتُمْ سُکَارٰی کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔
"کہ اس بارے میں اختلاف کیا گیا ہے کہ سکر سے
اس آیت میں کیا مراد ہے حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما، مجاہد، ابراہیم اور قتادہ نے شراب کا نشہ
بیان کیا ہے، مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا ہے کہ
شراب کی حرمت نے اس حکم کو منسوخ کردیا ہے
اور ضحاک نے کہا ہے کہ اس سے خاص طور پر
نیند کا نشہ مراد ہے۔

امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ سکر میں صحیح تاویل یہ ہے کہ
یہ شراب کا نشہ ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک
یہ کہ سونے والے کو اور جس کی آنکھوں میں نیند بھری
ہو اُسے سکران نہیں کہا جاتا، اور جو شراب میں
مست ہو اس کو حقیقت میں سکران کہا جاتا ہے
اس لیے لفظ کو حقیقت پر محمول کرنا ضروری ہے
اور بغیر کسی دلالت کے مجاز کی طرف پھیرنا روا نہیں
دوسری وہ روایت جو سفیان نے عطا بن السائب
سے بواسطہ ابو عبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ
عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک انصاری نے کچھ لوگوں
کی دعوت کی اور پھر اُنہوں نے مے نوشی کی پھر
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز
مغرب کے لیے کھڑے ہوئے اور قُلْ یٰاَیُّھَا
الْکٰفِرُوْنَ کی تلاوت کی تو تشابہ لگنے لگا، اس پر
اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ
وَاَنْتُمْ سُکَارٰی (نزدیک نہ جاؤ نماز کے
جس وقت کہ تم نشہ میں ہو)۔[۲] ۱۷/۸ ۵/۴

سَکَتَ: وہ تھم گیا، اس نے خاموشی اختیار کی،
(نَصَرَ) سُکُوْتٌ سے جس کے معنی خاموش ہونے کے ہیں
ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔

راغب لکھتے ہیں:۔
"سکوت ترک کلام کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ
سکوت بھی سکون ہی کی ایک قسم ہے اس لیے

[۱] تاج العروس [۲] احکام القرآن ج ۲ ص ۲۴۴ و ۲۴۵

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ارشادِ الٰہی وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ
(اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ) میں سکوت بطور
استعارہ سکون ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے"

سَکَرًا: جس چیز سے نشہ ہو، نبیذ، امام ابوبکر
جصاص فرماتے ہیں۔

"سلف نے سَکَرًا کی تاویل میں اختلاف کیا
چنانچہ حسن، اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ
کھجور اور انگور کی جو چیز حرام ہو چکی ہو سَکَر ہے
اور جو اس میں حلال ہو "رزق حسن" ہے اور ابراہیم
شعبی اور ابو رزین سے روایت ہو کہ سکر خمر ہو
اور جریر نے حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ
عنہ سے بھی بروایت مغیرہ عن ابراہیم یہی روایت
کیا ہے، اور ابن شبرمہ، ابو زرعہ بن عمرو بن جریر
سے راوی ہیں کہ سکر شراب خمر ہے اور ان
سب نے کہا ہے کہ اس کی اباحت تحریم خمر سے
منسوخ ہو چکی ہے،

اس کے بعد امام جصاص رازی اپنی سند سے
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سکر
کے معنی نبیذ کے اور رزق حسن کے معنی کشمش کے نقل
کر کے یہ فرماتے ہیں

"جب کہ سلف نے اس کے معنی خمر اور نبیذ
نیز خرما یا انگور کی اس چیز کے لیے ہیں کہ جس کا
استعمال حرام ہے تو یہ ثابت ہوا کہ یہ اسم سب
کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ
تحریم خمر سے یہ حکم منسوخ ہے، اس بات کو بتاتا
ہے آیت اباحت سکر کی مقتضی ہے اور سکر
خمر اور نبیذ ہے اور جس کا نسخ ثابت ہے وہ صرف
خمر ہے اور نبیذ کی حرمت ثابت نہیں لہٰذا
ظاہر آیت سے نبیذ کی تحلیل ثابت ہے کیونکہ
اس کا نسخ ثابت نہیں"[1]

ابن مردویہ نے بطریق عوفی حضرت عبداللہ
بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حبشی
زبان میں سکر کے معنی سرکہ کے ہیں[3]۔ ۱۴/۱۵

سُکِّرَتْ: اس کی نظر بندی کردی گئی، تَسْکِیْرٌ
سے جس کے معنی نظر بندی کرنے کے ہیں، ماضی کا
صیغہ واحد مؤنث غائب۔ ۱۵/۱۰

سَکْرَتِہِمْ: ان کی مستی، ان کا نشہ، ان کی مدہوشی

---

۱ احکام القرآن ج ۲ ص ۲۴۴، ۲۴۵ ۲ ملاحظہ ہو احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۷، ۲۲۸

۳ الاتقان امام سیوطی ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَکۡرَۃِ مضاف ، ہِمۡ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ

ب ۱۴۳/ ۵
سَکۡرَۃٌ : بے ہوشی ، مدہوشی ، مستی ، راغب لکھتے ہیں کہ :

" سُکر وہ حالت ہے جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان پیش آتی ہے ، اور اکثر اس کا استعمال شراب کے بارے میں ہوتا ہے اور کبھی غضب وعشق کی بناء پر بھی یہ حالت طاری ہو جاتی ہے ، شاعر کہتا ہے :-

سکران سکر ھوی وسکر مدام

نشۂ محبت اور شراب کی مستی سے مدہوش ہو

سکرات الموت اسی سے ماخوذ ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ (اور وہ بیہوشی موت کی) "

علامہ مجد الدین فیروز آبادی ، بصائر ذوی التمیز فی لطائف کتاب اللہ العزیز میں فرماتے ہیں :-

" نزع کی سختی کے باعث عقل کے گڑبڑ ہو جانے کا نام " سکرۃ الموت " ہے "[1] ب ۲۶/ ۱۶

سَکَنَ : وہ ٹھہرا ، وہ بسا ، وہ رہا ، اُس نے آرام پکڑا ، سُکُونٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ۔

. علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی لغوی ، تاج العروس میں ابن الکمال سے ناقل ہیں :-

" سکون جس میں حرکت کی صلاحیت ہو اس کے حرکت نہ کرنے کا نام ہے ، پس جس میں متحرک ہونے کی صلاحیت نہ ہو اس سے حرکت کا نہ ہونا سکون نہیں ہوگا اور جو ایسا ہو گا وہ نہ متحرک ہو گا نہ ساکن "

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

" ارشاد الٰہی وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیۡلِ وَ النَّھَارِ ابن الاعرابی نے سکن کے معنی حَلَّ (وہ فروکش ہوا) کے لیے ہیں اور ثعلب نے کہا ہے کہ ساکن کا استعمال انسان اور بہائم ہی کے لیے خاص ہے سکن کا ترجمہ ہے حرکت کے بعد ٹھہر گیا اور یہاں اس کے معنی (اور اللہ تعالیٰ دانا تر ہے) پیدا کرنے کے ہیں "

غرض ابن الاعرابی کے قول پر آیت کا ترجمہ ہوگا ، اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں " اور ثعلب کے قول پر یہ معنی ہونگے " اور اسی کا ہے جو پیدا کیا رات میں اور دن میں " (ملاحظہ ہو اُسۡکُنۡ) ب ۸/ ۱

سَکَنٌ : تسکین ، آرام ، رحمت ، برکت ، جس سے

---

[1] تاج العروس ج ۳ ص ۲۷۵ مادہ سکر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سکون حاصل ہو، بسنے کی جگہ سُکُوْنٌ سے اسم ہے پ ۱۱/۲

سَکَنًا: پ ۱۴/۱۷ پ ۱۴/۱۸

سَکَنْتُمْ: تم بسے، تم آباد ہوئے، تم رہے، سُکُوْنٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ ۱۳/۱۹ پ ۲۸/۱۷

سِکِّیْنًا: چھری، چاقو، سَکَاکِیْن جمع، لفظ "سکین" مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مونث بھی اور غالب اس پر تذکیر ہی ہے۔ راغب لکھتے ہیں کہ اس کا نام سکین اس لیے ہوا کہ وہ مذبوح کی حرکت کو زائل کر دیتی ہے، یہ سُکُوْنٌ سے بروزن فِعِّیْلٌ اسم مشتق ہے پ ۱۲/۱۴

سَکِیْنَتَہٗ: اس کی طرف کی تسکین، اس کی طرف کا اطمینان سَکِیْنَۃٌ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۰/۱۰ و ۱۲ پ ۲۶/۱۱

سَکِیْنَۃٌ: تسکین، تسلیِ خاطر، اطمینان، سُکُوْنٌ سے بروزن فَعِیْلَۃٌ مصدر ہے جو اسم کی جگہ استعمال ہوا ہے جیسے کہ عَزِیْمَۃٌ ہے[1]۔

علامہ لغوی سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

سَکِیْنَۃ وہ اطمینان، چین، قرار و سکون ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے قلب میں اس وقت نازل فرماتا ہے جب کہ وہ ہولناکیوں کی شدت سے مضطرب ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جو کچھ بھی اس پر گزرے وہ اس سے گھبراتا نہیں، یہ اس کے لیے ایمان کی زیادتی، یقین میں قوت اور استقلال کو ضروری کر دیتا ہے، اسی وجہ سے حق سبحانہٗ نے "یوم الغار" اور "یوم حنین" جیسے قلق و اضطراب کے مواقع پر اپنے رسول اور مومنین پر اس کے نازل کرنے کی خبر دی ہے[2]"

واضح رہے کہ قرآن مجید سکینۃ کا لفظ چھ جگہ استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بجز سورۂ بقرہ کے قرآنِ مجید میں جہاں کہیں بھی "سکینہ" آیا ہے اس کے معنی اطمینان کے ہیں[3]۔ سورہ بقرہ کی جس آیت کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استثنا فرمایا ہے وہ آیہ کریمہ اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے، تمہارے رب کی طرف سے) یہاں "سکینہ" سے کیا مراد ہے، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے تو یہاں بھی حضرت عبداللہ بن عباس

[1] غرائب القرآن و رغائب الفرقان معروف بہ تفسیر نیشا پوری ج ۲ ص ۲۷۰ طبع مصر بر حاشیہ تفسیر ابن جریر [2] و [3] تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رضی اللہ عنہما سے اطمینان ہی کے معنی روایت کیے ہیں۔[1] اور یہی صحیح ہیں اس کے علاوہ اس بارے میں تفسیر کی کتابوں میں جو بہت سی بے سروپا روایتیں منقول ہیں نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً اور پھر سخت متعارض کہ ان کا باہم جمع کرنا غیر ممکن ہے۔[2] پ۲/۱۶ پ۲۶/۹ و ۱۱

فصل اللام

سَلْ: تو پوچھ، تو دریافت کر، سُؤَالٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر (ملاحظہ ہو اِسْئَلْ اور سُؤَالٌ) پ۲/۱۰

سَلٰسِلُ: زنجیریں، سِلْسِلَۃٌ کی جمع، پ۲۴/۱۳

سَلٰسِلَا پ۲۹/۱۹

سُلٰلَۃٍ: چُنی ہوئی، نچوڑی ہوئی، نچوڑ، خلاصہ۔ سَلٌّ سے جس کے معنی کسی چیز کو کسی چیز سے کھینچنے، سوتنے اور نچوڑنے کے ہیں۔ اسم مشتق ہے پ۱۸/۱ پ۲۱/۱۴

سَلْمٌ: سلامتی، امان، سلام، سالم، یہ سَلِمَ یَسْلَمُ کا مصدر ہے۔ اس کے معنی عیوب و آفات سے سلامت رہنے، ان سے چھٹکارا پانے اور بری ہونے کے ہیں۔ امام راغب مفردات القرآن میں رقمطراز ہیں:۔

"سَلْمٌ اور سَلَامَۃٌ کے معنی ہیں ظاہری اور باطنی آفتوں سے الگ رہنے کے ارشاد ہے بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ یعنی ایسا دل جو دغا سے خالی ہو یہ باطن کے بارے میں ہے اور مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا (بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں) یہ ظاہر کے بارے میں ہے سَلِمَ یَسْلَمُ سَلَامًا و سَلَامَۃً و سلمہ اللہ، فرمایا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ (اور لیکن اللہ نے بچالیا) اور ارشاد ہے اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ (جاؤ ان میں سلامتی سے بے کھٹکے) یہاں سلامتی مراد ہے، اسی طرح اِھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے) ہے اور حقیقی سلامتی جنت کے سوا اور کہیں نہیں کیونکہ وہاں بقا ہے فنا نہیں، غنا ہے احتیاج نہیں، عزت ہے ذلت نہیں صحت ہے بیماری نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ (ان ہی کے لیے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں) یہاں

---

[1] الدر المنثور امام سیوطی ج ۱ ص ۳۱۰ طبع مصر

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر المنار ج ۲ ص ۴۸۴ طبع مصر اور تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۹

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

"سلام" بمعنی سلامتی ہے اور وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف) اور يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں) ان سب جگہ سلامتی کے معنی ہو سکتے ہیں؛ اور بعض کا قول ہے کہ السّلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اسی طرح لهم دارُ السَّلامِ کے بارے میں کہا گیا ہے[1]، اور اَلسَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ (سب عیبوں سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا) کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلام ہے اس لیے موصوف کیا گیا کہ جس طرح خلق کو عیوب و آفات ہوتی ہیں اس کو لاحق نہیں ہوتیں، اور فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (سلام، بولنا ہے رب مہربان سے) سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر) سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ (سلام ہے الیاس پر) یہ سب (یعنی سلام علیک) لوگوں کی جانب سے تو بذریعہ قول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فعل یعنی جنت میں جس سلامتی کے ہونے کا سابق میں مذکور ہوا ہے اس کو عطا فرمانا،

اور آیۂ شریفہ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت) کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں اس صورت میں سَلٰمًا کو نصب اضمار فعل کی بناء پر ہوگا (اور نطلب کو مضمر مانا جائیگا) اور بعض نے کہا ہے کہ قَالُوْا سَلٰمًا کے معنی ہیں اچھی بات کہنے کے اس صورت میں یہ مصدر محذوف (یعنی قَوْلًا) کی صفت ہوگا، اور آیۂ شریفہ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ (جب اندر پہنچے اس کے پاس تو بولے سلام وہ بولا سلام ہے) میں ثانی پر رفع (پیش) اس لیے ہے کہ دعا کے باب میں رفع زیادہ بلیغ ہے گویا اس ادب کا لحاظ رکھا جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ (اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو

[1] اس صورت میں "دار السلام" کے معنی اللہ کے گھر اور "سبل السلام" کے معنی اللہ کی راہوں کے ہو نگے،

۲۰۹
۱۴

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس سے بہتر)

اور آیۂ شریفہ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (نہیں سُنینگے وہاں بکواس ا[illegible]ناہ کی بات مگر ایک بولنا سلام سلام) تو یہ چیز ان کے واسطے صرف قول ہی قول سے نہیں ہوگی بلکہ قول اور فعل دونوں کے ذریعہ ہوگی اور اسی طرح آیہ کریمہ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ (تو سلامتی پہنچے تجھ کو رہنے والوں سے) ہے۔

اور آیۂ شریفہ وَقُلْ سَلٰمٌ (اور کہہ سلام) اس کا ظاہر مطلب تو یہ ہے تو ان پر سلام کر، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ان کفار سے مطالبہ ہے اور یہ جو فرمایا ہے سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں) سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ (سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر) سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ (سلام ہے ابراہیم پر) یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر کا بیان ہے کہ ان کو اس حیثیت کا بنایا ہے کہ ان کی ثنا کی جاتی رہیگی اور ان کے لیے دعا ہوتی رہیگی"۔

امام سہیلی الروض الانف میں فرماتے ہیں:-

"اکثر اہل لغت اس طرف گئے ہیں کہ رضاع اور رضاعت کی طرح سلاہ اور سلامۃ کے بھی ایک ہی معنی ہیں اور اگر وہ کلام عرب میں تامل کرتے اور ہا، تانیث اس میں جس قسم کی تحدید پیدا کرتی ہے اس پر غور کرتے تو ان کو نظر آتا کہ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے،

اور اللہ جل جلالہٗ کو سلام کہا جاتا ہے کہ تمام خلق کے لیے اختلال اور تفاوت سے سالم رہنے کو اس نے وسیع اور عام کر دیا ہے کیونکہ ہر چیز نظام حکمت پر چل رہی ہے اسی طرح جن و انس حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے کسی ظلم یا جور کے ہونے سے سلامت ہیں پس اللہ تعالےٰ اپنے تمام افعال میں "سلام" ہے کہ نہ زیادتی ہے نہ ظلم، نہ فرق ہے نہ خلل۔

اور مفسرین میں سے جس نے اس اسم کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ حق سبحانہ کو اس سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ عیوب و آفات سے سالم ہے تو اس نے نامناسب بات کی سلام وہ ہے جس سے دوسرا سلامت رہے اور سالم وہ ہے جو دوسرے سے سلامت رہے، دیوار۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کو یہی نہیں کہا جاتا کہ وہ تکان سے سالم ہے اور نہ پتھر کو کہا جاتا ہے کہ وہ زکام سے سالم ہے سالم اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس پر آفت کا آنا ممکن اور متوقع ہو، اور پھر وہ اس سے سلامت رہے۔ اور حق سبحانہ آفتوں کے واقع ہونے اور نقائص کے آنے سے منزہ ہیں اور جس کی یہ صفت ہو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائیگا کہ وہ ان سے سلامت رہا اور نہ اسے سالم سے موسوم کیا جائیگا۔ ان لوگوں نے سلام کو سالم کے معنی میں کر دیا۔ جو چیز ہم نے پہلے ذکر کی اکثر سلف کے قول سے وہی مراد ہے اور سلامت سلام کے خصائل میں سے صرف ایک خصلت ہے[۱]"

امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے سلام کے معنی یہی نقل کیے ہیں السّلام ھو الذی یسلم خلقہ من ظلمہ[۲] (سلام وہ ذات ہے کہ جس کے ظلم سے اس کی مخلوق سالم رہے) پ ۵/۱۰ پ ۶/۷ پ ۸/۲و۱۲ پ ۱۱/۶و۸ پ ۱۲/۴و۷

پ ۱۳/۹و۱۴ پ ۱۴/۴و۱۰ پ ۱۶/۴و۵و۶و۱۱ پ ۱۹/۲۰ پ ۲۰/۹ پ ۲۲/۴ پ ۲۳/۳و۶و۸و۹

پ ۲۴/۵ پ ۲۵/۱۳ پ ۲۶/۷و۱۹ پ ۲۷/۱۶ پ ۲۸/۶ پ ۳۰/۲۲

سَلَامًا پ ۱۲/۷ پ ۱۴/۳ پ ۱۶/۷ پ ۱۷/۵ پ ۱۹/۴ پ ۲۶/۱۹ پ ۲۷/۱۴

سَلْسَبِیْلًا: سلسبیل، جنت کے ایک چشمہ کا نام[۱] ہے، جس کے معنی ہیں، "بہتا ہوا صاف پانی" جوالیقی کا بیان ہے کہ عجمی لفظ ہے[۲]، ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ میں نے سلسبیل کو قرآن کے سوا اور کہیں نہیں سُنا اس صورت پر اس کے اشتقاق کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا[۳] اور زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں۔

"شراب، سلسل، سلسال اور سلسبیل بولا جاتا ہے، اس میں ترکیب کے اندر با مد زائد کر دی گئی ہے جس سے کلمہ خماسی ہو گیا ہے اور انتہائی خوش گواری پر دلالت کرتا ہے، زجاج کا بیان ہے کہ سلسبیل لغت میں اس چیز کی صفت ہے جس میں انتہائی خوش گواری ہو[۴]"

علامہ ابو حیان زمخشری کے بیان کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-

"اگر زمخشری کی مراد یہ ہے کہ باحقیقت میں زائد کر دی گئی تو درست نہیں کیونکہ علم نحو کے اندر ب ان حروف میں سے نہیں ہے کہ جو زیادت کے لیے مقرر ہیں، اور اگر یہ مطلب ہے،

[۱] تاج العروس [۲] جامع البیان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر ابن جریر ج ۲۸ ص ۳۴ طبع میمنیہ مصر [۳] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر [۴] ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے یہی روایت کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۵) تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۸۱ طبع عامرہ مصر [۵] کشاف ج ۴ ص ۱۷۰ طبع مصر

کہ حرف با اشارکلمہ میں آگیا ہے اور سلسل اور
سلسال میں نہیں ہے تو صحیح ہے اور یہ ان
الفاظ میں سے ہوگا کہ جو معنی میں متفق ہیں اور
مادہ میں مختلف ہیں۔"[1] ب ۲۹/۱۹

سِلْسِلَۃ: زنجیر، سَلاسِلُ جمع، "سلسلہ" کے معنی
اصل میں ایک شئ کے دوسری شئے سے اتصال کے
ہیں، زنجیر میں بھی چونکہ کڑیاں ایک دوسرے سے ملی
جلی ہوتی ہیں اس لیے اس کو سِلسِلَہ کہتے ہیں۔

ب ۲۹/۵

سُلْطٰن: زور، قوت، حجت، برہان، سند،
حکومت، تاج العروس میں ہے:۔

"سلطان" کے معنی حجت و برہان کے ہیں،
اسی معنی میں ارشاد الٰہی ہے لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا
بِسُلْطٰنٍ (نہیں نکل سکنے کے بدوں سند کے)
اور کبھی اس سے معجزہ بھی مراد لیا جاتا ہے، چنانچہ
فرمایا ہے اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ (جب بھیجا ہم نے اس کو فرعون کے پاس
دے کر کھلی سند (یعنی معجزہ) اور جب "سلطان" کے
معنی حجت ہوں تو اس کی جمع نہیں آتی، کیونکہ
اس صورت میں وہ مصدر کا قائم مقام ہوتا ہے،

محمد بن یزید نے کہا ہے کہ سلیط سے جس کے
معنی زیتون کے تیل کے ہیں اس کے روشن
کرنے کی بنا پر ماخوذ ہے، کیونکہ دلیل ایسی ہونی
چاہیے جو روشن ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ سلطان
بمعنی حجت (دلیل) ہے، اور بصائر میں ہے کہ
حجت کو سلطان اس لیے کہا گیا کہ دلوں پر
اس کا دباؤ ہوتا ہے لیکن اکثر اس کا تسلط اہلِ
علم و حکمت ہی پر ہوتا ہے۔ اور لیث نے کہا ہے
کہ سلطان کے معنی بادشاہ کی طاقت نیز اس
شخص کی طاقت کے ہیں جو گو بادشاہ نہ ہو مگر
اس کو شاہی طاقت حاصل ہو، جیسے کہتے ہیں
قد جعلت لك سلطانا على أخذ حقي
من فلان (فلاں سے میرا حق لینے کے لیے میں
نے تیرے لیے سند کر دی ہے) اور اس کے لام
کو ضمہ بھی دیا جاتا ہے، یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں
طرح استعمال ہوتا ہے، ابن السکیت کا بیان ہے
کہ سلطان مؤنث ہے، بولا جاتا ہے قضیت
بہ علیہ السلطان اور قد آمنته السلطان
ازہری نے کہا ہے کہ چونکہ سلطان کا لفظ

[1] البحر المحیط ج ۸ ص ۲۹۸ -

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

مذکر ہے، اس لیے کبھی مذکر بھی استعمال ہوا ہے،
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ
پ ۸/۱۶، پ ۱۱/۱۲، پ ۱۲/۹ و ۱۵، پ ۱۳/۱۲ و ۱۴ و ۱۶، پ ۱۴/۳ و ۱۹، پ ۱۵/۷ و ۱۴، پ ۱۸/۳
پ ۱۹/۱۷، پ ۲۲/۸، پ ۲۳/۶ و ۹، پ ۲۴/۸ و ۹ و ۱۱، پ ۲۵/۱۴، پ ۲۷/۱ و ۳ و ۵ و ۱۲
سُلْطٰنًا پ ۴/۷، پ ۵/۹ و ۱۸، پ ۶/۲، پ ۸/۱۵، پ ۸/۱۱، پ ۱۵/۶ و ۹، پ ۱۵/۱۶
پ ۲۰/۷، پ ۲۱/۷ ۔

سُلْطٰنُہٗ: اس کا زور، سُلْطَانُ مضاف
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۱۴/۱۹

سُلْطٰنِیَہْ: میری حکومت، سُلْطَانِ
مضاف، ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، ہ سکتہ
کی ہے، پ ۲۹/۸

سَلَّطَھُمْ: اس نے ان کو زور دیا، اس نے ان
کو مسلط کیا، سَلَّطَ تَسْلِیْطٌ سے جس کے معنی مسلط
کرنے اور غلبہ دینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب، ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب، پ ۵/۹

سَلَفَ: وہ ہو چکا، وہ گزر گیا، (نَصَرَ) سَلَفٌ
سے جس کے معنی گزرنے اور ہو چکنے کے ہیں ماضی کا
صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۴/۶، پ ۴/۱۴ و ۱۵، پ ۶/۳، پ ۹/۱۹

سَلَفًا: گیا گزرا، اصل میں یہ مصدر ہے اور بطور
اسم کے متقدم یعنی گزرے ہوئے کے معنی میں استعمال
ہوتا ہے، پ ۲۵/۱۱

سَلَقُوْکُمْ: وہ تم سے چڑھ چڑھ بولے، وہ تم سے
بڑھ بڑھ کے بولے، (ضَرَبَ) سَلَقُوْا سَلْقٌ سے
جس کے معنی زبان سے ستانے کے ہیں، ماضی کا صیغہ
جمع مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر پ ۲۱/۱۸

سَلَکَ: اس نے چلائیں، (نَصَرَ) سَلْکٌ سے
جس کے معنی چلانے اور داخل کرنے کے ہیں، ماضی
کا صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۱۶/۱۱

سَلَکَکُمْ: اس نے تم کو چلایا، اس نے تم کو
داخل کیا، اس میں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے پ ۱۹/۱۶

سَلَکْنٰہُ: ہم نے اس کو گھسا دیا، ہم نے اس
کو داخل کر دیا، ہم نے اس کو چلایا، سَلَکْنَا سَلْکٌ
سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب
پ ۱۹/۱۵

سَلَکَہٗ: اس نے اس کو چلایا، اس نے اس
کو داخل کیا، اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے پ ۲۳/۱۶

سَلْمٌ: صلح، اسم ہے، مذکر بھی استعمال ہوتا ہے
اور مؤنث بھی، پ ۱۰/۴، پ ۲۶/۸

سِلْمٌ: اسلام، اسم ہے، مذکر و مؤنث دونوں
طرح استعمال ہوتا ہے، پ ۲/۹

سَلَمٌ: صلح، انقیاد، فرمانبرداری، واطاعت،
عاجزی، تَسْلِیْمٌ سے بمعنی سپرد کرنے کے اسم ہے،

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

(ملاحظہ ہو تسلیمًا ۵/۹ پ ۱۴/۱۸، ۱۰)

سَلَمًا: پورا، سالم، سَلِمَ یَسْلَمُ کا مصدر ہے جس کے معنی خالص اور پورے طور پر کسی دوسرے کے لیے ہو جانے کے آتے ہیں۔ پ ۲۳/۱۷

سَلَّمَ: اس نے بچا لیا، تسلیمٌ سے بمعنی بچانے کے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تسلیمًا پ ۱/۱)

سُلَّمٌ: سیڑھی، زینہ، سیڑھی کے ذریعہ چونکہ آدمی سلامتی کے ساتھ اوپر پہنچ جاتا ہے اس لیے اس کا نام سُلَّم ہوا، سَلَالِمُ اور سَلَالِیْمُ جمع پ ۲۷/۴

سُلَّمًا پ ۷/۱۰

سَلَّمْتُمْ: تم نے حوالہ کر دیا، تم نے سپرد کر دیا، تم نے سونپ دیا، تسلیمٌ سے بمعنی سپرد کرنے کے، ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر (ملاحظہ ہو تسلیمًا) پ ۲/۱۴

سَلِّمُوْا: تم سلام کرو، تم سلام بھیجو۔ تسلیمٌ سے بمعنی سلام کرنے کے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ ۱۸/۱۲ پ ۲۲/۴

سَلْوٰی: سلوی ایک پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں، قاموس میں اس کا واحد سَلْوَاۃٌ مرقوم ہے، اور صحاح میں اخفش سے منقول ہے کہیں نے اس کا واحد نہیں سنا ان کا بیان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد جمع ہی کی طرح ہے۔ پ ۱/۶ پ ۹/۱۰ پ ۱۶/۱۳

سَلْهُمْ: ان سے پوچھ، اس میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ہے (ملاحظہ ہو سَلْ) پ ۲۹/۴

سَلِیْمٌ: چنگا، بے روگ، ستھرا، نِروگا، سَلَامَۃٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ (ملاحظہ ہو سَلَامٌ) پ ۱۹/۹ پ ۲۳/۷

سُلَیْمَانَ: سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مشہور جلیل القدر نبی کا اسم گرامی، جو حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ارجمند تھے، اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کی ذات بابرکات میں نبوت اور سلطنت دونوں کو مکمل طور پر جمع فرمایا، اور ایسی بادشاہی عطا فرمائی جو اگلوں پچھلوں میں سے کسی کو نصیب نہ ہوئی، جن، ہوا اور پرندوں کو آپ کے لیے مسخر فرمایا، سب جانوروں کی بولیاں جانتے تھے چیونٹی تک کی بات سمجھ لیتے، آپ کے فضائل وکمالات اور آپ کی پیغمبرانہ سیرت کا تذکرہ جا بجا قرآن مجید میں تفصیل سے مذکور ہے، حافظ ابو حیان اندلسی البحر المحیط میں لکھتے ہیں:

"سلیمان عجمی نام ہے عجمیت اور علمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے، عجمیت میں اس کی نظیر اس امر میں کہ اس کے بھی آخر میں الف اور نون ہو،

لہ تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ھامان، ماھان اور ساھان ہیں، اور اس کا غیر
منصرف ہونا علمیت اور الف ونون کی زیادت
کی بنا پر نہیں کیونکہ الف ونون کا زیادہ ہونا
اشتقاق وتصریف پر موقوف ہے، اور عجمی ناموں
میں عربی اشتقاق وتصریف کا دخل نہیں ہوتا[1]
آپ کی والدہ ماجدہ بھی بڑی عابدہ وصالحہ تھیں، سنن
ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی ماں نے
حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ بیٹا رات
میں زیادہ نہ سونا کیونکہ رات میں زیادہ سونا مرد کو
قیامت کے دن محتاج کر کے چھوڑتا ہے[2]۔
فصل خصومات میں اصابت رائے کا ملکہ بچپن
ہی سے آپ کو عطا ہوا تھا، صحیح بخاری میں حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو عورتیں تھیں
جن کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے، بھیڑیا آیا اور دونوں
میں سے ایک کے لڑکے کو لے کر چلتا بنا جس کو یہ حادثہ
پہنچا تھا وہ کہنے لگی تیرے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا ہے
دوسری بولی نہیں تیرے لڑکے کو لے گیا ہے، چنانچہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کے لیے پہنچیں
آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا پھر وہ حضرت
سلیمان علیہ السلام کے سامنے آئیں اور ان سے اس
واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس چھری
لاؤ میں اسے کاٹ کر دونوں کو دیدوں، تب چھوٹی
کہنے لگی، اللہ آپ پر رحم کرے ایسا تو نہ کیجیے یہ اسی کا
بیٹا ہے، اس پر آپ نے چھوٹی کی حق میں فیصلہ فرما
دیا، نیز صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک زبردست جن گزشتہ
شب اچانک ظاہر ہوا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے
حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اس پر قابو عطا فرمایا میں نے
اسے پکڑ لیا اور ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں
سے کسی ستون سے باندھ دوں کہ تم سب اسے دیکھ
لو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آئی رَبِّ
هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي
(اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ نہ پہنچے کسی پر میرے پیچھے) تو
میں نے اس کو ذلیل کر کے لوٹا دیا[3]، امام احمد، نسائی
ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

[1] البحر المحیط ج ۱ ص ۳۱۸، ۳۱۹ طبع مصر ۱۳۲۸ھ [2] سنن ابن ماجہ ص ۹۵ طبع فاروقی دہلی۔
[3] ان دونوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء قول اللہ تعالیٰ ووھبنا لداؤد سلیمان

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سلیمان علیہ السلام علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر کی تو اللہ عز و جل سے تین چیزیں مانگیں دو چیزیں تو اللہ نے ان کو عطا فرمائیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمارے لیے ہو، وہ[۱] حکم مانگا جو اس کے حکم کے موافق ہو اور اللہ نے عطا فرمایا، وہ[۲] بادشاہی مانگی جو آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو اور اللہ نے عطا فرمائی، یہ[۳] مانگا کہ جو شخص بھی گھر سے چلے اور اس کا ارادہ اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے سوا اور کچھ نہ ہو تو وہ اپنے گناہ سے اس طرح نکل جائے جیسا کہ اس دن جب کہ اس کی ماں نے اسے جنا تھا، ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ چیز اللہ نے ہمیں عطا فرمادی۔[۱]

انگشتری سلیمان کا جو قصہ مشہور ہے وہ اسرائیلی فسانہ ہے جس کی کوئی اصل و حقیقت نہیں ہے۔

ب ۱/۱۲ ب ۵/۴ ب ۷/۱۶ ب ۱۷/۶ ب ۱۹/۱۷ و ۱۸ ب ۲۲/۸ ب ۲۳/۱۲

فصل المیم

سَمّ: ناکہ، سوراخ، ہر تنگ سوراخ کو سَمّ کہتے ہیں جیسے کہ سوئی کا ناکہ اور ناک اور کان کا بندھا ہوا سوراخ ہوتا ہے، سُمُوْم جمع ب ۱۲

سَمَآءٌ: آسمان، ابر، بارش، امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:۔

"ہر شے کا جو بالا ہے وہ سماء ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر "سماء" اپنے نیچے کی نسبت سے سماء اور اپنے اوپر کی نسبت سے "ارض" ہے، بجز سماء علیا کے کہ وہ "سماء" ہی ہے "ارض" نہیں ہے اور آیت شریفہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی) کو اسی پر محمول کیا ہے)

نیز مطر (بارش، مینہ) کو سماء سے موسوم کیا گیا کیونکہ وہ اسی سے نکلتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ جب تک زمین پر نہ گرے "سماء" سے موسوم ہے، یہ اسی اعتبار سے ہے جو سابق میں مذکور ہوا۔ اور "نبات" (ہر اگنے والی چیز) کا نام سماء یا تو اس بناء پر رکھا گیا کہ وہ "مطر" سے جو کہ سماء ہے وجود میں آتا ہے اور یا اس لیے کہ زمین سے مرتفع ہوتا ہے،

اور وہ سماء جو ارض کے مقابل ہے مونث ہے اور کبھی مذکر بھی آتا ہے، اور واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد ہے ثُمَّ

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۶ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

اِسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ (پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو) اور کبھی اس کی جمع میں سَمٰوٰتٌ بھی کہا جاتا ہے فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ (پیدا کیا آسمانوں کو) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ (پوچھ کون ہے رب آسمانوں کا) اور اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِہٖ (آسمان پھٹ جائیگا اس دن میں) فرمایا تو مذکر استعمال کیا اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (جب آسمان پھٹ جائے) اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان چر جائے) کہا تو مونث استعمال کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نخل اور شجر اور ان کے قائم مقام دیگر اسماء اجناس کی طرح ہے کہ مذکر بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور مونث بھی[1]، اور واحد نیز جمع کے لفظ سے ان کی تعبیر کی جاتی ہے۔

جو سماء کہ بمعنی مطر (یعنی بارش) ہے وہ مذکر ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اَسْمِیَۃٌ آتی ہے"۔

اور ابن خالویہ لغوی لکھتے ہیں :-

"ہر وہ شئے، جو تجھ پر بلند ہو سماء ہے اور اسی لیے گھر کی چھت سماء سے موسوم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی ان کافروں میں سے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے ہیں جس کو بھی یہ خیال ہو کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ فرمائیگا فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اسے چاہیے کہ ایک رسی تان لے اِلَی السَّمَآءِ یعنی گھر کی چھت میں ثُمَّ لْیَقْطَعْ پھر گلا گھونٹ ڈالے فَلْیَنْظُرْ ھَلْ یُذْھِبَنَّ کَیْدُہٗ مَا یَغِیْظُ اب دیکھے کچھ جاتا رہا اس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ[2]"

امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں رقمطراز ہیں

"سماء یعنی سقف معروف (آسمان) ہے، سُمُوٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں اس میں دونوں لغتیں ہیں، تذکیر بھی اور تانیث بھی،

---

[1] واضح رہے کہ مفردات راغب کے مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے عبارت اس طرح چھپ گئی ہے و وجہ ذلک انھا کالنخل فی الشجر وما یجری مجراہ من اسماء الجنس الذی یذکر و یونث لیکن تاج العروس میں یہ عبارت اس طرح منقول ہے و وجہ ذلک انہ کالنخل والشجر وما یجری مجراھما من اسماء الاجناس التی تذکر و تونث ہم نے اسی عبارت کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔

[2] کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم ص ۳۷ و ۳۸ طبع دار الکتب المصریۃ ۱۳۶۰ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ب ۱۷: ۱۵ و ۱۶، ب ۲۰: ۱ و ۲ و ۱۴ و ۱۶، ب ۲۱: ۲، ۶، ۸، ۱۰ و ۱۴، ب ۲۳: ۱۶، ب ۲۴: ۷، ۱۲، ۱۶

ب ۲۵: ۷ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۷، ب ۲۶: ۱۵ و ۱۸، ب ۲۷: ۲، ۳ و ۴ و ۸، ۱۱ و ۱۲ و ۱۷ و ۱۹

ب ۲۹: ۱ و ۲ و ۵ و ۷ و ۹ و ۱۱ و ۱۳ و ۲۱، ب ۳۰: ۱ و ۴ و ۶ و ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و

ب ۳۰: ۱۳ و ۱۶

سَمّٰعُوْنَ: خوب کان لگا کر سننے والے، جاسوس، سَمْعٌ سے مبالغہ کا صیغہ جمع مذکر، سَمَّاعٌ کی جمع، واضح رہے کہ خوب کان لگا کر سننا کبھی تو جاسوسی کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی قبول کرنے اور ماننے کے لیے، چنانچہ سَمَّاعٌ کا استعمال جاسوس اور مطیع دونوں کے لیے ہوتا ہے، یہاں بھی دونوں معنی بن سکتے ہیں بعض مفسرین نے پہلے معنی اختیار کیے ہیں اور بعض نے دوسرے، ب ۶: ۱۰، ب ۱۰: ۱۳

سِمَانٌ: موٹی، سَمِیْنٌ کی جمع (ملاحظہ ہو سَمِیْنٌ) ب ۱۲: ۶۔

سَمْعٌ: قوت سامعہ، کان، سننا، پہلے دونوں معنی کے اعتبار سے اسم ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے سَمِعَ یَسْمَعُ کا مصدر، امام راغب مفردات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کان کی وہ قوت کہ جس سے آوازیں دریافت کی جاتی ہیں سَمْعٌ ہے اور اس کے فعل کو بھی

ابوالفتح ہمدانی نے کہا ہے تذکیر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کی بنا پر ہوتی ہے اوّل یہ کہ جمع کے معنی ہوں، دوسرے باعتبار لفظ کے تیسرے اس بنا پر کہ وہ جمع مذکر ہے خواہ جمع واقع ہوئی ہو یا نہ ہو اس صورت میں یہ سماءٌ کی جمع ہو گا جیسے عطاءٌ عطاءٌ کی جمع ہے ابوالفتح نے اس کو جمع سے ہی موسوم کیا ہے جو اہل لغت کی اصطلاح ہے لیکن اہل نحو صرف اس کو اسم جمع یا اسم جنس سے موسوم کرتے ہیں اور اس کو جمع نہیں کہتے۔ ابوالفتح کا بیان ہے کہ تانیث دو وجہوں سے ہوتی ہے ایک یہ کہ وہ ان اسماء کے باب سے ہو جو تانیث کے لیے موضوع ہیں جیسے اتان اور عناق ہیں دوسرے یہ کہ وہ اہل حجاز کی لغت پر سماء کی جمع ہے کیونکہ وہ اس قسم کو مونث استعمال کرتے ہیں، چنانچہ ھٰذہ الصخر، ھٰذہ النمر اور ھٰذہ السعیر کو بمعنی صخور اور نمور بولتے ہیں[1]"

ب ۱: ۲، ۳ و ۴، ب ۲: ۱ و ۴، ب ۳: ۹، ب ۶: ۴، ب ۷: ۵، ۷، ۱۰ و ۱۸، ب ۸: ۴ و ۱۲

ب ۹: ۲، ۱۰، ۱۶ و ۱۸، ب ۱۱: ۸، ۹، ۱۲، ب ۱۲: ۴ و ۵، ب ۱۳: ۸، ۱۶، ۱۷ و ۱۸

ب ۱۴: ۳ و ۸ و ۱۴ و ۱۷، ب ۱۵: ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ و ۱۸، ب ۱۶: ۱۱، ب ۱۷: ۱ و ۲ و ۳، ۷، ۹ و ۱۱

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۵۶ طبع منیریہ مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَمْعٌ کہتے ہیں سَمِعَ سَمْعًا آتا ہے اور کبھی سمع سے کان مراد لیا جاتا ہے جیسے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ (اللہ نے مہر کردی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر) اور کبھی لفظ سِمَاعٌ کی طرح اس کا فعل (یعنی سننا) مراد ہوتا ہے جیسے اِنَّھُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (وہ تو سننے سے برطرف کردیے گئے ہیں) اور ارشاد ہے اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ (یا قوت سماعت سے کام لے دل لگاکر) اور کبھی سمجھنا اور کبھی ماننا اس سے مراد لیا جاتا ہے بولتے ہو اِسْمَعْ مَا اَقُوْلُ لَکَ (سن جو میں تجھ سے کہتا ہوں) اور لَمْ تَسْمَعْ مَا قُلْتُ (تو نے سنا نہیں جو میں نے کہا) تمہارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو سمجھا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا (اور جو کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں) اور فرمایا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (سنا ہم نے اور نہ مانا) یعنی ہم نے تیری بات کو سمجھا اور تیرے حکم کو نہ مانا اور اسی طرح ارشاد سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور قبول کیا) ہے،

یعنی ہم نے سمجھا اور حکم مانا اور آیت شریفہ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں) میں یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ "ہم نے سمجھا حالانکہ وہ سمجھتے نہیں" اور یہ بھی کہ "ہم نے سمجھا حالانکہ وہ اس کے مطابق عمل نہیں کرتے" اور جب کسی نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو وہ گویا اس شخص کے حکم میں ہوا کہ جس نے سنا ہی نہیں اور اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا (اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں) یعنی ان کو سمجھا نا بایں طور کہ ان میں وہ قوت کہ جس سے وہ سمجھ لیتے عطا فرما دیتا۔

اور ارشاد وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ (کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو) یہ دو طرح پر بولا جاتا ہے ایک انسان پر بہرا ہونے کی بد دعا کے لیے دوسرے اس کے لیے دعا کے واسطے، پس اول کی مثال تو جیسے اسمعک اللہ ہے یعنی اللہ تجھے بہرا کردے اور دوسرے کی یہ کہ کہا جاتا ہے

عہ پہلی صورت میں غَیْرَ مُسْمَعٍ کے معنی ہونگے "تجھ کو سنائی نہ دے" اور دوسری صورت میں "گالی نہ سنائی جائے"

أَسْمَعْتُ فُلَانًا (میں نے فلانے کو سنائی) جب کہ تم نے اس کو گالیاں دی ہوں، اور اس کا استعمال گالی دینے کے بارے میں متعارف ہے

اور مروی ہے کہ اہل کتاب نبی علیہ السلام والصلوٰۃ سے یہی کہا کرتے تھے، اس گمان میں ڈالنے کے لیے کہ وہ آپ کی تعظیم کرتے اور آپ کے حق میں دعا کرتے تھے۔

اور ہر وہ مقام کہ جہاں اللہ نے اہل ایمان کے لیے سمع کا اثبات فرمایا ہے یا کافروں سے اس کی نفی کی ہے یا سننے پر رغبت دلائی ہے وہاں مقصود معنی پر دھیان کرنا اور اس میں غور وفکر کرنا ہے جیسے أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا (یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں) اور صُمٌّ بُكْمٌ (بہرے ہیں گونگے) اور فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ (ان کے کانوں میں ہے بوجھ)

اور جب اللہ تعالیٰ کو آپ سمع سے موصوف کیجیے گا تو اس سے مراد اللہ کا مسموعات کا علم اور ان کو جزا دینے کا ارادہ فرمانا ہے جیسے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا (سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں) اور لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا (بے شک اللہ نے سُنی اُن کی بات جنہوں نے کہا)۔

اور آیت شریفہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ (البتہ تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو اور نہیں سُنا سکتا بہروں کو اپنی پکار) یعنی تم انہیں سمجھا نہیں سکتے کیونکہ وہ اپنی بد عملی کی بنا پر قوت عاقلہ کو جو کہ انسانیت کی مخصوص حیات ہے گم کر دینے میں مُردوں کی طرح سے ہیں،

اور ارشاد ہے أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ (کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ اس شخص کی زبان سے نکلے گا جو اس کی عجائب حکمت پر مطلع ہوگا، اور اس کے بارے میں مَا أَبْصَرَهُ وَمَا أَسْمَعَهُ نہیں کہا جائیگا کیونکہ سابق میں یہ مذکور ہو چکا کہ حق تعالیٰ شانہ کو صرف اسی صفت سے موصوف کیا جا سکتا ہے جو ذکر مسموع میں وارد ہوا ہو،

اور کفار کے بارے میں جو ارشاد ہے أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا (کیا خوب سُنتے اور دیکھتے ہونگے جس دن آئینگے ہمارے پاس) اس کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اپنی جانوں پر ظلم کرنے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور غور و فکر کے ترک کر دینے کی بنا پر آج ان سے
مخفی اور گم ہیں اس دن ان کو سُن رہے ہونگے
اور دیکھ رہے ہونگے"

سَمْعٌ (بمعنی کان) کا استعمال واحد اور جمع دونوں کے
لیے ہوتا ہے ارشاد ہے خَتَمَ اللهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ
وَعَلٰی سَمْعِهِمْ (اللہ نے مہر کردی ان کے دلوں پر
اور ان کے کانوں پر) کیونکہ حسب تصریح صحاح یہ
اصل میں مصدر ہے، جمع اَسْمَاعٌ اور جمع قلت اَسْمُعٌ
اور جمع الجمع اَسَامِعُ ہے ب ۱۱/۹ ب ۱۲/۲ ب ۱۴/۲،۱۷ ب ۱۵/۴
ب ۱۸/۵ ب ۱۹/۱۵ ب ۲۶/۱۲ ب ۲۹/۲ و ۱۱

سَمْعًا ب ۱۶/۲ ب ۲۶/۳

سَمِعَ: اس نے سُنا، سَمْعٌ اور سَمَاعَۃٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مذکر غائب، ب ۴/۱۰ ب ۲۸/۱

سَمِعَتْ: اس (عورت) نے سُنا، سَمْعٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مونث غائب، ب ۱۲/۱۴

سَمِعْتُمْ: تم نے سُنا، سَمْعٌ سے ماضی کا صیغہ جمع
مذکر حاضر، ب ۵/۱۷

سَمِعْتُمُوْهُ: تم نے اس کو سُنا، اس میں واو
اشباع کا ہے اور ہُ ضمیر واحد مذکر غائب ب ۱۸/۸

سَمْعُكُمْ: تمہارے کان، تمہاری قوت سماعت
سَمْعُ مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ،
ب ۱۱ ب ۲۴/۱۷

سَمِعْنَا: ہم نے سُنا، ہم نے سمجھا، سَمْعٌ سے ماضی
کا صیغہ جمع متکلم، ب ۱/۱۱ ب ۳/۸ ب ۴/۱۱ ب ۵/۴ ب ۶/۶ ب ۹/۱۷ و ۱۸
ب ۱۷/۵ ب ۱۸/۲ و ۱۳ ب ۲۰/۷ ب ۲۱/۱۵ ب ۲۳/۱۰ ب ۲۶/۴ ب ۲۹/۱۱

سَمِعُوْا: انہوں نے سُنا، سَمْعٌ سے ماضی کا صیغہ
جمع مذکر غائب، ب ۷/۱ ب ۱۸/۱۷ ب ۲۰/۹ ب ۲۲/۱۴ ب ۲۹/۱ و ۴

سَمْعِهٖ: اس کا کان، اس کی قوت سماعت
سَمْعِ مضاف، ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ، ب ۲۵/۱۹

سَمِعَهٗ: اس نے اسے سنا، سَمِعَ صیغہ ماضی
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، ب ۲/۶

سَمْعَهُمْ: ان کے کان، سَمْعُ مضاف هُمْ ضمیر
جمع مذکر غائب مضاف الیہ، ب ۱/۲ و ۱ ب ۱۴/۲۰ ب ۲۴/۱۷
ب ۲۶/۳

سَمْكَهَا: اس کا ابھار، اس کی چھت، اس
کی بلندی، سَمْكَ مضاف، هَا ضمیر واحد مونث
غائب مضاف الیہ، سَمْكٌ اصل میں سَمَكَ
يَسْمُكُ کا مصدر ہے، اس کے معنی بلند کرنے کے
ہیں، چھت بھی چونکہ بلند ہوتی ہے اس لیے اس
کو بھی سَمْكٌ کہتے ہیں، ب ۳۰/۴

سَمٰوٰتٍ: آسمان، سَمَآءٌ کی جمع (ملاحظہ ہو

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَمَآء) پ۱: ۳و۴و۱۳و۱۴ — پ۲: ۴ — پ۳: ۲و۸و۱۱و۱۷ — پ۴: ۲و۴و۵
پ۴: ۹و۱۰و۱۱ — پ۵: ۱۵و۱۶ — پ۶: ۳و۷و۹و۱۰ — پ۷: ۳و۶و۷و۸و۱۵و۱۹
پ۸: ۱۴ — پ۹: ۱۰و۱۳ — پ۱۰: ۱۱ — پ۱۱: ۳و۶و۷و۱۱و۱۲و۱۵ — پ۱۲: ۱و۹و۱۰
پ۱۳: ۵و۶و۷و۸و۱۳و۱۴و۱۵و۱۷و۱۹ — پ۱۴: ۶و۷و۱۲و۱۳و۱۶و
پ۱۴: ۱۷ — پ۱۵: ۵و۶و۱۱و۱۲و۱۴و۱۶و۱۹ — پ۱۶: ۷و۹و۱۰ — پ۱۷: ۲و۳و۵
پ۱۷: ۹و۱۵ — پ۱۸: ۴و۵و۱۱و۱۲و۱۵و۱۶ — پ۱۹: ۳و۶و۱۷ — پ۲۰: ۱و۳و۱۷
پ۲۱: ۲و۴و۵و۶و۱۰و۱۱و۱۲و۱۴ — پ۲۲: ۶و۷و۹و۱۳و۱۷
پ۲۳: ۴و۵و۱۰و۱۴و۱۵ — پ۲۴: ۱و۲و۳و۶و۹و۱۱و۱۶
پ۲۵: ۲و۳و۴و۶و۷و۱۳و۱۴و۱۵و۱۷و۱۸و۱۹و۲۰
پ۲۶: ۱و۴و۹و۱۰و۱۴و۱۷ — پ۲۷: ۴و۶و۱۲و۱۷ — پ۲۸: ۲و۴و۶
پ۲۸: ۹و۱۱و۱۳و۱۵و۱۸ — پ۲۹: ۱و۹ — پ۳۰: ۲و۱۰

سَمُوْم: لُو، تیز بھاپ، وہ گرم ہوا جو زہر کا سا اثر کرے "سموم" کہلاتی ہے، مونث ہے سَمَائِمُ جمع

پ۱۴: ۳ — پ۲۷: ۳و۱۵

سَمُّوْهُمْ: تم ان کا نام لو، سَمُّوْا تَسْمِيَةٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔

راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں:۔

"آیت شریفہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ (اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لیے شریک، کہہ ان کا نام لو) سے یہ مراد نہیں ہے کہ لات، عزیٰ وغیرہ ان کے ناموں کا ذکر کردیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ جن کو تم معبود کہتے ہو ان کے متعلق تحقیق بتاؤ نیز یہ کہ ان اسماء کے معانی آیا ان میں موجود بھی ہیں، اسی لیے بعد میں ارشاد ہے اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (یا اللہ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں)"

(ملاحظہ ہو تَسْمِيَةٌ) پ۱۳: ۱۱

سَمِيًّا: ہم نام، نظیر، امام راغب لکھتے ہیں:۔

"آیت کریمہ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (کسی کو پہچانتا ہے تو اس کے نام کا) یعنی اس کی کوئی نظیر جانتے ہو جو اس کے نام کا مستحق ہو یا اس کی صفت سے متصف کہ حقیقتاً اس کا استحقاق رکھتا ہو، اور یہ معنی نہیں ہیں کہ "آیا کسی کو پاتے ہو جو اس کے نام سے موسوم ہو" کیونکہ اللہ کے بہت سے اسماء ہیں جن کا غیر پر بھی اطلاق ہوتا ہے لیکن اللہ کے لیے جب ان کا استعمال ہو تو وہ معنی نہیں ہوتے جو غیر کے لیے استعمال کرتے وقت ہوتے ہیں" پ۱۶: ۴و۷

سَمَّيْتُمُوْهَا: تم نے ان کا نام رکھ لیا ہے، سَمَّيْتُمْ تَسْمِيَةٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر، واو اشباع کا اور هَا ضمیر واحد مونث غائب ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جو جمع کیلیے استعمال کی گئی ہے، راغب لکھتے ہیں:
"آیت کریمہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَا (کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے) کے معنی یہ ہیں کہ جن ناموں کا تم ذکر کرتے ہو ان کے مسمیات نہیں ہیں بلکہ یہ اسماء ایسے ہیں جو بغیر مسمی کے ہیں کیونکہ ان ناموں کے اعتبار سے بتوں کے بارے میں جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں اس کی حقیقت ان میں پائی ہی نہیں جاتی"

۸/۱۶ ، ۱۲/۱۵ ، ۲۷/۵

سَمَّیْتُھَا: میں نے اس کا نام رکھا، سَمَّیْتُ تَسْمِیَۃً سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم، ھَا ضمیر واحد مونث غائب (ملاحظہ ہو تَسْمِیَۃ) ۳/۱۲

سَمِیْعٌ: سننے والا، سَمْعٌ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ، اسماء حسنیٰ میں سے ہے، جب یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت واقع ہو تو اس کے معنی ہیں "ایسی ذات جس کی سماعت ہر شے پر حاوی ہے"

۱/۱۵و۱۶ ، ۲/۱۲و۱۶و۱۶ ، ۳/۲و۱۲ ، ۴/۴ ، ۶/۱۴ ، ۷/۸ ، ۸/۱
۹/۱۴و۱۶ ، ۱۰/۱و۳و۴ ، ۱۱/۱و۲و۱۲ ، ۱۲/۲و۱۳ ، ۱۳/۱۸ ، ۱۵/۱
۱۷/۱و۱۵و۱۷ ، ۱۸/۹و۱۳ ، ۱۹/۱۵ ، ۲۰/۱۳ ، ۲۱/۲و۱۲ ، ۲۲/۱۲
۲۴/۷و۱۱و۱۹ ، ۲۵/۳و۱۴ ، ۲۶/۱۳ ، ۲۸/۱

سَمِیْعًا ۵/۵و۱۶ ، ۶/۱ ، ۲۹/۱۹

سَمّٰکُمْ: اس نے تمہارا نام رکھا، سَمّٰی تَسْمِیَۃً سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر، (ملاحظہ ہو تسمیۃ) ۱۷/۱۴

سَمِیْنٍ: فربہ، موٹا تازہ، سَمِنٌ سے جس کے معنی فربہ ہونے کے ہیں، بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ، سِمَانٌ جمع ۲۶/۱۹

فصل النون

سِنّ: دانت، اَسْنَانٌ جمع، ۶/۱۱

سَنَا: چمکدار روشنی، بعض اہل لغت نے اس کو "بجلی کی چمک" کے ساتھ مخصوص کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ لفظ عام ہے، بجلی کی کوند ہو یا آگ کی چمک، ہر تیز روشنی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک نظم کہی ہے جن میں ان الفاظ کو شمار کرایا ہے جن کو معرب بتایا گیا ہے اس میں سنا بھی مذکور ہے[2] لیکن امام سیوطی نے لکھا ہے کہ مجھے پتہ نہیں چلا کہ کسی اور نے بھی ایسا کہا ہو[3] ۱۸/۱۲

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاج العروس [2] یہ نظم فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۳ و ۲۰۴ طبع مصر میں مذکور ہے [3] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu, An eGangotri Initiative

سَنَابِلَ: بالیں، خوشے، سُنْبُلُ کی جمع، ۳/۴

سُنْبُلٰتٍ: بالیں، خوشے، سُنْبُلَۃٌ کی جمع ۱۲/۱۶

سُنْبُلَۃٍ: بال، خوشہ، ۳/۴

سُنْبُلِہٖ: اس کی بال، اس کا خوشہ سُنْبُلِ مضاف، ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، ۱۲/۱۶

سُنَّتِنَا: ہمارا دستور، سُنَّتِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ (ملاحظہ ہو سُنَّۃَ) ۱۵/۸

سُنْدُسٍ: باریک ریشم، لاہی، باریک دیبا علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں:

جوالیقی نے کہا ہے کہ فارسی میں اس کے معنی باریک دیبا کے ہیں، اور لیث کہتے ہیں کہ ارباب لغت اور مفسرین میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں کہ یہ معرب ہے، شیدلہ نے اس کو ہندی بتایا ہے"[1] ۱۵/۱۶ ۲۵/۱۶ ۲۹/۱۹

سُنَنٌ: راہیں، طریقے، سُنَّۃٌ کی جمع ۴/۵ ۵/۲

سَنَۃٌ: سال، برس، سِنُوْنَ، سَنَہَاتٌ

سَنَوَاتٌ جمع سَنَۃٌ کی اصل سَنْہَۃٌ تھی جَبْہَۃٌ کی طرح پھر اس کا لام کلمہ حذف کرکے اس کی حرکت نون کی طرف نقل کردی گئی تو سَنَۃٌ باقی رہ گیا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی اصل سَنْوَۃٌ تھی واو کے ساتھ (اور جس طرح کہ ہا کو حذف کیا گیا) واو کو حذف کردیا گیا ہے، علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے قاموس میں اس کو باب ہا میں تو اس بنا پر ذکر کیا کہ اس کا لام کلمہ ہا ہے اور معتل میں دوبارہ اس لیے بیان کیا کہ اس کا لام کلمہ واو ہے اور دونوں وجہیں صحیح ہیں گو بعض نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ تصریف لفظی دونوں کی شاہد ہے،[2] امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:-

"السنۃ اس کی اصل کے بارے میں دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ اس کی اصل سَنْہَۃٌ ہے کیونکہ وہ بولتے ہیں ساہنت فلانا یعنی میں نے فلاں سے سال کے سال معاملہ کیا، نیز تصغیر میں سُنَیْہَۃٌ کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اسی سے لَمْ یَتَسَنَّہْ ہے یعنی سالوں کے اس پر گزر جانے سے نہیں بدلا اور اس کی طراوت نہیں گئی، اور[2] کہا گیا ہے کہ اس کی اصل ولوٌ

---

[1] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۸ طبع مصر [2] تاج العروس باب الہاء فصل السین۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سے ہے کیونکہ سَنَوَاتٌ بولتے ہیں، اور اسی سے سَانَیْتُ ہے اور ہا وقف کے لیے ہے جیسے کہ کِتَابِیَہْ اور حِسَابِیَہْ میں ہے"

ابن السکیت جو لغت کے امام ہیں فرماتے ہیں:۔

اہل عرب کے یہاں سنہ بارہ مہینوں کا نام ہے انہوں نے سنہ کو ۲ دو حصوں (شتاء اور صیف) میں تقسیم کردیا ہے اور سنہ کی ابتدا اول شتاء (ابتداء سرما) سے شروع کی کیونکہ وہ مذکر ہے اور صیف (گرما) مونث ہے، پھر شتاء کے بھی ۲ دو حصے کیے، نصف اول کا نام شتوی ہے اور نصف آخر کا ربیع، پس شتوی بھی تین مہینے کا ہوا اور ربیع بھی تین مہینے کا، اور تین مہینے صیف کے رکھے اور تین قیظ کے[1]

سنہ کی ۲ دو قسمیں ہیں ایک قمری یا ہلالی دوسرے شمسی، قمری سال کا شمار رویت ہلال سے ہے، سال میں بارہ مرتبہ چاند ہلال بن کر افق آسمان پر نمودار ہوتا ہے جس سے سنہ قمری کے بارہ مہینے شمار ہوتے ہیں اور شمسی سنہ آفتاب کے بارہ برجوں کو قطع کرنے کی مدت کا نام ہے[2]، احکام شرعیہ میں سنہ قمری معتبر ہے۔

عَامٌ اور سَنَۃٌ میں آیا کوئی فرق ہے یا نہیں، تو واضح رہے کہ قاموس میں عَامٌ کی تشریح میں لفظ سَنَۃٌ اور سَنَۃٌ کی تشریح میں لفظ عَامٌ مذکور ہے

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لغوی، اپنے شیخ (محمد بن الطیب فاسی لغوی شارح قاموس) سے ناقل ہیں کہ "ان دونوں کے اتحاد پر ہی مصنف (قاموس) گئے ہیں لہذا انہوں نے ان میں سے ہر ایک کی تفسیر دوسرے لفظ سے کی ہے" لیکن دیگر علماء عربیت نے ان دونوں کے باہم فرق بیان کیا ہے، چنانچہ علامہ موہوب بن احمد جوالیقی فرماتے ہیں:

"کہ عوام الناس عَامٌ اور سَنَۃٌ میں باہم فرق نہیں کرتے اور دونوں کے ایک ہی معنی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اور صحیح وہ ہے جس کے متعلق مجھے احمد بن یحییٰ سے اطلاع ملی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ سَنَۃٌ جس دن

---

[1] تاج العروس فصل السین من باب الواو والیاء،

[2] بطرس بستانی نے دائرۃ المعارف میں قاموس کے حوالہ سے سنہ شمسی کی مذکورہ بالا تحدید نقل کی ہے لیکن مجھے قاموس میں نہیں ملی، (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف لفظ سنہ ج ۱ ص ۱۴۳ طبع الہلال مصر ۱۸۹۸ء

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سے بھی تم شمار کرو (آئندہ سال کے) اسی دن تک ہے، اور عام بغیر "شتاء" اور "صیف" کے نہیں ہوتا، سنة اور عام ایک شے سے متفق نہیں ہیں، لہذا جب تم آج سے لے کر آج ہی دن تک شمار کروگے تو وہ سنة ہوگا، اس میں نصف شتاء اور نصف صیف داخل ہو جائیگا۔ اور عام جب تک کہ صیف اور شتاء (دونوں موسم کامل طور پر) نہ ہوں نہیں ہوتا، چنانچہ اول میں تو چوتھائی (اس برس کا) اور چوتھائی (اگلے برس کا) اور نصف (اس سال کا) اور نصف (اس سال کا) آجائیگا، اور جب یہ قسم کھائے کہ لا یکلمہ عاما اس سے ایک عام کے لیے بات نہ کرے گا تو کچھ اس میں کا اور کچھ اس میں کا شامل نہیں ہوگا بلکہ "شتاء" اور "صیف" ہی مراد ہونگے پس لفظ "عام" "سنة" سے اخص ہے اور اس بنا پر تم کہوگے کہ ہر "عام" "سنة" ہے اور ہر "سنہ" "عام" نہیں ہے"۔

اور علامہ ازہری کہتے ہیں :۔

"عام وہ سال ہے جو موسم سرما اور موسم گرما کے ساتھ آتا ہے اور اس بنا پر "عام" "سنة" کی نسبت سے اخص مطلق ہے اور جب کسی دن سے لے کر اسی دن تک (سال کا) شمار کرو، تو وہ "سنہ" کہلائیگا، اور اس میں کبھی نصف گرما اور نصف سرما بھی ہوگا، اور "عام" میں صیف و شتاء لگاتار ہوتے ہیں"۔ ۱

اور امام سہیلی الروض الانف میں ان کے باہمی فرق میں یہ رقم طراز ہیں :۔

""سنہ" عام سے لمبا ہوتا ہے یہ آفتاب کے دوروں میں سے ایک دورہ ہے اور برخلاف سنة کے عام کا استعمال عربی مہینوں کے لیے ہوتا ہے" ۲

اور امام راغب اصفہانی نے ایک اور فرق بیان کیا ہے:

"عام 'سنة' کی طرح ہی سے ہے، لیکن بسا اوقات سنہ کا استعمال اس سال کے لیے ہوتا ہے جس میں سختی یا قحط ہو، اور اسی لیے قحط کی تعبیر لفظ سنہ سے کی جاتی ہے، اور عام کا استعمال اس برس کے لیے ہوتا ہے جس میں فراخی اور سرسبزی ہو، ارشاد ہے فیہ یغاث الناس و

۱؎ اہل عرب نے سال کی جو دو حصوں میں تقسیم کی ہے اس کا بیان ہے "شتاء سے (موسم سرما) نصف اول مراد ہے اور صیف (موسم گرما) سے نصف ثانی۔ ۲؎ اس اصطلاح کے لیے ملاحظہ ہو لفظ رسول۔

۳؎ ان تینوں حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو تاج العروس، فضل العین من باب المیم۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فیہ یَعْصِرُوْنَ (ایک برس اس میں مینہ برسیگا
لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑینگے)

پ ۱/۱۱ پ ۶/۸ پ ۱۷/۱۳ پ ۲۰/۱۴ پ ۲۱/۱۴ پ ۲۶/۲ پ ۲۹/۷

سِنَۃٌ: اونگھ، غفلت، غنودگی، وَسِنَ یَوْسَنُ کا مصدر ہے اس کے معنی غنودگی سے بے ہوش ہونے کے آتے ہیں، سِنَۃٌ اصل میں وَسْنٌ تھا، عِدَۃٌ کی طرح سے اسن کی ہا، واو محذوف کے بدلہ میں ہے، پ ۳/۲

سُنَّۃٌ: راہ، رسم، دستور، طریقہ جاریہ، اسم ہے، سُنَنٌ جمع، سَنٌّ کا استعمال متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ من جملہ اس کے دستور جاری کرنے کے معنی بھی ہیں، چنانچہ تاج المصادر میں مرقوم ہے،

"السن وبنهادی نهادن ومنه الحدیث
سَنَّ لَکُمْ مُعَاذٌ"

سنۃ اسی معنی کے اعتبار سے اس کا اسم ہے، راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔

"سنۃ النبی سے مراد وہ طریقہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتخاب فرماتے تھے، اور سنۃ اللہ کا استعمال حق تعالیٰ کے دستورِ حکمت اور طریقۂ طاعت کے لیے ہوتا ہے جیسے سُنَّۃَ اللہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللہِ تَبْدِیْلًا (رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے، اور تو ہرگز نہ دیکھیگا اللہ کی رسم کو بدلتے) اور وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللہِ تَحْوِیْلًا (اور ہرگز نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلنا) یہ اس پر تنبیہ ہے کہ شریعتوں کے احکام فروعی کی گرچہ صورتیں مختلف ہیں، لیکن جو غرض کہ ان سے مقصود ہے یعنی نفس کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اس کے قرب تک رسائی کے لیے آمادگی وہ مختلف و متغیر نہیں ہوتی"

پ ۹/۱۹ پ ۱۴/۱ پ ۱۵/۱۰،۹،۸ پ ۲۲/۱۷،۵،۲ پ ۲۴/۱۴ پ ۲۶/۱۱

سِنِیْنَ: سال، برس، قحط، سَنَۃٌ کی جمع۔ مصباح میں ہے کہ

"سَنَۃٌ کی جمع، جمع مذکر سالم کی طرح آتی ہے چنانچہ سُنُوْنَ اور سِنِیْنَ بولا جاتا ہے اور اضافت کے لیے نون حذف ہو جاتا ہے، اور ایک لغت (بولی) میں تمام حالتوں میں 'یا' برقرار رہتی ہے، اور نون کو حرف اعراب قرار دیا جاتا ہے جس کو نکرہ ہونے کی حالت میں تنوین دی جاتی ہے اور اضافت میں حذف نہیں کیا جاتا گویا کہ وہ اصول کلمہ میں ہے اور اسی لغت پر یہ حدیث ہے،

اللھم اجعلھا سِنِیْنًا کَسِنِیْنِ یوسف"

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سابق میں راغب کی تصریح گزر چکی ہے، کہ سنۃ کا
استعمال بسا اوقات سالِ قحط کے لیے ہوتا ہے وَلَقَدْ
أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ (اور ہم نے پکڑلیا
فرعون والوں کو قحطوں میں) میں سنین سے سالہائے
قحط ہی مراد ہیں، تاج العروس میں تصریح ہے کہ یہ
اس کے مجازی معنی ہیں۔ پ ۹/۶ پ ۱۱/۶ پ ۱۲/۱۵و۱۶ پ ۱۵/۲و۱۳و۱۶
پ ۱۶/۱۱ پ ۱۸/۶ پ ۱۹/۶و۱۵ پ ۲۱/۴

فصل الواو

سُوْءٌ: بُرائی، آفت، گناہ، بُرا کام، عیب، سُوء
سے اسم ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے لکھا ہے کہ
یہ آفات و امراض کا ایک جامع نام ہے[1] امام راغب
فرماتے ہیں:-
"سُوْءٌ ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈال دے
خواہ دنیوی امور میں سے ہو یا اخروی امور
سے، احوالِ نفسیہ میں سے ہو یا احوالِ بدنیہ میں
سے، یا ان حالات میں سے ہو کہ جو جاہ و مال
کے چھوٹ جانے اور دوست کے بچھڑ جانے
سے پیدا ہوتے ہیں۔"
قرآن مجید میں اس کا استعمال جن معانی میں ہوا ہے

امام سیوطی نے ان کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے،
فرماتے ہیں:-
"سُوْءٌ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے، شدت
کے لیے يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (وہ کرتے
تھے تم پر سخت عذاب) کونچیں کاٹنے کے لیے وَلَا
تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ (اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح
یعنی ناقہ کی کونچیں نہ کاٹ ڈالنا) زنا کے لیے
مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا (اور کچھ سزا
نہیں ہے ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں
بُرائی یعنی زنا) برص کے لیے بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ
سُوءٍ (سفید بغیر عیب یعنی برص کے) عذاب کے
لیے إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ
(بے شک رسوائی آج کے دن اور بُرائی منکروں
پر ہے) شرک کے لیے مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ
(ہم تو کرتے نہ تھے کچھ بُرائی یعنی شرک) گالی
گلوچ کے لیے لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ
(اللہ پسند نہیں کرتا کسی بری بات کو یعنی کسی کی
دشنام طرازی کو) وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ (اور
کھولیں) اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ) گناہ کے
لیے يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ (کرتے ہیں بُرا

[1] تاج العروس فصل السین من باب الہمزہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کام جہالت سے) بِئْسَ (برا ہے) کے معنی میں ہو، لَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ (اور ان کے لیے ہے برا گھر) ضرر کے لیے وَيَكْشِفُ السُّوْءَ (اور دور کر دیتا ہے سختی) وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچی) قتل و ہزیمت کے لیے لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ (نہ پہنچی ان کو کچھ آنچ)"[1]

پ ۱/۶ پ ۲/۵

پ ۳/۱۱ پ ۴/۹و۱۴ پ ۵/۱۳و۱۵ پ ۶/۱ پ ۷/۱۲ پ ۸/۷و۱۷ پ ۹/۶،۱۱و۱۳ پ ۱۰/۱۱ پ ۱۲/۵،۶،۱۳و۱۷ پ ۱۳/۱،۸،۹و۱۳ پ ۱۴/۱۰،۱۳،۱۹و۲۱ پ ۱۶/۱۰ پ ۱۹/۱۲و۱۶ پ ۲۰/۷ و ۱ پ ۲۱/۱۸ پ ۲۲/۱۴ پ ۲۳/۱۷ پ ۲۴/۲،۳،۵،۱۰و۱۱ پ ۲۶/۶ پ ۲۸/۷ ۔

سَوْءٍ: برا ہونا، سَاءَ يَسُوْءُ کا مصدر ہے۔

پ ۱۱/۱ پ ۱۶/۵ پ ۱۷/۵،۶ پ ۱۹/۲ پ ۲۶/۹،۱۰

سَوَاءٌ: برابر، اسم مصدر ہے بمعنی استوا یعنی دونوں طرف سے بالکل برابر ہونے کے نہ اس کا تثنیہ بنایا جاتا ہے نہ جمع۔[2]

امام سیوطی، اتقان میں لکھتے ہیں:-

"(سَوَاءٌ) بمعنی مستوی (برابر) ہوتا ہے، کسرہ کے ساتھ اس میں قصر ہوگا جیسے مَكَانًا سُوًى (جگہ برابر یعنی صاف اور ہموار) اور فتحہ کے ساتھ مد جیسے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے) اور بمعنی وسط بھی آتا ہے، اس صورت میں بھی فتحہ کے ساتھ مد ہوگا جیسے فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ (بیچوں بیچ دوزخ کے) اور بمعنی تمام کے بھی اس صورت میں بھی ایسا ہی ہوگا جیسے فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً (چار دن میں پورا ہوا) اور وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ (اور بتلا دے ہم کو پوری راہ) بھی اسی معنی میں ہو سکتا ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ بمعنی غیر (سوائے) کے نہیں آیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ آیا ہے، چنانچہ البرہان[3] میں آیت فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (وہ بہک گیا غیر راستہ کو) کو اسی سے قرار دیا ہے، حالانکہ یہ وہم ہے اور اس سے بہتر تو کلبی کا قول ہے جو ارشاد الٰہی وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى (اور نہ تو سوائے اس جگہ کے) کے بارے میں ہے کہ سوی استثنائیہ ہے اور مستثنیٰ محذوف ہے ای مکانا سوی هذا المکان، کرمانی نے اس کو اپنی کتاب عجائب میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں بعد ہے

---

[1] الاتقان ج ۱ ص ۱۴۲ طبع مصر ۱۳۴۳ھ [2] روح المعانی ج ۱ ص ۱۱۹ طبع مصر

[3] البرہان فی مشکلات القرآن، علامہ ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک المعروف بشیدلہ کی مشہور تصنیف ہے۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کیونکہ سوی استثنائیہ بغیر مضاف ہوئے استعمال ہی نہیں ہوتا" [۱]

پ ۱/۱و۱۳ ، پ ۳/۱۵ ، پ ۴/۳ ، پ ۵/۹ ، پ ۶/۷و۱۳و۱۴ ، پ ۹/۱۴ ، پ ۱۰/۳

پ ۱۳/۸و۱۵ ، پ ۱۴/۱۶ ، پ ۱۷/۷و۱۰ ، پ ۱۹/۱۱ ، پ ۲۰/۶ ، پ ۲۱/۷ ، پ ۲۲/۱۸

پ ۲۳/۶و۱۱ ، پ ۲۴/۱۶ ، پ ۲۵/۱۶و۱۸ ، پ ۲۷/۳ ، پ ۲۸/۷و۱۳

سَوْاٰتِكُمْ: تمہاری شرم گاہیں، سَوْاٰتِ سَوْءَۃٌ کی جمع مضاف ہے۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، (ملاحظہ ہو سَوْءَۃ) پ ۸/۱۰

سَوْاٰتِهِمَا: ان دونوں کی شرم گاہیں، سَوْاٰتِ مضاف، هُمَا ضمیر تثنیہ غائب، مضاف الیہ پ ۸/۹و۱۰ پ ۱۶/۱۶

سُوَاعًا: ایک بت کا نام، مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :۔

اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا، ممکن ہے کہ سوع سے مشتق ہو جس کے معنی زمانہ کے ہیں"۔ [۲]

قرآن مجید میں سورہ نوح کے اندر وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر کے نام آئے ہیں، ابن جریر طبری، اور ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں پرستش کی جاتی تھی، [۳] بعد میں زمانہ جاہلیت کے اندر عرب کے مختلف قبیلوں میں بھی ان کی پوجا کا سلسلہ جاری تھا، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ارض القرآن میں اصنام العرب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت گزشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا تھا، ممکن ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں، نسر کے متعلق تو یہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے، اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے' بعد میں مرور زمانہ سے ان کی اصلیتیں ذہنوں سے اتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے، چنانچہ لات، عُزّیٰ اور منات کی یہی صورت تھی، لات گول سپید پتھر تھا اور اس پر ایک عمارت بنی تھی، عزّیٰ ایک درخت تھا اس کے نیچے ایک بت تھا، چاروں طرف چار دیواری تھی۔ منات پتھر کی ایک چٹان تھی

---

[۱] الاتقان ج ۱ ص ۱۶۳ طبع مصر [۲] ارض القرآن ج ۲ ص ۲۳۶ طبع معارف پریس [۳] تفسیر امام ابن جریر طبری ج ۲۹ ص ۵۴ اور الدر المنثور امام سیوطی ج ۶ ص ۲۶۹ طبع میمنیہ مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

دوسرے بتوں کی مختلف صورتیں تھیں۔

وَدّ دراز قد مرد کی مورت ایک تہمد کمر میں لپیٹے، ایک چادر اوڑھے، گلے میں تلوار حمائل کمان لٹکی ہوئی، ایک طرف ترکش پڑا ہوا، سامنے نیزہ اس میں جھنڈا بندھا ہوا، ستارہ جبار کی تقریباً یہی شکل ہے۔ سواع کی شکل عورت کی تھی، آسمان میں مرأۃ مسلسلہ، ذات الکرسی وغیرہ عورت کی شکلیں ہیں، یغوث (فریادرس) کی شکل شیر کی تھی، ستارہ اسد ہوگا، ایک فریادرس اور مددگار کی مورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جاسکتی ہے؟ یعوق (مصیبتوں کو رد کرنے والا) کی صورت گھوڑے کی تھی، ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے، عربوں کے نزدیک تو فرس حقیقۃً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے، نسر ایک پرندہ کی شکل پر تھا، نسر طائر اور واقع ستاروں کی دو مشہور شکلیں ہیں، بابل میں نسروک کی جو سنگی مورت ملی ہے وہ بالکل گدھ کی شکل ہے[۱]

لیکن ہمارے نزدیک اس سارے بیان میں اتنی حقیقت تو بلا شبہ صحیح ہے کہ نسر طائر اور نسر واقع آسمان میں ستاروں کی دو مشہور شکلوں کے نام ہیں، باقی اس سے زیادہ جو کچھ ہے اس کے پیچھے جب تک تاریخی شواہد نہ ہوں قیاس آرائی سے زیادہ اس کی کیا وقعت ہے چنانچہ سید صاحب نے بھی اس کو "زیادہ صحیح خیال" ہی فرمایا ہے، نیز اس کے قیاس ہونے کی بھی بایں الفاظ تصریح کر دی ہے کہ،

"نسر کے متعلق تو بہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک شکل کا نام ہے اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے"

گو یہ قیاس بھی مطرد نہیں کہ بعض میں تو بہ تکلف چلتا ہے اور بعض میں سرے سے اس کی گنجائش ہی نہیں رہتی، ہوا یہ کہ اولاً نسر سے ذہن "نسر واقع" اور "نسر طائر" کی طرف منتقل ہوا۔ پھر وَدّ اور سُواع کے بارے میں قیاس سے کام لیا تو تیر نشانہ پر بیٹھتا نظر آیا، چونکہ یہاں زمینی مورتوں اور آسمانی شکلوں میں مشابہت نظر آئی اس لیے ان دونوں کے بارے میں معنوی مناسبت کو نظر انداز کیا گیا "یغوث" اور "اسد" "یعوق" اور "فرس" میں بہ تکلف معنوی مناسبت پیدا کی گئی، اور شیر کو جو حیوان مفترس اور حقیقت میں ایک خونخوار درندہ ہے فریادرس بنا کر ستارہ "اسد" کی خیالی صورت کا بت قرار دیا گیا "لات" "عزیٰ" اور "منات" میں

---

[۱] ارض القرآن ج ۲ ص ۲۳۷ و ۲۳۸

قیاس کیا کام دیتا اس لیے یہ کہدیا کہ مرور زمانہ سے ان کی اصلیتیں ذہنوں سے اتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے" ہم پوچھتے ہیں کہ اگر عرب کے بت اصل میں مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں، تو بتایا جائے کہ لات، عزیٰ اور منات کن ستاروں کی خیالی صورتیں ہیں، نیز ستارہ جبار کی خیالی صورت کی مورت کا نام وَدّ کس مناسبت سے پڑ گیا تاریخی چیزوں میں محض قیاس سے کیا کام چل سکتا ہے، پھر یہ امر خود اپنی جگہ ثبوت طلب ہے کہ یغوث کی شکل شیر کی اور یعوق کی صورت گھوڑے کی اور نسر کی مورت پرندہ کی تھی، سید صاحب نے لکھا ہے کہ بتوں کی یہ شکلیں فتح الباری تفسیر سورۂ نوح میں مذکور ہیں[1]" لیکن دشواری یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جو فتح الباری کے مصنف ہیں وہ خود اس بات پر اعتماد نہیں کرتے، چنانچہ حافظ صاحب نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

وحکی الواقدی قال	اور واقدی نے بیان کیا ہے
کان ود علی صورۃ	کہ وَدّ مرد کی شکل پر تھا اور
رجل وسواع علی	سواع عورت کی شکل پر
صورۃ امرأۃ و	اور یعوق گھوڑے کی شکل
یغوث علی صورۃ	پر اور نسر پرندہ کی شکل
فرس و نسر علی صورۃ	پر اور یہ بیان شاذ ہے اور
طائر وھذا شاذ و	مشہور یوں ہے کہ یہ سب
المشھور انھم کانوا	بت انسانی شکل کے تھے
علی صورۃ البشر وھو	اور یہی ان آثار کا مقتضیٰ
مقتضی ما تقدم من	ہے جو ان کی پوجا کی وجہ
الآثار فی سبب	کے سلسلہ میں گزر چکے
عبادتھا[2]	ہیں۔

ایسی حالت میں واقدی کے بیان کی خصوصاً آثار کی سلف کی موجودگی میں جو وقعت ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔

اور بالفرض اگر واقدی کا بیان صحیح بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اس کے معارض نہیں کہ یہ بت گزشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ معنوی طور پر ان کی صفات کے مجسمے ہوں۔ وَدّ مردانگی میں کامل شخص کا مجسمہ اور سواع عبادت میں کامل عورت کی مورت اور یغوث مرد شجاع کی صورت اور یعوق سبقت لے جانے والے اور توانا کی شکل، اور نسر بڑی عمر والے بزرگ کی

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ ارض القرآن ج ۲ ص ۲۳۸

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۵۴۳ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شبیہ، چنانچہ علامہ بقاعی کی یہی رائے ہے[1]۔

علاوہ ازیں یہ خیال زیادہ صحیح اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ بت پرستی کے شروع ہونے سے پہلے ستاروں کی خیالی صورتیں متعین ہو چکی تھیں اور بحیثیت دیوتا کے ان کی پرستش کی جاتی تھی، حالانکہ خود سید صاحب ابتدائی بحث میں فرما چکے ہیں کہ

"مذہب کی ابتدائی تاریخ کا منظر "اعاظم پرستی" عرب میں موجود تھی صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رض سے مروی ہے کہ عرب کے مشہور بت لات، ود، یغوث وغیرہ پہلے زمانہ کے بزرگوں کے نام ہیں، بعد میں اہل عرب ان کی مورتیں بنا کر پوجنے لگے، قرآن مجید ذیل کی آیت پاک میں اسی مذہب کی تردید کرتا ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ (اعراف) — خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہو تمہاری ہی طرح مخلوق ہیں۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم) — آسمان اور زمین میں جو چیز بھی ہے وہ خدا کے سامنے غلام بن کر آنے والی ہے[2]۔

صحیح بخاری کی جس روایت کا حوالہ سید صاحب نے دیا ہے وہ بروایت عطا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ وہ بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں تھے بعد میں عرب میں رائج ہو گئے، چنانچہ وَدّ دومۃ الجندل میں کلب کا بت تھا، ہذیل کا سُواع تھا، یغوث پہلے مراد کا تھا، پھر سبا کے نزدیک جرف میں بنی غطیف کا ہوا، یعوق ہمدان کا تھا، اور نسر حمیر میں سے آل ذی الکلاع کا، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک مردوں کے نام تھے جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں یہ لوگ بیٹھے تھے وہاں ان کے مجسمے کھڑے کر کے ان مجسموں کو ان ہی کے نام پر موسوم کر دیا جائے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اُس وقت ان کی پرستش ہوئی نہیں تا آنکہ یہ لوگ مر کھپ گئے اور ان مجسموں کے متعلق مخصوص معلومات جاتی رہی تب ان کی پوجا ہونے لگی[3]۔

گو حسب تصریح ائمہ بخاری کی یہ روایت منقطع ہے[4]

---

[1] الفتوحات الالہیہ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیہ معروف بہ حاشیہ جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۱ طبع مصر ۱۳۵۲ھ

[2] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۹۱ [3] صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۂ نوح، باب ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق۔

[4] ملاحظہ ہو ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۴-۱۰۵ طبع خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ اور عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۷۰ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

لیکن مفسرین سلف میں سے عکرمہ، ضحاک، قتادہ، اور ابن اسحٰق سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے۔[1] ابن ابی حاتم نے عروہ بن زبیر سے جو مشہور تابعی ہیں روایت کیا ہے کہ یہ پانچوں حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد میں سے تھے۔[2] ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عمر بن شبہ نے کتاب مکہ میں محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔[3]

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ لوگوں کا خیال ہے یہ مجوسی تھے ان کے مجسمے طوفان میں غرق ہو گئے تھے جب پانی خشک ہوا تو ابلیس نے ان کو نکال کر زمین میں پھیلا دیا، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کو مجوس کہنا غلط ہے کیونکہ مجوسیت اس کے زمانۂ دراز کے بعد پیدا ہوئی ہے۔[5]

امام سہیلی، التعریف والاعلام فیما ابہم فی القرآن من الاسماء والاعلام میں لکھتے ہیں کہ

"مجھے یہ پتہ نہیں کہ یہ نام عربوں تک کس طرح پہنچے آیا ہندوستان کی طرف سے آئے کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بت پرستی کا مبدا یہی لوگ تھے یا شیطان نے عرب کو اس کا الہام کیا"

علامہ محمد بن علی معروف بابن عسکر نے اس کتاب پر ایک ذیل لکھا ہے جس کا نام ہے التکمیل والاتمام اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ امام موصوف کا یہ بیان تفسیر شیخ الاسلام بقی بن مخلد سے ماخوذ ہے اس میں مذکور ہے "کہ یہ نام ہندوستان پہنچے تو اہل ہند نے اپنے بتوں کو ان اسماء سے موسوم کیا، پھر عرب کی سرزمین میں عمرو بن لحی نے ان ناموں کو داخل کیا ہے۔[6]"

ابو المنذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی المتوفی ۲۰۴ھ کی کتاب الاصنام، استاذ احمد زکی پاشا کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مصر میں شائع ہو چکی ہے جو عرب کی بت پرستی کی تاریخ پر دور اول کے مسلمان مورخین کی قدیم یادگار ہے، ہشام بن الکلبی اگرچہ حدیث میں معتبر نہیں لیکن تاریخ و نسب کا بڑا علامہ تھا، اس نے اپنے باپ محمد بن السائب الکلبی سے نقل کیا ہے کہ عمرو بن لحی کاہن تھا اسے جن نظر آتا تھا، جن نے اس سے کہا تھا کہ تہامہ سے جدہ کے ساحل پر جا، وہاں تجھے تیار شدہ بت ملینگے انہیں وہاں سے

---

[1] تفسیر حافظ ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۶ طبع مصر ۱۳۵۶ھ [2] الاتقان امام سیوطی ج ۱ ص ۱۴۲ طبع مصر
[3] روح المعانی ج ۲۹ ص ۷۰ طبع مصر [4] فتح الباری ج ۸ ص ۵۴۲
[5] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۴۲ [6] ایضاً

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

لاکر عرب کو ان کی پرستش کی دعوت دے اہل عرب
تیری دعوت کو مان لینگے، چنانچہ وہ جدہ پہنچا، بتوں
کو کھود کر اپنے ساتھ لیا اور حج کے موقع پر سارے عرب
کو ان کی پرستش کی طرف دعوت دی، عوف بن عذرہ
نے جو بنی کلب میں سے تھا اس کی دعوت کو قبول
کیا، اور عمرو نے اسے "ود" دے دیا، عوف اسے اپنے
ساتھ لے کر دومۃ الجندل آیا، بنو مضر بن نزار نے بھی
عمرو کی بات مانی تو اس نے ہذیل کے ایک شخص کو
جسے حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن
الیاس بن مضر کہا جاتا تھا سواع کو سپرد کیا چنانچہ
سواع، بطن نخلہ میں اس مقام پر تھا جس کو "رہاط"
کہا جاتا ہے، مضر کے آس پاس جو لوگ رہتے تھے
اس کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ عرب کے ایک
شاعر نے کہا ہے:

تراھم حول قیلھم عکوفا
کما عکفت ھذیل علی سواع

(تو ان کو اپنے بادشاہ کے گرد اگرد اس طرح جھکا ہوا
دیکھیگا جس طرح ہذیل، سواع کے آگے جھکے ہوئے ہیں)[1]

۲۹
۱۰
سُؤَالِ: مانگنا، پوچھنا، سَاَلَ یَسْاَلُ کا مصدر
ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"سوال کے معنی ہیں، معرفت کی استدعا، یا اس چیز
کی استدعا جو معرفت تک پہنچا دے، نیز مال
کی استدعا یا اس چیز کی استدعا جو مال تک پہنچا
دے، معرفت کی استدعا کا جواب زبان سے
ہوتا ہے اور ہاتھ بذریعہ کتابت یا اشارت اس
کا قائم مقام ہوتا ہے اور مال کی استدعا کا جواب
ہاتھ سے ہوتا ہے اور زبان وعدہ کی صورت میں
یا انکار کی شکل میں اس کی قائم مقام ہوتی ہے۔
اگر یہ کہا جائے کہ یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ
سوال معرفت کے لیے ہوتا ہے حالانکہ یہ بات
معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے سوال کریگا جیسے
وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (اور جب
کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے) تو کہا جائیگا کہ
یہ لوگوں کو تبلانے اور ان کو سرزنش دینے کے لیے
ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں لانے کے لیے کیونکہ
وہ تو علام الغیوب ہے، لہذا یہ بھی معرفت کے
سوال سے خارج نہیں رہتا،
معرفت کے لیے سوال کبھی تو آگاہی حاصل
کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی سرزنش کے لیے

[1] ملاحظہ ہو کتاب الاصنام ص ۵۴ تا ۵۷ طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

جیسے ارشادِ الٰہی ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ (اور جب زمین میں جیتی گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا) اور کبھی مسئول کو جتلانے اور تنبیہ کرنے کے لیے نہ کہ خود اپنی علم و اطلاع کے لیے۔

سوال جب کہ معلوم کرنے کے لیے ہو تو مفعول ثانی کی طرف اس کا تعدیہ کبھی تو بنفسہٖ ہوگا اور کبھی بواسطہ حرف جر چنانچہ کہوگے سالتہ کذا و سالتہ عن کذا و بکذا اور عن کے ذریعہ تعدیہ زیادہ ہے ارشاد ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (وہ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں) وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو) وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ (تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ (اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو) اور فرمایا سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا)

اور جب سوال مال کی استدعا کا ہو تو تعدیہ بنفسہٖ کبھی ہوتا ہے اور بذریعہ مِن بھی جیسے وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اور جب مانگنے لگو بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگو پردہ کے باہر سے) اور وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا (اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا) اور فرمایا وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (اور مانگو اللہ سے اس کا فضل)

فقیر کو بھی جب وہ کسی چیز کی استدعا کرے تو سائل کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور سائل کو مت جھڑک) اور لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "

اور امام ابو جعفر بیہقی تاج المصادر میں رقمطراز ہیں:۔

"سَاَلْتُ کے بارے میں دو لغتیں ہیں، ہمزہ کی تحقیق یعنی اس کو ثابت رکھنا اور یہی لغت شائع ہے اور اس سے اِسْاَلُ ہوگا، اور اس کی تخفیف اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو اسی باب سے (یعنی فَتَحَ یَفْتَحُ ہی سے رہنے دیجیے) (دوسرے باب کی طرف) نقل نہ کیجیے، اور دوسری یہ کہ اسے باب فَعَلَ یَفْعَلُ سے قرار دیجیے اور خِفْتُ اَخَافُ کی طرح سِلْتُ اَسَالُ کہیے، اس قول پر عین کلمہ واو ہوگا، اور امر دونوں سے سَلْ آئیگا۔

سَئَلَ ایسا فعل ہے جس کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہوتا ہے اور مفعول ثانی تین طرح پر ہوتا ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اول یہ کہ اس کی طرف تعدیہ بغیر کسی حرف ظاہر
یا مضمر کے ہو جیسے کہ راجز (رجز خواں) کا قول
ہے ع سألت عمروا بعد بکر حقا۔ دوم یہ کہ
فعل کا اس کی طرف تعدیہ کسی حرف کے اضمار
کے ساتھ ہو جیسے حق تعالیٰ کا قول ہے وَلَا
یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا (اور نہ پوچھیگا دوست دوست
کو) کہ بمعنی عَنْ حمیم ہے (عَنْ مضمر ہے) اور
اظہار بھی جائز ہے جیسے وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ
(اور پوچھ ان سے حال بستی کا) سوم یہ کہ مفعول ثانی
کے موقع پر استفہام واقع ہو جیسے سَلْ بَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ (پوچھ بنی اسرائیل سے
کس قدر عنایت کیں ہم نے ان کو) اور وَسْئَلْ
مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا
(اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے
کبھی ہم نے رکھے ہیں)

نیز اس میں ایک مفعول پر بھی اقتصار جائز
ہے اور یہ دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ متعدی
بنفسہ ہو جیسے وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ دوسرے یہ
کہ (باء اور عن) دو حرف کے ذریعہ اس کا تعدیہ
ہو، باء کے ذریعہ جیسے سَاَلَ سَاۗىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ
وَّاقِعٍ اور عن کے ذریعہ جیسے سال عن زید
علامہ ابو السعادات مبارک بن محمد معروف بابن الاثیر
جزری ارقام فرماتے ہیں کہ

"کتاب اللہ اور حدیث میں دو طرح کا سوال
ہے ایک تو وہ جو ان چیزوں کی وضاحت کرنے
اور سیکھنے کے لیے ہے کہ جن کی ضرورت پیش آتی
ہے ایسا سوال مباح ہوگا یا مستحب یا مامور بہ
اور دوسرا وہ کہ جو تکلف و تعنت (غلطیاں
ڈھونڈھنا) کے طریق پر ہے ایسا سوال مکروہ
اور ممنوع ہے، اور ہر وہ سوال جو اس قسم کا ہو
اور اس کے جواب سے سکوت واقع ہو وہ سائل
کے لیے سرزنش اور زجر ہے اور اگر اس کا جواب
آیا تو عقوبت اور سخت گرفت ہے[1] ۲۳/۱۱

سُوْآٰی: بر انفعل، بروزن فُعْلیٰ اَسْوَءُ کی
کی تانیث ہے، جس طرح سے کہ اچھے عمل کا نام حُسْنیٰ
ہے اسی طرح فعل بد کا نام سُوْآی ہے یہ بسبب صفت
ہونے کے افعل التفضیل پر محمول[2] ہے، اور یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ یہ مصدر ہو بروزن فُعْلیٰ جیسے کہ رُجْعیٰ ہو اس
سے مراد جہنم[3] ہے۔ ۲۱/۴

سَوْءَةٌ: لاش، عیب، فضیحت، علامہ زمخشری

---

[1] النہایہ فی غریب الحدیث والاثر فصل السین مع الہمزہ [2] تاج العروس [3] ملاحظہ ہو البحر المحیط ج ، ص ۱۶۴ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فرماتے ہیں کہ سَوْآتِہِمَا کے معنی فضیحت کے ہیں کیونکہ اس میں برائی ہوتی ہے[1]"، امام راغب نے لکھا ہے فرج (شرمگاہ) کا سَوْءَۃٌ سے کنایہ کیا گیا ہے، اور علامہ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ

"اصل میں سَوْءَۃٌ کے معنی فرج (شرم گاہ) کے ہیں، بعد میں اس کو ہر اس شے کے معنی میں نقل کر لیا گیا کہ جب وہ ظاہر ہو تو اس سے حیا آنے لگے خواہ قول ہو یا فعل"[2]

لیث کہتے ہیں کہ

اس کا اطلاق مرد کی شرم گاہ پر بھی ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ پر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَدَتْ لَہُمَا سَوْاٰتُہُمَا (کھل گئیں ان پر شرمگاہیں ان کی)، اور سَوْءَۃٌ ہر وہ عمل یا امر ہے کہ عیب ناک ہو"[3]

یہاں سَوْءَۃٌ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علامہ ابو حیان لکھتے ہیں:-

"یہاں سوءۃ سے مراد بعض نے کہا ہے کہ عورت ہے اور اہتمام کے لیے خاص طور پر اسے ذکر کیا گیا گو سارے جسم کا چھپانا مقصود ہے نیز اس کے ستر کی زیادہ تاکید ہے اور کہا گیا ہے کہ پوری لاش مراد ہے کیونکہ میت سب کی سب عورت اور اسی بنا پر اسے کفن میں لپیٹا جاتا ہے، ابن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ سواۃ سے یہی حالت مراد لی جائے جو کہ مجموعی طور پر دیکھنے والے کو بری لگتی ہے"[4]

۶/۹

سُوْدٌ: کالے، اَسْوَدُ کی جمع (ملاحظہ ہو اَسْوَدَ

۲۲/۱۶

سُوَرٌ: سورتیں، سُوْرَۃٌ کی جمع، باجماع علماء معتبرین قرآن مجید کی کل سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔

واضح رہے کہ اول کی سات سورتیں بقرہ سے لے کر براءۃ تک سبع طوال کہلاتی ہیں کیونکہ یہ لمبی سورتیں ہیں ان کے بعد کی سورتیں مئین سے موسوم ہیں کہ ان میں سے ہر سورت سو آیت سے زیادہ کی یا اس کے قریب قریب ہے، پھر جو سورتیں ہیں ان کو مثانی کہا جاتا ہے یا تو اس لیے کہ یہ مئین کے بعد ہیں لہذا مئین اوائل (پہلی) ہوئیں اور یہ

[1] تفسیر کشاف ج ۱ ص ۴۴۳ طبع مصر ۱۳۵۴ھ [2] نہایہ ج ۲ ص ۲۰۵ طبع مصر فصل السین مع الواو
[3] تاج العروس [4] البحر المحیط ج ۳ ص ۲۶۵ و ۲۶۶۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ثوانی (دوسری) ہیں اور یا اس لیے کہ ان کے مضامین مکرر ہیں۔ یہ وہ سورتیں ہیں جن کی تعداد سو سے کم ہے مثانی کے بعد جو چھوٹی سورتیں ہیں انہیں مفصل کہتے ہیں کیونکہ ان سورتوں میں بسم اللہ کے ذریعہ کثرت سے فصل واقع ہے نیز محکم بھی ہیں کہ ان کی تفصیل کردی گئی ہے۔[1]

پھر مفصل بھی طوال، اوساط اور قصار تین ٹکڑوں میں منقسم ہیں اور ان کی تعیین میں علماء باہم مختلف ہیں، علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں کہ

"ہمارے اصحاب (فقہاء حنفیہ) جس پر ہیں وہ یہ ہے کہ سورۃ الحجرات سے لے کر والسماء ذات البروج تک طوال ہیں اور وہاں سے لے کر لم یکن تک اوساط اور لم یکن سے اخیر قرآن تک قصار ہیں، نقایہ میں اسی کی تصریح کی ہے"[2]

سُوْرٌ: دیوار، فصیل، شہر پناہ، شہر کی چار دیواری کو سُوْر کہتے ہیں، اَسْوَارٌ اور سِیْرَانٌ جمع جیسے نُوْرٌ کی جمع اَنْوَارٌ اور کُوْزٌ کی جمع کِیْزَانٌ ہے۔[18]

سُوْرَۃٌ: سورت، علامہ زمخشری، کشاف میں رقمطراز ہیں۔

"سورۃ قرآن کے متعینہ حصہ کا نام ہے یہ کم سے کم تین آیت کا ہے اور اس کا واو اگر اصلی ہے تو یا سورۃ المدینۃ پر موسوم ہے جس کے معنی شہر کی چار دیواری کے ہیں کیونکہ یہ بھی قرآن کا ایک محدود ٹکڑا ہے جو مستقل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہے جیسے وہ شہر کہ جس کے گرد فصیل کھنچی ہوتی ہے اور یا اس لیے کہ فنونِ علمیہ اور انواع اقسام کے فوائد پر حاوی ہے جس طرح کہ شہر پناہ اپنے اندرون کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔

اور یا اس "سورۃ" سے موسوم ہے جس کے معنی رتبہ کے ہیں، یہ دو معنی کی بنا پر ہو سکتا ہے۔

(۱) اس لیے کہ سورتیں بھی بمنزلہ درجوں اور مرتبوں کے ہیں کہ جن پر قاری ترقی کرتا جاتا ہے، نیز خود سورتیں طوال، اوساط اور قصار پر مرتب ہیں (۲) اور یا اس لیے کہ دین میں ان کی رفعت شان اور جلالت مرتبت مسلم ہے۔

اور اگر اس کے واو کو ہمزہ سے بدلا ہوا قرار دیا جائے تو جس طرح کہ "سؤرۃ" کے معنی کسی شئے کے بقیہ او بچے ہوئے حصہ کے ہیں یہ بھی قرآن کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے۔[3]

۱؎ ملاحظہ ہو الاتقان ج ۱ ص ۶۳، ۶۴ طبع مصر ۱۳۴۳ھ ۲؎ البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۰ طبع مصر [illegible] ۳؎ تفسیر کشاف ج ۱ ص [illegible]

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ب ۱/۳ ن ۱۰/۱۴، ۱۷ ب ۱۱/۵، ۹ ب ۱۸/۷ ب ۲۶/۷

سَوْطٌ: چمڑے کا کوڑا، اَسْوَاطٌ اور سِیَاطٌ جمع سَوْطٌ کے معنی اصل میں کسی شے کے باہم خلط ملط ہونے کے ہیں، کوڑے کو سوط اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے تسمے آپس میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں[۱]۔ ابن درید کا بیان ہے کہ جب کوڑے لگائے جاتے ہیں تو کوڑا چونکہ گوشت کو خون سے خلط ملط کر دیتا ہے اس لیے اس کا نام سوط ہوا[۲]۔ ن ۳۰/۱۴

سَوْفَ: عن قریب، جلد، اب، آخر، امام راغب[۳] مفردات میں فرماتے ہیں:۔

"سَوْفَ حرف ہے، جو افعال مضارع کو استقبال کے ساتھ خاص کر کے حال سے علیحدہ کر دیتا ہے جیسے سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ (دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے) اور ارشاد الٰہی فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (اب آگے جان لوگے) اس امر پر تنبیہ ہے کہ جو چیز وہ طلب کر رہے ہیں گو فی الوقت حاصل نہیں مگر بعد میں وہ لامحالہ ہو کر رہیگی اور یہ ڈھیل اور تاخیر کے معنی کا مقتضی ہے[۴]"

اور امام سیوطی لکھتے ہیں:۔

"سوف، سین کی طرح سے ہے بصریوں کے نزدیک زمانہ کے لحاظ سے یہ سین سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ حروف کی کثرت معنی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سین کا مرادف (ہم معنی) ہے البتہ لام کے داخلہ کے سلسلہ میں سین اس سے علیحدہ ہے جیسے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ (اور آگے دیگا تجھ کو) ابوحیان نے کہا ہے کہ حرکات کے پے در پے نامناسب ہونے کے باعث سین پر لام کا آنا ممتنع ہے جیسے کہ سیتدحرج ہے، پھر باقی میں بھی یہی قاعدہ جاری ہو گیا، ابن باب شاہ کا بیان ہے کہ سوف کا غالب استعمال وعید اور تہدید میں ہے اور سین کا وعدہ میں، اور کبھی سوف وعدہ میں استعمال ہوتا ہے اور سین وعید میں[۱]"

ب ۵/۲، ۵، ۷، ۱۲، ۱۸ ب ۶/۱، ۷، ۱۲ ب ۷/۷، ۱۴ ب ۸/۳ ب ۹/۶، ۷ ب ۱۰/۱۰
ب ۱۲/۴، ۸ ب ۱۳/۵ ب ۱۴/۱، ۶، ۱۳ ب ۱۶/۲، ۷، ۸ ب ۱۹/۲، ۴، ۷ ب ۲۱/۳، ۷
ب ۲۳/۹ ب ۲۴/۱، ۱۳ ب ۲۵/۱۰، ۱۳ ب ۲۷/۷ ب ۳۰/۹، ۱۷، ۱۸، ۲۷

سُوْقِ: پنڈلیاں، سَاقٌ کی جمع، ب ۲۳/۱۲

سُوْقِہٖ: (کھیتی کی نالیں، اس کی جڑیں) اس کے تنے، سُوْقِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ

[۱] تفسیر کشاف ج ۱ ص ۴۸ - ط مصر ۱۳۵۴ھ [۲] مفردات راغب [۳] تاج العروس [۴] الاتقان ج ۱ ص ۱۶۳ ط مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

٢٦/١٢
سَوَّلَ: اس نے بات بنائی، اس نے اچھا کر کے دکھایا، تَسْوِیْلٌ سے جس کے معنی نفس کے اس چیز کو کہ جس پر وہ حریص ہے مزین کرنے اور بری کو اچھی شکل میں پیش کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب

٢٦
سَوَّلَتْ: اس نے بات بنائی، اس نے اچھا کر کے دکھایا، تَسْوِیْلٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب ١٢/١٢ ١٣/٤ ١٦/١٤

سُؤْلَكَ: تیری تمنا، تیرا سوال، سُؤْلٌ اس حاجت کو کہتے ہیں جس کی طبیعت کو حرص ہو سُؤْلَ مضاف، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ، امام راغب لکھتے ہیں۔

"سُؤْل اُمْنِیَّۃٌ کے قریب قریب ہے لیکن اُمْنِیَّۃ (تمنا) اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس کو انسان نے ٹھہرا لیا ہو اور سُؤْلٌ اس تمنا کو کہا جاتا ہے جو طلب بھی کی جا چکی ہو گویا سُؤْل اُمْنِیَّۃ کے بعد ہوتا ہے"

علامہ جار اللہ زمخشری، رقمطراز ہیں:۔

"سُؤْلٌ بروزن فُعْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے جیسے کہ خُبْزٌ بمعنی مَخْبُوْزٌ اور اُکُلٌ بمعنی مَأْکُوْلٌ ہے"[1]

١٦/١١
سُوًى: صاف، درمیانی، راغب لکھتے ہیں:۔

"جس کی دونوں طرفیں برابر ہوں وہ سوی ہے یہ وصف ہو کر بھی مستعمل ہے اور ظرف ہو کر بھی اور اصل میں یہ مصدر ہے" ١٦/١٢

سَوِیًّا: سیدھا، درست، صحیح، بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، امام راغب لکھتے ہیں:۔

"سَوِیٌّ اس کو کہا جاتا ہے جو مقدار اور کیفیت دونوں حیثیت سے افراط و تفریط سے محفوظ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (تین رات تک بھلا چنگا) اور فرمایا مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ (کون ہیں سیدھی راہ والے) اور رجل سَوِیٌّ وہ ہے جس کے اخلاق بھی اور خلقت بھی افراط و تفریط کے اعتبار سے معتدل ہوں"

ابو الہیثم کا بیان ہے کہ یہ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مُفْتَعِلٌ یعنی مُسْتَوِیٌّ ہے، جو کہ خلق اور عقل میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو"[2] اَسْوِیَاءُ جمع۔ ١٦/١٧

سَوِیًّا ١٦/٤و٥و٦ ٢٩/٢

سَوّٰی: اس نے پورا پورا بنایا، اس نے برابر کیا،

---

[1] تفسیر کشاف ج ٢ ص ٣٣٣ ط مصر ١٣٥١ھ
[2] تاج العروس

پلیٹ ۲۴۱

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

تَسْوِیَۃٌ سے جس کے معنی کسی چیز کے بلندی یا پستی میں
برابر بنانے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ،

پ ۲۹/۱۸ ۳۰/۲

سَوّٰیتُہٗ: میں نے اس کو پورا پورا بنایا، میں نے
اس کو برابر کیا، سَوَّیْتُ تَسْوِیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ
واحد متکلم ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب، پ ۱۴/۳ ۲۳/۱۴

سَوّٰکَ: اس نے تجھ کو پورا پورا بنا دیا، اس نے
تجھ کو برابر کیا، اس میں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر ہے

پ ۱۵/۱۷ ۳۰/۷

سَوّٰہُ: اس کو برابر کیا، اس کو پورا پورا بنایا،
اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے، پ ۲۱/۱۴

سَوّٰھَا: اس کو برابر کیا، اس کو پورا پورا بنایا، اس
میں ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے۔ امام راغب
لکھتے ہیں:-

آیت شریفہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا اور قسم ہے جی
اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا) میں ھا سے ان
قوتوں کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے
نفس کا قائم رکھنے والا بنایا ہے، چنانچہ فعل کو
ان ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ دوسرے
مقام پر مذکور ہے کہ فعل کی نسبت جس طرح فاعل
کی طرف درست ہے اسی طرح آلہ نیزان تمام
اشیاء کی طرف بھی کہ جن کی فعل کو احتیاج ہوتی ہو
منسوب کرنا صحیح ہے، جیسے کہ سیف قاطع
(شمشیر برندہ) ہے، اور یہ وجہ اس کے قول سے
بہتر ہے جس نے یہ کہا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ
مراد ہیں کیونکہ ما کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تعبیر
نہیں کی جاتی کہ وہ جنس کے لیے وضع کیا گیا ہے،
اور نہ صحیح روایت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا
استعمال سننے میں آیا ہے" ۳۰/۱۶ و ۴

سَوّٰھُنَّ: اس نے ان کو ٹھیک کر دیا، اس نے ان
کو پورا پورا بنایا، اس میں ھُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب ہے،

پ ۱/۳

فصل الهاء

سُهُولِهَا: اس کے نرم مقامات سُهُولٌ سَهْلٌ
کی جمع جس کے معنی نرم زمین کے ہیں، مضاف ہے،
ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ، پ ۹/۷

فصل الیاء المثناة

سِیْٓءَ: وہ غمگین ہوا اسے برا معلوم ہوا، وہ ناخوش ہوا
سُوْٓءٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ
ہو سُوْٓءٌ) پ ۱۲/۷ ۲۰/۱۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سَیِّئٌ: بد، برا، سُوْءٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ،
پ ۲۲/۱۷، سَیِّئ پ ۱۱/۲

سَیِّاٰتِ: برے کام، گناہ، سَیِّئَۃٌ کی جمع (ملاحظہ ہو سَیِّئَۃٌ) پ ۴/۱۴، پ ۹/۹و۱۱، پ ۱۱/۸، پ ۱۲/۲و۷و۱۰، پ ۱۴/۱۰و۱۲
پ ۲۰/۱۳،۱۲، پ ۲۲/۱۴، پ ۲۴/۲و۴و۱۰، پ ۲۵/۴و۸و۲۰

سَیِّاٰتُکُمْ: تمہارے گناہ، تمہارے اعمال بد، سَیِّاٰتِ مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ ۳/۵
پ ۵/۲، پ ۶/۷، پ ۹/۸، پ ۲۸/۲۰ -

سَیِّاٰتِنَا: ہماری برائیاں، ہمارے گناہ، سَیِّاٰتِ مضاف، نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، پ ۴/۱۱

سَیِّاٰتِہٖ: اس کی برائیاں، اس کے گناہ، سَیِّاٰتِ مضاف، ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ،
پ ۲۸/۱۵و۱۷

سَیِّاٰتِھِمْ: ان کی برائیاں، ان کے گناہ، سَیِّاٰتِ مضاف، ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۴/۱۱، پ ۶/۱۳، پ ۱۹/۴، پ ۲۰/۱۳، پ ۲۶/۲،۵و۹

سَیَّارَۃٌ: کارواں، قافلہ، چلنے والے مسافر، سَیَّارٌ کا مؤنث جو کہ سَیْرٌ سے صفت کا صیغہ ہے، اس کی تانیث جمع کے معنی کے لحاظ سے ہے
پ ۷/۳، پ ۱۲/۱۲

سِیْئَتْ: وہ بری کر دی گئی، ان کو برا معلوم ہوا سُوْءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب (ملاحظہ ہو سُیِّئَتْ) پ ۲۹/۲

سِیْحُوْا: تم پھر لو، تم سیاحت کرو، (ضَرَبَ) سَیْحٌ سے جس کے معنی زمین پر چلنے اور سفر کرنے کے ہیں، امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ ۱۰/۱

سَیِّدًا: سردار، سِیَادَۃٌ سے جس کے معنی سرداری کرنے اور سردار ہونے کے ہیں صفت مشبہ کا صیغہ سَادَۃٌ جمع، راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:-

"سَیِّدٌ کے معنی "متولی سواد" یعنی جماعت کے متولی کے ہیں اور اسی کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے، چنانچہ سَیِّدُ القوم بولا جاتا ہے اور سید الثوب یا سید الفرس نہیں بولا جاتا، اور کہا جاتا ہے۔ القوم بیسودھم اور چونکہ مہذب النفس ہونا متولی جماعت کی شرط ہے اس لیے ہر اس شخص کو کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے بزرگ ہو سید کہا جاتا ہے اسی معنی میں ارشاد ہے وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا (اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائیگا) اور فرمایا وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا (اور دونوں نے پایا اس کے خاوند کو) یہاں شوہر کو اپنی بیوی کا نگراں ہونے کے باعث سید سے موسوم کیا گیا ہے"

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ب ٣/١٢

سَیِّدَهَا: اس کا شوہر، اس کا خاوند، سَیِّدَ مضاف، هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ

ب ١٢/١٣

سَیْرٌ: چلنا "سیر" کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں یہ سَارَ یَسِیْرُ کا مصدر ہے جو ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آتا ہے۔ ب ٢٢/٨ سَیْرًا ب ٢٧/٣

سُیِّرَتْ: وہ چلائی گئی، وہ چلائے گئے، تَسْیِیْرٌ سے جس کے معنی دلانے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب۔ راغب لکھتے ہیں:-

"تَسْیِیْرٌ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو سَارَ یعنی جو چلنے والے کے امر واختیار اور ارادہ سے ہو جیسے هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ (وہی تو ہے جو تم کو پھراتا ہے) اور دوسرے وہ جو بذریعہ قہر و تسخیر ہو جیسے کہ پہاڑوں کی تسخیر ہے وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (اور جب پہاڑ چلائے جاویں)"

(ملاحظہ ہو بُسَّتْ) ١٣/١١ او ب ٣٠

سِیْرَتَهَا: اس کی چال، اس کی سیرت، اس کی حالت، جس حالت پر کہ انسان یا غیر انسان ہوتا ہے خواہ وہ اس کی طبعی ہو یا اکتسابی اس کا نام سیرۃ ہے سَیْرٌ سے اسم ہے سِیْرَۃَ مضاف، هَا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ ب ١٦/١

سِیْرُوْا: تم پھرو، تم چلو، تم سیر کرو، سَیْرٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، راغب نے لکھا ہے کہ

"ارشاد الٰہی سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (سیر کرو ملک کی) میں کہا گیا ہے کہ زمین پر سیاحت جسمی مراد ہے، اور بعض نے فکر کو جولاں کرنے اور اس کے احوال کی نگرانی کرنا بیان کیا ہے جس طرح کہ خبر میں مروی ہے کہ اولیاء کے وصف میں کہا گیا ہے ابدانہم فی الارض سائرۃ وقلوبہم فی الملکوت جائلۃ (ان کے بدن تو زمین پر رواں ہیں اور ان کے دل ملکوت میں جولاں ہیں) اور بعض نے اس کو بقوت تمام اس طرح عبادت میں لگنے پر محمول کیا ہے کہ جو ثواب تک رسائی کر دے۔"

ب ٢٤/٥ ب ٧/٨ ب ١٤/١١ ب ٣٠/٢و١٤ ب ٢١/٨ ب ٢٢/٨

سِیْقَ: وہ ہانکا گیا، (نَصَرَ) سَوْقٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو سَائِقٌ)

ب ٢٤/٥

سَیْلٌ: بہاؤ، سیلاب، یہ اصل میں سَالَ یَسِیْلُ کا مصدر ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں، پھر مصدر بطور اسم سیلاب کے معنے میں استعمال ہونے لگا،

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کی جمع سُیُولٌ آتی ہے، قرآن مجید میں اس کا استعمال بطور اسم ہی ہوا ہے۔ پ ۱۳/۸ پ ۲۲/۸

سُئِلَ: (اس مرد سے) پوچھا گیا، سوال کیا گیا، سُؤَالٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب، پ ۱/۱۲

سُئِلَتْ: (اس عورت سے) پوچھا گیا، سوال کیا گیا، سُؤَالٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب پ ۳۰/۶

سُئِلُوْا: ان سے سوال کیا گیا، سُؤَالٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب پ ۲۱/۱۸

سِیْمَاهُمْ: ان کا چہرہ، ان کی نشانی، سِیْمَا کے معنی نشانی اور علامت کے ہیں، یہ اصل میں وِسْمٰی تھا، واؤ کو فاء کلمہ کی بجائے عین کلمہ کی جگہ پر رکھا گیا جس طرح کہ ما اطیب اور ایطبہ بولتے ہیں تو سِوْمٰی ہوا پھر واو کے ساکن اور ماقبل کے مکسور ہونے کی وجہ سے واو کو یاء کرلیا گیا اور سِیْمٰی ہوگیا۔ سِیْمٰی مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، پ ۳/۵ پ ۸/۱۲و۱۳ ۲۶/۱۲و۸ ۲۷/۲

سِیْنَاءَ: سینا مشہور پہاڑ ہے، علامہ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں:-

"سِینَا بکسرِ اول، اور فتحہ بھی آتا ہے، شام میں ایک موضع کا نام ہے جس کی طرف طور کی نسبت کی جاتی ہے اور طور سیناء کہا جاتا ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، اور اسی مقام پر ان کو ندا کی گئی تھی، یہ گھنے درختوں کا ہے،

ہمارے شیخ ابو البقاء کا بیان ہے کہ یہ مشہور پہاڑ کا نام ہے جب سین کو فتح دیا جائیگا تو اس کی ہمزہ قطعی طور پر تانیث کے لیے ہوگی کیونکہ الحاق اور تکثیر کے لیے ہمزہ کا ہونا باطل ہے، اس لیے فَعْلَالٌ غیر مضاعف میں نہیں آیا جیسے کہ زَلْزَالٌ اور قَلْقَالٌ ہے اور سین کا کسرہ بھی جائز ہے اس صورت میں یا اس میں زاید ہوگی، اور فِیْعَالٌ کے وزن پر ہوگا جیسے کہ دیباج اور دیماس ہیں، اور ممکن ہے کہ یاء اصلی ہی ہو اور علیاء کی طرح ہو اور اس صورت میں ہمزہ کے برائے الحاق ہونے کی بناء پر اسے علباء کی طرح رکھا گیا ہے۔

اور اگر تم یہ دریافت کرو کہ پھر یہ منصرف کیوں نہیں ہوا تو ہم کہینگے کہ یہ تعریف اور تانیث کے اجتماع کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ایک جگہ کا نام ہے اور یہ اس امر میں کہ اس کی تانیث بغیر علامت

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کے ہے مثل دمشق کے ہے۔ اور اس مقام کے نام
کے لیے سِینِینَ بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ
طُوْرِ سِینِینَ (اور قسم ہے طور سینین کی)
عربی زبان میں کوئی ایسا اسم کہ جو س، ی، ن سے
مرکب ہو بجز اس حرف کے کہ جس کا نام سین ہے
نہیں ہے[1]"

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی تحریر کرتے ہیں:
"اکثر اس پر ہیں کہ "سینا" عربی نہیں ہے بلکہ
یا تو نبطی ہے یا حبشی اور اس کے اصلی معنی اچھے
یا مبارک کے ہیں، بعض اس کا عربی ہونا بھی تجویز
کرتے ہیں یا تو سَنَاءٌ بالمد سے کہ جس کے معنی
رفعت کے ہیں یا سَنَا بالقصر سے کہ جس کے
معنی نور کے ہیں، ابو حیان نے اس پر یہ ایراد
کیا ہے کہ دونوں مادے مختلف ہیں کیونکہ
سَنَاءٌ ہو یا سَنَا (دونوں) کا عین کلمہ نون ہے
اور سیناء کا عین کلمہ یاء ہے، مگر یہ اس طرح رد
کر دیا گیا ہے کہ جو اس کا قائل ہے وہ اس کا وزن
فِیْعَالٌ بتاتا ہے اور عین کلمہ نون اور یاء کو زائد
اور ہمزہ کو واو سے تبدیل شدہ قرار دیتا ہے[3]"

اور شیخ سلیمان جمل، علامہ سمین سے ناقل ہیں کہ
"صحیح یہی ہے کہ سِینَاءَ عجمی نام ہے، عرب جب
اس کو بولنے لگے تو ان کے تلفظ مختلف ہوگئے
چنانچہ انہوں نے سَینَاءَ حَمْرَاءَ کی طرح
سے اور سِینَاءَ عِلْبَاءَ کی طرح سے اور
سِینِینَ قِنْدِیْل کی طرح سے کہا[2]"

واضح رہے کہ جس طرح اس کے تلفظ میں اختلاف ہے
اسی طرح اس کے معنی میں بھی اختلاف ہے بعض نے
اس کے معنی مبارک کے بعض نے حسن یعنی اچھے
کے بعض نے گھنے درختوں والے کے بیان کیے
ہیں اور بعض نے اس کو مشہور پہاڑ کا نام بتایا ہے
امام ابن جریر طبری ان سب اقوال کو اپنی تفسیر میں
نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-
"صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ یوں کہا
جائے کہ سیناء اسم ہے طور کی طرف اس
کی اضافت ہے جس کے ذریعہ وہ مشہور رہے
جس طرح سے کہ جبلِ طی کہا گیا ہے کہ طی کی
طرف ان کی اضافت ہے اور اگر اس بارے
میں بات وہ ہوتی جو کہ ان لوگوں نے بیان کی

---

١ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۰۱ طبع مصر ۱۳۲۳ھ ٢ حاشیہ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۱۸۷ طبع مصر
٣ روح المعانی ج ۱۸ ص ۲۰ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہی جنہوں نے اس کے معنی جبل مبارک (کوہ مبارک) کے بیان کیے ہیں یا جنہوں نے کہ اس کے معنی حسن (اچھا) کے بتلائے ہیں تو طور پر تنوین ہونی چاہیے تھی اور سیناء اس کی صفت ہوتی، علاوہ ازیں سینا بمعنی مبارک یا حسن کلام عرب میں مشہور نہیں، کہ اس کو پہاڑ کی صفت قرار دیا جائے، لیکن بات اس سلسلہ میں ان شاء اللہ وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے کہ سینا پہاڑ ہے جو اس نام سے مشہور رہا ہے حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی پر خطاب کیا گیا تھا، اور بایں ہمہ وہ پہاڑ مبارک بھی ہے نہ کہ سیناء کے معنی مبارک کے ہیں"[1] ت ۱۸/۱

سِینِینَ: سینین، کوہ سینا کو سینین بھی کہا جاتا ہے، ت ۳/۲

سَیِّئَۃٌ: برائی، گناہ، فعل بد، حَسَنَۃٌ کی ضد ہے، سَیِّئَۃٌ اصل میں سَیْوِئَۃٌ تھا واو کو ی سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا ہے، راغب لکھتے ہیں "حسنۃ اور سیئۃ دو قسم پر ہیں ایک باعتبار عقل و شرع جیسے وہ کام کہ جن کا مذکور آیۃ شریفہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا (جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لیے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائیگا اسی کے برابر) میں ہے، دوسرے "حسنہ" اور "سیئہ" باعتبار طبع، کہ طبیعت پسند کرے یا گراں جانے جیسے ارشاد ہے فَاِذَا جَآءَتْھُمُ الْحَسَنَۃُ قَالُوْا لَنَا ھٰذِہٖ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗ (پھر جب پہنچی ان کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق اور اگر پہنچی برائی تو نحوست بتلانے لگے موسیٰ کی اور اس کے ساتھ والوں کی)"

ب ۱/۹ ، ب ۴/۳ ، ت ۵/۸ ، ث ۸/۷ ، ب ۹/۲،۶ ، ب ۱۱/۸ ، ب ۱۳/۷،۹ ، ب ۱۸/۶ ، ۱۹/۱۹
ت ۲۰/۳،۹،۱۴ ، ب ۲۱/۷ ، ب ۲۴/۱۰،۱۹ ، ب ۲۵/۵،۶

سَیِّئُہٗ: اس کی بری چیز، سَیِّئِ مضاف، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، (ملاحظہ ہو سَیِّئٌ) ت ۱۵/۴ ۔

---

[1] تفسیر امام ابن جریر ص ۱۰ ج ۱۸ طبع مصر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

باب الشین المعجمۃ

فصل الالف

شَآءَ: اس نے چاہا، اس نے ارادہ کیا، (سَمِعَ) مَشِیْئَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، شَآءَ اصل میں شَیِءَ تھا ی متحرک ما قبل مفتوح اس لیے ی کو ا سے بدل لیا گیا۔

امام راغب لکھتے ہیں۔

"اکثر متکلمین کے نزدیک مَشِیْئَۃٌ بالکل ارادہُ کی طرح ہے، اور بعض کے نزدیک مشیئۃ نام ہے اصل میں کسی شئے کے ایجاد کرنے اور چاہنے کا گو عرف میں اس کا استعمال ارادہ ہی کی جگہ ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشیئۃ کے معنی ایجاد کرنے کے ہیں اور لوگوں کی طرف سے مشیت کے معنی چاہنے کے ان کا بیان ہے کہ (کسی شے کے متعلق) اللہ تعالیٰ کی مشیت ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ (اس شئے کا وجود عمل میں آجائے اور اللہ کے ارادہ کا ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ مراد لامحالہ وجود پذیر ہو کر ہی رہے

دیکھتے نہیں، ارشاد ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری) اور وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر) حالانکہ یہ معلوم ہے کہ کبھی کبھی تنگی بھی ہوتی ہے اور لوگوں کے مابین ظلم بھی۔

یہ لوگ ان دونوں کے مابین یہ فرق بتلاتے ہیں کہ انسانی ارادہ کبھی بغیر ارادہ الٰہی کے تقدم کے بھی حاصل ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان کا ارادہ ہوتا ہے کہ اسے موت نہ آئے اور اللہ تعالیٰ اس سے ابا فرماتا ہے لیکن مشیت انسانی بغیر مشیت الٰہی کے وجود میں نہیں آتی کیونکہ ارشاد ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ) مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ (جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے) تو کافر کہنے لگے معاملہ تو ہمارے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اختیار میں ہے چاہیں سیدھے چلیں چاہیں نہ چلیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امور تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف نہ ہوتے اور ہمارے افعال کی اس پر تعلیق و انحصار نہ ہوتا تو لوگ اپنے تمام کاموں میں ان شاء اللہ کے ذریعہ استثنا کی تعلیق پر متفق نہیں ہوسکتے تھے جیسے سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ، سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا، يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ، ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ، قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ، وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا، وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ"۔

پ ۱/۲و۸ — پ ۲/۱۱ — پ ۳/۲و۱ — پ ۵/۹ — پ ۶/۱۱ — پ ۷/۱۰و۱۹ — پ ۸/۱و۲و۳و۵ — پ ۹/۱۳ — پ ۱۰/۱۰ — پ ۱۱/۷و۱۰و۱۵ — پ ۱۲/۳و۹و۱۰ — پ ۱۳/۵ — پ ۱۴/۷و۱۱و۱۹ — پ ۱۵/۱۶و۱۷و۲۱ — پ ۱۸/۲و۱۷ — پ ۱۹/۳ — پ ۲۰/۳و۶ — پ ۲۱/۱۹ — پ ۲۳/۷ — پ ۲۴/۶و۱۶ — پ ۲۵/۲و۸ — پ ۲۶/۱۲ — پ ۲۹/۱۳و۱۶و۲۰ — پ ۳۰/۲و۵و۷و۱۲

شَاخِصَةٌ: کھلی کی کھلی رہ جانے والی۔ شُخُوص سے جس کے ٹھیٹ معنی آنکھوں کے کھلے کے کھلے رہ جانے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث غائب (ملاحظہ ہو تَشْخَصُ) پ ۱۷/۷

شَارِبُونَ: پینے والے، شُرْبٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، شَارِبٌ کی جمع بحالت رفع (ملاحظہ ہو اِشْرَبُوْا اور شُرْبٌ) پ ۱۷/۱۵

شَارِبِينَ: پینے والے، شُرْبٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر شَارِبٌ کی جمع بحالت نصب و جر پ ۲۳/۶ پ ۲۶/۶

شَارِكْهُمْ: تو ساجھا کر ان سے، تو ان کا شریک ہو جا، شَارِكْ مُشَارَكَةٌ سے جس کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونے کے ہیں، امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب، راغب لکھتے ہیں:۔

"شِرْكَةٌ اور مُشَارَكَةٌ کے معنی دو ملکوں کے ملجانے کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کسی ایسی شے کا پایا جانا جو دو یا دو سے زائد کے لیے ہو خواہ وہ شے ذات ہو یا وصف جیسے کہ حیوان ہونے میں انسان اور گھوڑے کا باہم شریک ہونا یا ایک گھوڑے کا دوسرے گھوڑے کے ساتھ کمیت یا مشکی ہونے میں شریک ہونا" پ ۱۵/۶

شَاطِیءٌ: کنارہ، شَوَاطِیءُ جمع ۲۰/۲

شَاعِرٌ: شاعر، شعر کہنے والا، شَعَارَۃٌ سے جس کے معنی شاعر ہونے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، شُعَرَاءُ جمع، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شِعْرٌ) ۱۷/۱ ۲۳/۶ ۲۷/۴ ۲۹/۶

شَافِعِیْنَ: سفارش کرنے والے، شَفَاعَۃٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر، شَافِعٌ کی جمع بحالت نصب وجر، (ملاحظہ ہو شفاعۃٌ) ۱۹/۹ ۲۹/۱۶

شَاقُّوْا: وہ مخالف ہوئے مُشَاقَّۃٌ شِقَاقٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب (ملاحظہ ہو تُشَاقُّوْنَ اور شِقَاقٌ) ۹/۱۶ ۲۶/۸ ۲۸/۴

شَاکِرٌ: قدردان، حق ماننے والا، شُکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، امام راغب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جب شکر سے متصف کیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام فرمانا اور جو کچھ عبادت کہ انہوں نے ادا کی ہے اس کی جزا دینا مراد ہوتا ہے (ملاحظہ ہو اُشْکُرْ اور شُکُوْرًا) ۳/۳ شَاکِرًا ۵/۱۸ ۱۴/۲۲ ۲۹/۱۹

شَاکِرُوْنَ: حق ماننے والے، شکرگذار، شُکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر شَاکِرٌ کی جمع بحالت رفع، ۷/۶

شَاکِرِیْنَ: شکرگزار، شکر کرنے والے، احسان ماننے والے، شُکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر شَاکِرٌ کی جمع بحالت نصب وجر، ۴/۶ ۷/۱۲ و ۱۴ ۹/۹ ۷ و ۱۴ ۹/۸ ۱۱/۸ ۲۴/۴

شَاکِلَتِہٖ: اس کا ڈھنگ شَاکِلَۃٌ شَکْلٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ، علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں۔

"شاکلہ کے معنی اس طریقہ اور روش کے ہیں کہ جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، فراء کا بیان یہی ہے، اور یہ شکل سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے لست علی شکلی ولا شاکلتی (تو میرے طریقے اور روش پر نہیں ہے) شکل کے معنی مثل اور نظیر کے ہیں اور شِکل بالکسر کے معنی ہیئت کے ہیں بولتے ہیں جاریۃ حسنۃ الشکل (اچھی شکل کی لڑکی)"[۱]

راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:-

"ارشاد الٰہی کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر) ع ہر کسے آں کند کزو شاید یعنی اس سجیۃ (طبیعت) پر کہ جس کا تم نے اسے پابند کیا ہے، کیونکہ سجیۃ کا غلبہ

[۱] البحر المحیط ج ۶ ص ۶۸

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

انسان پر چھائے رہتا ہے جیسا کہ میں نے الذریعہ الیٰ مکارم الشریعہ میں بیان میں کیا ہے یہ آیت اسی طرح کی ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کل میسر لما خلق لہ (ہر ایک کے لیے وہی چیز آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے)" پ ۱۵/۹

شَامِخٰتٍ : اونچے، بلند۔ شُمُوخٌ سے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث شَامِخَۃٌ کی جمع پ ۲۹/۲۱

شَاْنٍ : دھندا، فکر، حال، کسی اہم معاملہ یا حال کو خواہ برا ہو یا بھلا شان کہتے ہیں، شُؤُوْنٌ جمع۔ پ ۱۱/۱۲ پ ۲۷/۱۲ پ ۳۰/۵

شَاْنِھِمْ : ان کا کام، ان کا معاملہ شان مضاف ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ۔ پ ۱۸/۱۵

شَانِئَكَ : تیرا دشمن شَانِیٌٔ شَنَأٌ سے جس کے معنی دشمن رکھنے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر مضاف ہے، کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ۔ پ ۳۰/۳۲

شَاوِرْھُمْ : تو ان سے مشورہ کر، مُشَاوِرٌ مُشَاوَرَۃٌ سے جس کے معنی باہم مشورہ کرنے کے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔

پ ۸

شَاھِدٌ : گواہ، حاضر ہونے والا، بتانے والا شَھَادَۃٌ اور شُھُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہے کیونکہ آپ قیامت میں امت کے گواہ اور دنیا میں تعلیم ربانی کے بتانے والے ہیں (ملاحظہ ہو شھادۃ) پ ۱۲/۱۳،۲ پ ۲۶/۱ پ ۳۰/۱۰ شاھدا پ ۲۲/۳ پ ۲۶/۹ پ ۲۹/۱۳

شَاھِدُوْنَ : گواہ حاضر ہونے والے، شَھَادَۃٌ اور شُھُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر شَاھِدٌ کی جمع بحالت رفع، پ ۳/۹۔

شَاھِدِیْنَ : گواہ، ماننے والے، شہادت، دینے والے، شَھَادَۃٌ اور شُھُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر شَاھِدٌ کی جمع بحالت نصب وجر۔ پ ۳/۱۳،۱۷ پ ۶/۱ و ۵ پ ۹/۹ پ ۱۷/۵ و ۶ پ ۲۰/۸

فصل الباء الموحدہ

شُبِّهَ : وہی صورت بنادی گئی، مانند کر دیا گیا تَشْبِیْهٌ سے جس کے معنی کسی چیز کو کسی چیز کے مانند کر دینے کے ہیں ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب پ ۶/۲۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فصل التاء المثناة

شِتَآءٌ: جاڑا، موسم سرما، اَشْتِیَۃٌ جمع بعض علماء نے شِتَآءٌ کو شَتْوَۃٌ کی جمع بتلایا ہے (ملاحظہ ہو سَنَۃٌ) ۳۱/۳

شَتّٰی: طرح طرح، جدا جدا، مختلف، متفرق، پراگندہ، بعض کے نزدیک یہ لفظ مفرد ہے اور بعض نے اس کو شَتِیْتٌ کی جمع بیان کیا ہے، ۱۶/۱۱ ۲۰/۵ ۳۰/۱۴ -

فصل الجیم المعجمۃ

شَجَرٌ: درخت، اَشْجَارٌ جمع ۱۴/۸ ۱۷/۹ ۲۳/۲ ۲۷/۱۱و۱۵

شَجَرَ: اختلاف ہوا، جھگڑا ہوا، (نَصَرَ) شُجُوْرٌ سے جس کے معنی آپس میں جھگڑنے اور اختلاف کرنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ۵/۶

شَجَرَۃٌ: درخت، واحد مؤنث ہے، اس کی جمع شَجَرَاتٌ آتی ہے، ۱/۲ ۸/۹ ۱۳/۱۶ ۱۵/۲ ۱۶/۶ ۱۸/۱۱و۱۱ ۲۰/۷ ۲۱/۱۲ ۲۳/۲و۹ ۲۵/۱۶ ۲۶/۱۱

شَجَرَتُھَا: اس کا درخت، شَجَرَۃٌ مضاف ھا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ۲۷/۱۵

شَجَرُھَا: اس کا درخت، شَجَرٌ مضاف، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ۲۰/۸

فصل الحاء المھملۃ

شُحٌّ: خود غرضی، کنجوسی، بخل، حرص، راغب لکھتے ہیں کہ "شح وہ بخل ہے جس میں حرص ہو اور عادت بن گیا ہو" اردو میں اس کے لیے خود غرضی کا لفظ موزوں ہے، یہ مصدر ہے، اس کا فعل باب عَلِمَ ضَرَبَ اور نَصَرَ تینوں سے آتا ہے۔ ۵/۱۶ ۲۸/۱۴و۱۶

شُحُوْمَھُمَا: ان دونوں کی چربی، شُحُوْمٌ شَحْمٌ کی جمع، جس کے معنی چربی کے ہیں، مضاف ہے، ھُمَا ضمیر تثنیہ مؤنث غائب مضاف الیہ ۸/۵

فصل الدال المھملۃ

شِدَادٌ: سخت، زبردست، مضبوط، شَدِیْدٌ کی جمع (ملاحظہ ہو اَشِدَّاءُ اور شَدِیْدٌ) ۱۴/۱۶ ۲۸/۱۹ شِدَادًا ۳۰

شَدَدْنَا: ہم نے قوت دی، ہم نے مضبوط کیا، (نَصَرَ ضَرَبَ) شَدٌّ سے جس کے معنی مضبوط باندھنے کے ہیں، ماضی کا صیغہ جمع متکلم، راغب نے لکھا ہے کہ شِدَّۃٌ کا استعمال باندھنے کے لیے بھی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہوتا ہے اور بدن کے بارے میں بھی اور نفس کی قوتوں کے متعلق بھی اور عذاب کے واسطے بھی، ۲۳/۱۱ ۲۹/۲۰

شُدُّوْا: تم مضبوط باندھو، شَدٌّ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ۲۶/۵

شَدِیْد: سخت، مستحکم، پکا، شَدٌّ سے بر وزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ، واضح رہے کہ شَدِیْدٌ کے معنی بخیل کے بھی آتے ہیں جیسے وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (اور آدمی مال کی محبت میں بخیل ہے) اس صورت میں فَعِیْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ بھی ہو سکتا ہے گویا مَشْدُوْدٌ یعنی بندھا ہوا ہے اور بمعنی فاعل بھی کہ اس نے اپنی تھیلی باندھ رکھی ہے

۲/ ۴ و ۸ و ۱۰ ، ۳/ ۹ و ۱۰ ، ۶/۵ ، ۷/۳ ، ۸/۲ ، ۹/ ۱۲ و ۱۷ ، ۱۰/ ۲ و ۳
۱۱/۱۲ ، ۱۲/ ۷ و ۱۹ ، ۱۳/ ۷ و ۸ و ۱۳ و ۱۴ ، ۱۵/۱ ، ۱۷/۸ ، ۱۸/۴ ، ۱۹/۱۸
۲۲/ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ ، ۲۳/۱۱ ، ۲۴/ ۴ و ۸ ، ۲۵/ ۳ و ۴ ، ۲۶/ ۱۰ و ۱۶ ، ۲۷/ ۵ و ۱۹
۲۸/ ۴ و ۵ ، ۳۰/ ۱۰ و ۲۵

شَدِیْدًا: ۳/۱۴ ، ۹/۱۱ ، ۱۵/ ۶ و ۱۲ ، ۱۹/۱۷ ، ۲۱/۱۸ ، ۲۴/۱۸ ، ۲۸/ ۳ و ۱۸ ، ۲۹/۱۱ ۔

فصل الرّاء المہملہ

شَرٌّ: برائی، شر جس سے سب کو نفرت ہو وہ شر ہے، اس کی تحقیق سابق میں لفظ خیر کے ضمن میں گزر چکی ہے اور وہیں اس کے انواع کا بھی مذکور ہو چکا ہے شُرُوْرٌ جمع ۲/۱۰ ، ۴/۹ ، ۶/۱۳ ، ۹/۱۴
۱۱/۳ ، ۱۱/۷ ، ۱۳/۳ ، ۱۵/ ۲ و ۹ ، ۱۶/۸ ، ۱۷/ ۳ و ۱۶ ، ۱۹/۱ ، ۲۳/۱۳
۲۵/۱ ، ۲۹/ ۷ و ۱۹ ، ۳۰/ ۲۳ و ۳۸ و ۳۹

شَرًّا ۱۸/۴ ، ۳۰/۲۴

شَرَابٌ: پینے کی چیز، ہر وہ چیز کہ جس کو چبانا نہ پڑے بلکہ پیا جائے، عربی میں اس کے لیے شراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اَشْرِبَۃٌ جمع ۱۱/۶ ، ۱۲/۱۴ ، ۱۴/ ۸ و ۱۵ ، ۱۵/۱۶ ، ۲۳/۱۳ ، شَرَابًا ۲۹/۱۹ ، ۳۰/۱

شَرَابُكَ: تیرے پینے کی چیز، شَرَابٌ مضاف، كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ۔ ۳/۳

شَرَابُہٗ: اس کے پینے کی چیز، شَرَابٌ مضاف، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ۲۲/۱۴

شَرِبَ اس نے پیا، شُرْبٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (ملاحظہ ہو اِشْرَبُوْا) ۲/۱۴

شُرْبٌ: پینا، شَرِبَ یَشْرَبُ کا مصدر ہے ۲۷/۱۵

شِرْبٌ: پانی پینے کی ایک باری، پانی کا ایک حصہ، شُرْبٌ سے اسم ہے، اَشْرَابٌ جمع، ۱۹/۱۲ ، ۲۷/۹

شَرِبُوْا: انہوں نے پیا، شُرْبٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، ۲/۱۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شَرَحَ : اس نے دل کھولا، شَرْحٌ سے ماضی
کا صیغہ واحد مذکر غائب، اصل میں شَرْحٌ کے معنی
گوشت وغیرہ کے پھیلنے کے ہیں "شرح صدر" کا مطلب
سینہ کا نورِ الٰہی سے کشادہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی
طرف سے تسکین و تقویت کا پانا ہے (ملاحظہ ہو
اِشْرَحْ) پ ۱۴/۲ ۲۳/۱۷

شَرِّدْ : تو ایسی سزا دے کہ دوسرے دیکھ کر
بھاگ جائیں، تَشْرِيْدٌ سے جس کے معنی ایسی سزا
دینے کے ہیں کہ دوسرے دیکھ کر بھاگ جائیں،
امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، پ ۱۰/۳

شِرْذِمَةٌ : تھوڑے سے آدمی، قلیل جماعت
شَرَاذِمُ اور شَرَاذِيْمُ جمع پ ۱۹/۸

شَرَرٌ : شرارے، چنگاریاں، شَرَرَةٌ واحد، پ ۲۹/۲۱

شَرَعَ : اُس نے راہ ڈالی، (فتح) شَرْعٌ سے جس
کے معنی صاف راستہ پر چلنے اور راہ ڈالنے کے آتے
ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، راغب
لکھتے ہیں :-

ارشادِ الٰہی شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (راہ ڈال
دی تمہارے لیے دین میں) میں ان اصول کی
طرف اشارہ ہے کہ جن میں ساری ملتیں برابر
ہیں اور جن کا نسخ صحیح نہیں جیسے حق تعالیٰ
شانہ کی معرفت اور اسی طرح کے وہ امور کہ جن کو
آیہ کریمہ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور جو کوئی یقین نہ
رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور
کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے
دن پر) بتلا رہی ہے"

حضرت الاستاذ علامہ محمود حسن خاں ٹونکی مدظلہم
نے اسی آیۃ سے یہ نکالا ہے کہ شریعت سماویہ کی
ابتدا، حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سے ہوئی
ہے، اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

"نوح علیہ السلام کے عہد سے شریعت سماویہ
یعنی اسلام کی ابتدا ہوئی ہے قال سبحانہ تعالیٰ
شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا
الآیہ، یہ آیۃ جو پچیسویں پارے میں ہے صاف
تاریخ ہے ابتداء شریعت اسلام کی۔

نوح علیہ السلام سے پہلے دین و مذہب محض
فطرتی تھا یعنی خالقِ عالم ذاتِ واحد ہے اور
بس، اسی کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان فرمایا
ہے وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً
فَاخْتَلَفُوْا یہ اختلاف بعثت انبیاء علیہم السلام
کے بعد خلق اللہ نے پیدا کیا ہے" پ ۲۵/۲

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شُرَّعًا: پانی کے اوپر ظاہر ہونے والے
شارِعٌ کی جمع، جو شَرَعَ سے اسم فاعل کا صیغہ
واحد مذکر ہے، شَرَعَ کے معنی ظاہر ہونے اور پانی
کے اندر آنے کے بھی آتے ہیں ۹/۱۱
شَرَعُوْا: اُنہوں نے راہ ڈالی، شَرَعَ سے ماضی
کا صیغہ جمع مذکر غائب (۲۵/۴)
شِرْعَۃً: دستور، شَرَعَ سے اسم ہے۔ امام
راغب لکھتے ہیں:-
"شَرْعٌ کے معنی ہیں صاف راستہ پر چلنے کے
کہا جاتا ہے شرعت طریقا اور شرع مصدر ہے
بعد میں اسے طریق واضح (صاف راستہ) کا اسم
قرار دیا گیا، چنانچہ شِرْعٌ، شَرْعٌ اور شَرِیْعَۃٌ
استعمال ہونے لگا، نیز طریقہ الٰہیہ کے لیے اس
کا استعارہ کر لیا گیا ارشاد ہے شِرْعَۃً وَّ
مِنْھَاجًا یہ دو باتوں کی طرف اشارہ ہے
ایک تو وہ راہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان
کو مسخر فرما رکھا ہے کہ وہ اسی طریق کا طالب
ہے جو بندوں کی مصلحتوں اور شہروں کی آبادی
کی طرف عائد ہو، ارشاد الٰہی وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ
بَعْضًا سُخْرِیًّا (اور ہم نے بلند کر دیے درجے
بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے
کو خدمتگار) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
دوسرے وہ دین کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ
فرمایا اور حکم دیا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے
اس کا قصد کرے جس میں شرائع کا اختلاف
اور نسخ واقع ہوتا ہے آیہ شریفہ ثُمَّ جَعَلْنٰکَ
عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا (پھر تجھ
کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام
کے، تو اسی پر چل) نے اسی کو بیان کیا ہے"۔
اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں رقمطراز
ہیں:-
"مفسرین کے اقوال شرعۃ اور منہاج کی تفسیر
میں مختلف ہیں بعض نے کہا ہے کہ شرعۃ دین
اور منہاج طریق ہے، اور بعض کا قول ہے
کہ دونوں کے معنی طریق ہی کے ہیں اور طریق
سے مراد یہاں دین ہی ہے لیکن جب لفظ مختلف
ہوں تو متعدد الفاظ کو اس لیے لایا جاتا ہے
تاکہ اس قصہ اور معاملہ کی تاکید ہو جائے۔
عنترہ کہتا ہے ع
اقوی واقفر بعد ام الھیثم
کہ اقوی اور اقفر دونوں کے معنی ایک ہی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہیں خلوت کے لیکن دو لفظوں کا ہونا خلوت کے

معنی کی زیادہ تاکید کرتا ہے، حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ "شرعۃ" اور "منہاج"

کے معنی سبیل اور سنت (راہ اور طریقے) کے ہیں،

اور مفردات میں آپ سے یہ منقول ہے کہ شرعۃ

وہ ہے جس کو قرآن نے کر آیا اور منہاج وہ ہے جو

سنت میں وارد ہوا، قتادہ نے شرعۃ ومنہاجا

کی تفسیر میں کہا ہے کہ دین ایک اور شریعت مختلف [1]

شَرْقِيًّا: شرقی، مشرق کی سمت والا، شرق کے معنی

جانب مشرق کے ہیں جس طرف سے سورج نکلتا ہے، اور

ی اس میں نسبت کے لیے ہے۔

شَرْقِيَّةً: شرقی، مشرق کی سمت والی، اس میں تاء

تانیث کی ہے۔

شِرْكٌ: شرک، ساجھا، ساجھی بنانا، شریک ٹھہرانا،

شَرِكَةٌ اور اِشْرَاكٌ سے اسم ہے۔

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی، موضح القرآن

میں سورہ بقرہ میں زیر آیہ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ رقمطراز

ہیں:-

"شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً

کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے

کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار

میں ہے، اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے

مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت

مانگے اس کو مختار جان کر"

اور سورہ نساء میں زیر آیہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ

بِهٖ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اوپر سے ذکر تھا منافقوں کا جو پیغمبر کے حکم پر

راضی نہ ہو اور جدی راہ چلے یہ آیت فرمائی کہ

اللہ شرک نہیں بخشتا تو "شرک" فرمایا حکم میں

شریک کرنے کو یعنی سوائے دین اسلام کے اور

دین پسند رکھے اور اس پر چلے پس جو دین ہے

سوائے اسلام کے سب شرک ہے اگرچہ پوجنے

میں شرک نہ کرتے ہوں"

اور سورہ انعام میں زیر آیہ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ

لَمُشْرِكُوْنَ فرماتے ہیں،

"شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے

پوجے بلکہ شرک کے حکم میں ہے کہ اور کا مطیع ہو

جائے"

اور اسی سورہ میں زیر آیہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

[1] فصل الشین من باب العین۔

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا لکھتے ہیں:۔

"اب جاننا چاہیے کہ اللہ کی نیاز دینی یہ کہ اس کی راہ میں جن کو دلوا دے ان کو دینا اس کا فائدہ اس کو نہیں پہنچتا اس کی حکم برداری ہے اور چیز سے فقیر کو فائدہ اور ثواب سے فائدہ دینے والے کو، پھر جو کسی بزرگ کے واسطے کچھ دے اگر اسی وضع پر دے "شرک" ہے جس پر اللہ نے الزام دیا، مگر اس بزرگ کو اپنی جگہ ٹھہرا دے کہ اس کی طرف سے اللہ کی راہ میں جن کو کہا ہے ان کو دے تو حکم برداری اللہ کی اور چیز فقیر کو اور ثواب اس شخص کے بدلے اس بزرگ کو

اور سورۂ یونس میں زیر آیۃ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ ارقام فرماتے ہیں:

"کہ اللہ ہی کی طرف سب آخر کو کھنچے جائینگے تو بس اللہ ایک ہے اس کے سوائے کی طرف رجوع کرنا حماقت سے "شرک کرنا ہے"

اور سورۂ النحل میں زیر آیہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ فرماتے ہیں کہ:

"مشرک کہتے ہیں کہ مالک اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں"۔

اور سورۂ حج میں زیر آیۃ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا مرقوم ہے:۔

"یعنی مواشی ذبح کرنے نیاز اللہ کی ہر دین میں عبادت رکھا ہے اس کے سوائے اور کی نیاز ذبح کرنا اس کی عبادت ہو گئی تو "شرک" ہوا"

شاہ صاحب موصوف نے "شرک" کے متعلق متفرق مقامات پر مختصر الفاظ میں جو کچھ فرمایا ہے ان کے بھتیجے مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے "تقویت الایمان" میں اسی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"سمجھنا چاہیے کہ "شرک" اسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے مقابل جانے بلکہ "شرک" کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اپنے بندوں کے ذمہ نشان بندگی کے ٹھہرائے ہیں، وہ چیزیں کسی اور کے واسطے کرنی! اب یہ بات تحقیق کی چاہیے کہ اللہ صاحب نے کون کون سی چیزیں اپنے واسطے خاص کر رکھی ہیں کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا چاہیے، سو وہ باتیں بہت ساری ہیں مگر کئی باتوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے تا اور باقی باتیں ان سے لوگ سمجھ لیں۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

سو اول بات یہ کہ ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا، اور ہر چیز کی خبر ہر وقت رکھنی، دور ہو یا نزدیک چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہ میں، یہ اللہ ہی کی شان ہے اور کسی کی یہ شان نہیں، سو جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دہائی دیوے اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے، یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں، جیسے بیماری، تندرستی، کشائش و تنگی، مرنا جینا، غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں شرک ہیں، اس کو "اشراک فی العلم" کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا، سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیاء اولیاء سے رکھے خواہ پیر شہید سے رکھے خواہ امام وا امام زادے سے خواہ بھوت و پری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا، اور روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا، فتح و شکست دینی، اقبال و ادبار دینا، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی نبی ولی کی، پیر شہید کی، بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہو جاتا ہے اور اس کو "اشراک فی التصرف" کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا، سو یہ محض شرک ہے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ بعضے تعظیم کے کام اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے گھر کی طرف دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا کہ ہر کوئی جان لیوے کہ یہ لوگ اس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتیں کرنے سے اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا اور اس کی طرف سجدہ کرنا اور اس کی طرف جانور لیجانے اور وہاں منتیں ماننی اس پر غلاف ڈالنا اور اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنی اور التجا کرنی اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر کو بوسہ دینا اور اس کی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی ملنی، اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی اور اس کے گرد روشنی کرنی اور اس کا مجاور بن کر اس کی خدمت میں مشغول رہنا جیسے جھاڑو دینی روشنی کرنی، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لیے سامان درست کرنا اور اس کے کنوئیں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، آپس میں بانٹنا، غائبوں کے واسطے لیجانا، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتلائے ہیں، پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت و پری کو یا کسی سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان کو یا کسی چلّے کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کیے یا رکوع کرے یا اس کے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہووے یا جانور چڑھاوے یا ایسے مکانوں میں دور دور سے قصد کر کے جاوے یا وہاں روشنی کرے غلاف ڈالے چادر چڑھاوے، ان کے نام

کی چھڑی کھڑی کرے، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے، ان کی قبر کو بوسہ دے، مورچھل جھلے اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دیوے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے مجاور بن کے بیٹھ رہے، وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے، اس کو "اشراک فی العبادت" کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے، ہر طرح "شرک" ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ اللہ صاحب نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کی تعظیم کرتے رہیں تاکہ ایمان بھی درست رہے اور ان کاموں میں بھی برکت ہووے جیسے اڑے کام پر اللہ کی نذر ماننی اور مشکل کے وقت اس کو پکارنا اور ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا اور جب اولاد ہو تو اس کے شکر میں اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن، خدابخش، اللہ دیا، امۃ اللہ، اللہ دی رکھنا اور کھیت اور باغ میں تھوڑا بہت اس کے نام کا رکھنا اور دھن اور ریوڑ میں سے کچھ اس کی نیاز کر رکھنا اور جو جانور اس کے نام کے اس کے گھر کی طرف لیجائے ان کا ادب کرنا یعنی نہ ان پر سوار ہونا نہ لادنا، اور کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا یعنی جس چیز کے برتنے کو اس نے فرمایا برتنا اور جو منع کیا اس سے دور رہنا اور برائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے جیسی قحط اور ارزانی، صحت و بیماری، فتح و شکست اقبال و ادبار، غمی و خوشی یہ سب اس کے اختیار میں سمجھنا اور اپنا ارادہ جس کام کا بیان کرنا تو پہلے اس کے ارادہ کا ذکر کر دینا جیسا یوں کہنا کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلانا کام کرینگے اور اس کے نام کو ایسی تعظیم سے لینا کہ جس میں اس کی مالکیت نکلے اور اپنی بندگی جیسے یوں کہنا کہ ہمارا رب، ہمارا مالک، ہمارا خالق اور کلام میں جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ے کے نام کی قسم کھانی، سو اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بتائی ہیں، پھر جو کوئی کسی انبیاء، اولیاء کی، اماموں اور شہیدوں کی، بھوت و پری کی اس قسم کی تعظیم کرے جیسے اٹکے کام پر ان کی نذر مانے مشکل کے وقت ان کو پکارے بسم اللہ کی جگہ ان کا نام لیوے، جب اولاد ہو ان کی نذر و نیاز کرے، اپنی اولاد کا نام عبد النبی، امام بخش، پیر بخش رکھے، کھیت اور باغ میں ان کا حصہ لگاوے جو کھیتی باڑی سے آوے پہلے ان کی نیاز کر دے جب اپنے کام میں لاوے اور دھن اور ریوڑ میں سے ان کے نام کے جانور ٹھہراوے اور پھر ان جانوروں کا ادب کرے، پانی دانہ پر سے نہ ہانکے، لکڑی پتھر سے نہ مارے اور کھانے پینے میں رسموں کی سند پکڑے کہ فلانے لوگوں کو چاہیے کہ فلانا کھانا نہ کھاویں، فلانا کپڑا نہ پہنیں حضرت بی بی کی صحنک مرد نہ کھاویں، لونڈی نہ کھاوے جس عورت نے دوسرا خصم کیا ہو وہ نہ کھاوے شاہ عبد الحق کا توشہ حقہ پینے والا نہ کھاوے اور برائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے اس کو ان کی طرف نسبت کرے کہ فلانا ان کی پھٹکار میں آکر سڑی دیوانہ ہو گیا اور فلانے کو انہوں نے ایسا راندا کہ محتاج ہو گیا اور فلانے کو نواز دیا تو فتح و اقبال مل گیا اور قحط فلانے ستارے کے سبب سے پڑا فلانا کام جو فلانے دن شروع کیا تھا یا فلانی ساعت میں سو پورا نہ ہوا یا یوں کہے کہ اللہ و رسول چاہیگا تو میں آؤنگا یا پیر چاہیگا تو یہ بات ہو جائیگی، یا اس کے تئیں بولنے میں یا معبود، داتا، بے پروا خداوند خدائیگاں، مالک الملک، شہنشاہ بولے، یا جب حاجت قسم کھانے کی پڑے تو پیغمبر کی یا علی کی یا امام کی یا پیر کی یا ان کی قبروں کی قسم کھاوے سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو "اشراک فی العادت" کہتے ہیں یعنی اپنی عادت کے کاموں میں جو اللہ کی تعظیم کرنی چاہیے سو غیر کی کرے سو ان چاروں طرح کے شرک کا صریح قرآن و حدیث میں ذکر ہے"

"شرک" کی تفصیل و توضیح کے لیے مولانا اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" اور مولانا خرم علی بلہوری کی نصیحۃ المسلمین سے بہتر اور مفید کتابیں اردو میں موجود نہیں "شرک کی حقیقت کو سمجھنے اور اچھی طرح ذہن نشین

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کہنے کے لیے عام لوگوں کے واسطے ان کا مطالعہ
از بس ضروری ہے (ملاحظہ ہو شُرَکَاءُ اور
شَادِکُهُمْ) ۲۱/۱۱ ۲۲/۹و۱۷ ۲۶/۱

شُرَکَآءُ: شریک، ساجھی، شَرِیْك کی جمع، تمام
قرآن مجید میں یہ لفظ دو مقام پر اس طرح مرسوم ہے
شُرَکٰٓؤُا کاف کے بعد واو ہے اور واو کے بعد ہمزہ
اور الف، ایک تو سورۂ انعام میں اور دوسرے سورۂ
شوریٰ میں، لیکن واو تلفظ میں نہیں آتا ہے۔
۴/۱۳ ۷/۱۷و۱۸ ۸/۳ ۹/۱۴ ۱۱/۱۲و۱۳ ۱۳/۸و۱۱ ۲۰/۱۰ ۲۲/۹و۱۷
۲۳/۱۷ ۲۵/۴ ۲۹/۴

شُرَکَآؤُکُمْ: تمہارے شریک، شُرَکَآءُ مضاف
کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ۷/۹ ۸/۱۱

شُرَکَآئِکُمْ ۱۱/۹ ۲۱/۷

شُرَکَآؤُنَا: ہمارے شریک، شُرَکَآءُ مضاف
نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ۱۴/۱۸

شُرَکَآئِنَا ۸/۳

شُرَکَآؤُهُمْ: ان کے شریک، شُرَکَآءُ مضاف
هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ۸/۳ ۱۱/۸

شُرَکَآئِهِمْ ۸/۳ ۲۱/۵ ۲۹/۴

شُرَکَآءِیَ: میرے شریک، شُرَکَآءِ مضاف
یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ۱۴/۱۰ ۱۵/۱۹ ۲۰/۱۰ ۲۵/۱

شِرْکِکُمْ: تمہارا شرک، شِرْكِ مضاف کُمْ ضمیر
جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ۲۲/۱۴ ۔

شَرَوْا: انہوں نے بیچا، (ضَرَبَ) شِرَاءٌ سے
جس کے معنے خرید و فروخت کرنے کے ہیں ماضی
کا صیغہ جمع مذکر غائب، واضح رہے کہ گو شِرَاءٌ کے
معنی خریدنے اور بیچنے دونوں کے ہیں، لیکن بیشتر
اس کا استعمال بیچنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ ۱/۱۲

شَرَوْهُ: انہوں نے اس کو بیچ ڈالا، اس میں
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے۔ ۱۲/۱۲

شَرُّهٗ: اس کی شر، اس کی برائی۔ شَرُّ مضاف
ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ۲۹/۱۹

شَرِیْعَةٌ: رستہ، شریعت، الٰہی طریقہ۔ شَرْعٌ
سے اسم ہے۔ راغب[۱] لکھتے ہیں کہ:
"بعض علماء کا بیان ہے کہ شریعت کا شریعت نام
شریعۃ الماء (پانی کا گھاٹ) سے تشبیہ کی بناء
پر اس حیثیت سے کہ جو اس کی سچی حقیقت پر
مطلع ہوا سیراب ہو گیا اور پاک ہوا، اور میری مراد
سیرابی سے وہ ہے جس کو کسی حکیم نے بیان کیا
ہے کہ کنت اشرب فلا اروی فلما عرفت
اللہ تعالیٰ رویت بلا شرب (میں پیتا رہا
اور سیراب نہ ہوا پھر جب اللہ تعالیٰ کی معرفت

[۱] مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۵ طبع [illegible]

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

ہوئی تو ملا پیے سیراب ہوگیا) اور پاک ہونے
سے مراد وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا
ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ
الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا
(اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی
باتیں اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کردے تم کو
ایک ستھرائی سے) پ ۲۵/۱۸

شَرِیْكٌ : شریک، ساجھی، شِرکَتٌ سے بروزن
فَعِیْلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہے۔ شُرَکَاءُ جمع ہے۔ پ ۱۵/۱۲
پ ۱۸/۱۶

فصل الطاء المهملة

شَطْئَهٗ : اس کی سوئی، اس کا پٹھا، اس کا پتہ
شَطْءٌ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ۔ شَطْءٌ کے معنی پودے کی سوئی کے ہیں
جو اس کی دونوں جانب پھوٹ نکلتی ہے۔ اس
کی جمع شُطُوْءٌ اور اَشْطَاءٌ ہے۔ پ ۲۶/۱۲

شَطْرَ : طرف، سمت، جہت، اسم ہے جب یہ
اس معنی میں آتا ہے تو اس سے فعل کا استعمال نہیں
ہوتا۔ امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں "کہ اہل لغت کا
بیان ہے کہ شطر اسم مشترک ہے جو دو معانی کے لیے
آتا ہے۔ ایک بمعنی نصف کے، اور دوسرے بمعنی طرف
سامنے اور سمت کے۔" پ ۲/۱و۲

شَطْرَهٗ : اس کی سمت، اس کی جانب اس
کی طرف۔ شَطْرَ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ، پ ۲

شَطَطًا : جو بات حق سے دور ہو، شَطَّ یَشُطُّ
اور شَطَّ یَشِطُّ کا مصدر ہے جس کے معنی اصل میں
افراط بُعد یعنی حد سے زیادہ دور ہونے کے ہیں اور چونکہ
حد سے بڑھنا جور و ستم ہے اس لیے ان معنوں میں بھی
اس کا استعمال ہوتا ہے اور اسی لیے اس بات کو جو
حق سے دور ہو شطط کہتے ہیں پ ۱۵/۱۴ پ ۱۹/۱۱

فصل العین المهملة

شَعَآئِرَ اللّٰہِ : اللہ کی نشانیاں، اللہ کے نام
کی چیزیں، یعنی وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے
بندوں کے ذمہ نشان بندگی ٹھہرائے ہیں، امام
فخرالدین رازی لکھتے ہیں

معلوم رہے کہ شعائر جمع ہے اکثر علما اس
پر ہیں کہ شعیرۃ کی جمع ہے اور ابن فارس نے
اس کا واحد شِعَارَۃٌ بتایا ہے شَعِیْرَۃٌ بروزن
فَعِیْلَۃٌ بمعنی مَفْعَلَۃٌ (یعنی مَشْعَرَۃٌ) ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور مَشْعَرَۃٌ کے معنی نشانی کے اور اِشْعَار کے معنی علم میں لانے کے ہیں جس شے کے متعلق اشعر آئیگا اَعْلَمَ (وہ علم میں لایا، اس نے اطلاع دی) کے معنی ہونگے اور ہر وہ شئے کہ جو کسی چیز کا نشان مقرر ہو یا جو کسی علامت کو بتائے اُسے شعیرۃ سے موسوم کیا جاسکتا ہے" لہ

اور امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی رقمطراز ہیں :-

"اہل لغت کا بیان ہے کہ شعائر شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے۔ شَعِیْرَۃٌ وہ نشانی ہے جو اس چیز کو بتاتی ہے جس کے لیے وہ مقرر کی گئی ہے۔ اشعار بُدن کے یہ معنی ہیں کہ تم اس پر ایسی نشانی مقرر کردو جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ ھدی (قربانی کا جانور) ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شعائر مناسک حج کی تمام علامات کا نام ہے جن میں رمی جمار اور سعی بین الصفا والمروۃ داخل ہیں، اور حبیب معلم، عطا سے راوی ہیں کہ ان سے شعائر اللہ کے متعلق سوال ہوا تو کہنے لگے "حرمات اللہ" (اللہ کا ادب) اس کی طاعت کا اتباع اور معصیت سے اجتناب یہ "شعائر اللہ" ہیں، اور شریک نے بروایت جابر عطا سے آیت وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ کی تفسیر میں قربانی کا فربہ اور بڑے ڈیل ڈول کا کرنا بیان کیا ہے اور ابن ابی نجیح نے بھی بروایت مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیۃ مذکور کی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے کہ تعظیم کا مطلب قربانی عمدہ، فربہ اور بلند بالا کرنا ہے، عکرمہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی مجاہد کا قول ہے اور حسن (بصری) نے کہا ہے کہ شعائر اللہ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ آیۃ مذکورہ میں یہ سب وجوہ مراد ہوسکتے ہیں، کیونکہ آیت میں سب کا احتمال موجود ہے" ۲ہ

اور سورۂ مائدہ میں آیۃ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ (اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو) کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

"کہ "شعائر اللہ" اللہ کے دین کے تمام نشانات پر حاوی ہے، یعنی دین کے وہ فرائض اور نشانات کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلا دیا ہے، کہ ان کے حدود سے تجاوز نہ کریں اور ان کے

لہ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۳ طبع مصر حسینیہ
۲ہ احکام القرآن ج ۳ ص ۲۹۸ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حقوق میں کوتاہی نہ ہو اور انہیں ضائع نہ ہونے
دیں، یہ معنی ان تمام معانی کو جامع ہیں کہ جو
سلف سے اس کی تشریح میں مروی ہیں"[۵]

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ارقام
فرماتے ہیں:-

"شعائر در اصل جمع شعیرہ است یا جمع
شعارہ است بمعنی علامت و شعائر اللہ در
عرف دین مکانات و ازمنہ و علامات و اوقات
عبادت را گویند، اما مکانات عبادت پس
مثل کعبہ و عرفہ و مزدلفہ و جمار ثلثہ و صفا و مروہ
و منا و جمیع مساجد اند۔ و اما ازمنہ، پس مثل
رمضان و اشہر حرم و عید الفطر و عید النحر و جمعہ
و ایام تشریق اند، اما علامات پس مثل اذان و
اقامت و ختنہ و نماز جماعت و نماز جمعہ و
نماز عیدین اند، و در ہمہ ایں چیزہا معنی علامت
بودن متحقق ست زیرا کہ مکان و زمان عبادت
نیز از عبادت بلکہ از معبود یاد میدہد"[۶]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے
اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں ایک مستقل
باب باندھا ہے باب تعظیم شعائر اللہ "شعائر اللہ"
کی مزید تشریح و تفصیل کے سمجھنے کے لیے اہلِ
علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

پ ۲/۳ پ ۶/۵ پ ۱۷/۱۱ و ۱۲

شُعَبٍ: پھانکیں، شاخیں، حصے شُعْبَۃٌ کی
جمع جس کے معنی شاخ اور حصہ کے ہیں، پ ۲۹/۲۱

شِعْرٌ: شعر، شعر کہنا۔ شَعَرَ یَشْعُرُ کا مصدر ہے
جس کے معنی شعر کہنے کے ہیں۔ نیز ادب کی اصطلاح
میں "شعر" نام ہے "اس کلام کا جو موزوں ہو اور
متکلم نے بہ ارادہ موزوں کیا ہو"۔ راغب اصفہانی
لکھتے ہیں:-

شَعْرٌ کے معنی معروف ہیں (بال کو کہتے ہیں)
جمع ہے، ارشاد ہے وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا
وَأَشْعَارِهَا (اور بھیڑوں کی اون سے اور
اونٹوں کی ببریوں سے اور بکریوں کے بالوں
سے) اور شَعَرْتُ کے معنی ہیں میں نے بالوں
کو حاصل کر لیا (یعنی گھنے بال کر لیے) اور اسی
سے استعارہ کیا گیا ہے شَعَرْتُ کذا یعنی
میں نے علم حاصل کیا جو باریکی میں ایسا ہے
جیسے بال کا پتہ چلانا، اور شاعر کو شاعر اس
کی فطانت اور دقت معرفت ہی کی بنا پر

---

۵ احکام القرآن ج ۲ ص ۳۶۶ ۶ تفسیر فتح العزیز ص ۵۶۹ طبع مجتبائی دہلی

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

کہا گیا ہے ۔ پس شعر اصل میں علم دقیق کا نام
ہے ۔ عرب کا محاورہ ہے لیت شعری (کاش
مجھے اس کا گہرا پتہ ہوتا) اور عرف میں جو کلام
موزوں اور مقفیٰ ہو اس کا نام شعر ہے اور
جو صنعت شعر گوئی سے مخصوص ہو اس کا نام
شاعری ہو گیا ہے ۔

قرآن مجید میں کفار کی زبانی مذکور ہے بَلِ
افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (نہیں جھوٹ باندھ لیا
ہے، نہیں شعر کہتا ہے) اور لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ
(ایک شاعر دیوانہ کے لیے) اور شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ
بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اس
پر گردش زمانہ کے) بہت سے مفسرین نے
تو اسے اس پر محمول کیا ہے کہ کفار نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ
(نعوذ باللہ) منظوم و مقفیٰ شعر پیش کرتے ہیں
حتیٰ کہ انہوں نے قرآن میں جہاں کہیں بھی
ایسے الفاظ آئے ہیں جن میں وزن کا شبہ ہوتا
ہے جیسے کہ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ
رّٰسِيٰتٍ اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ہیں،
ان سب کی تاویل کی ہے ۔

اور بعض حقیقت شناسوں نے کہا ہے کہ
اس الزام سے کافروں کا یہ مقصد تھا ہی نہیں
کیونکہ کلام اللہ سے ظاہر ہے کہ وہ اسالیب
شعر پر نہیں ہے ۔ اور یہ بات ایسی ہے کہ
عجم کے غیر فصیح لوگوں پر بھی مخفی نہیں، فضلاء
عرب کا تو ذکر ہی کیا، بلکہ انہوں نے (نعوذ
باللہ) آپ کو کذب سے منسوب کیا تھا، کیونکہ
شعر کی تعبیر کذب سے کی جاتی ہے اور شاعر
بمعنی کاذب ہے حتیٰ کہ ایک قوم نے تو ادلہ
کاذبہ کا نام ہی "ادلہ شعریہ" رکھا ہے اور اسی
لیے حق تعالیٰ شانہ نے عام شعراء کا یہ وصف
بیان فرمایا ہے ۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (اور شاعروں کی بات
پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں، تو نے نہیں دیکھا
کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور
یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے) اور اسی باعث
کہ شعر جھوٹ کا ٹھکانہ ہے کہا گیا ہے (احسن
الشعر اکذبہ (احسن اوست اکذب او) اور
بعض حکماء کا بیان ہے کہ کوئی متدین صادق
اللہجہ شاعری میں نادرہ کار نہیں دیکھا گیا ۔
بہر حال یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

علیہ وسلم ترجمانِ حقیقت تھے، شاعر نہ تھے، نہ شاعری
آپ کے لیے زیبا تھی، پیغمبرانہ صداقت اور شاعرانہ
تخیلات میں زمین آسمان کا فرق ہے، البتہ کسی
موقع پر کسی شاعر کا شعر پڑھ دینا یا رجز کے وقت
بے ساختہ مقفیٰ عبارت زبانِ مبارک سے نکل
جانا یہ ایک الگ بات ہے، اسے شاعری نہیں
کہتے، حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے فتح الباری
میں لکھا ہے کہ:

"اس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی شعر کا بطور مثال
بیان کرنا یا کسی دوسرے کا شعر بطور حکایت
نقل کرنا روا تھا تو صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا آپ
کے لیے جائز تھا" [۵۱]

علامہ احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں کہ

"آیا شعر کی ممانعت صرف آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے خاص تھی یا نوعِ انبیاء کے
لیے تھی، بعض علماء کا بیان ہے کہ یہ ممانعت عام
تھی کیونکہ ارشاد ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ
مَا يَنْبَغِي لَهٗ (اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو
شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں) اور اس میں
خصوصیت کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے۔" [۵۲] ۲۳/۴

شُعَرَآءُ: شاعر لوگ، شاعرؔ کی جمع ہے خلافِ
قیاس، علامہ احمد فیومی ابن خالویہ سے ناقل ہیں کہ

"شاعر کی جمع شعراء اس لیے آئی کہ بعض
عرب شُعُرَاء بالضم بولتے ہیں اس لیے قیاس
یہ ہے کہ اس سے صفت کا صیغہ فعیل کے وزن
پر آئے جیسے شرفاء کہ شریف کی جمع ہے پر اس
طرح کہا جاتا تو شعیر سے التباس ہوتا جس
کے معنی جو کے ہیں لہذا انہوں نے شاعر کہا
اور اس کے اصلی وزن کو ملحوظ رکھا، ہاں علماء
اور حلماء وغیرہ جو ہیں سو علیم اور حلیم کی جمع
ہیں" [۵۳] ۱۹/۱۵

شِعْرٰى: شعریٰ ایک مشہور ستارہ کا نام ہے
خاص طور پر اس کا ذکر اس لیے کیا کہ عرب کی ایک
قوم کا یہ معبود تھا، شیخ سلیمان جمل لکھتے ہیں:-

"عربی زبان میں شعریٰ نام کے دو ستارے
ہیں ان میں سے ایک الشعریٰ العبور کہلاتا ہے
اور وہی آیہ کریمہ میں مراد ہے کیونکہ قبیلہ خزاعہ

---

۵۱ فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۴۵ طبع مصر ۱۳۴۸ھ طبع مصر
۵۲ مواہب اللدنیہ مع شرح زرقانی ج ۵ ص ۲۵۵
۵۳ تاج العروس

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اس کی پرستش کیا کرتا تھا، قبیلہ کے سرداروں میں ایک شخص ابو کبشہ نامی، تھا اس نے اس کی پوجا کا طریق قائم کیا، کہنے لگا کہ سارے ستارے تو آسمان کو عرض میں قطع کرتے ہیں اور شعریٰ طول میں قطع کرتا ہے اس لیے یہ ان سے جدا ہے چنانچہ اس نے اس کی پوجا شروع کردی اور خزاعہ وحمیر بھی اسے پوجنے لگے، ابو کبشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناناؤں میں سے کوئی ہوئے ہے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین قریش کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے مذاہب کی مخالفت کی تو وہ آپ ﷺ کو اس شخص سے مشابہت دے کر کہ اس نے ان کے دین کے سوا نیا دین نکالا تھا ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔

یہ ستارہ جوزاء کے بعد سخت گرما کے زمانہ میں طلوع ہوتا ہے اور "شعریٰ یمانیہ" سے موسوم ہے۔ اور دوسرا ستارہ الشعریٰ الغمیصا بغین معجمہ مضموم ومیم مفتوح وصاد مہملہ غمص سے ہے بمعنی جس کے معنی آنسوؤں کے جاری ہونے کے ہیں" [1]

رسالہ زینت آسمان میں مرقوم ہے :-

"شعرائے یمانی" تمام آسمان میں اس کے برابر کوئی روشن ستارہ نہیں، نیلگوں سفید رنگ ہے اور جب ٹمٹماتا ہے رنگ بدلتا نظر آتا ہے، اس کی روشنی "الدبران" سے بارہ گنی ہے، اس کی ضیا حقیقی ہمارے آفتاب سے بیس گنی ہے، یہ ہمارے آفتاب سے بہت زیادہ گرم ہے، اس کا فاصلہ ۸½ سال نوری [2] ہے، یعنی ان ستاروں میں سے ہے جو ہم سے قریب ہیں۔ یہ ہماری طرف ۳۰۰ میل فی منٹ بڑھ رہا ہے، چونکہ "کلب اکبر" کا مشہور ستارہ شعریٰ ہی ہے اس لیے اسے "کلب الجبار" بھی کہتے ہیں، ۲۵ جولائی سے ۵ ستمبر تک آفتاب اور کلب الجبار کا طلوع تقریباً ایک ہی وقت پر ہوتا ہے ان دنوں کو ایام التکلب کہتے ہیں" [3]

---

[1] حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۴ ص ۲۳۸ طبع مصر ۱۳۵۲ھ

[2] نور یعنی روشنی کی رفتار فی سکنڈ ۱۸۶۰۰۰ میل ہے۔ ایک سال نوری فاصلہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے کسی ستارے کی روشنی ایک سال کی مدت میں ہم تک پہنچتی ہے۔

[3] زینت آسمان، از برکت علی و منہاج الدین پروفیسران اسلامیہ کالج پشاور ص ۲۹ طبع امرتسر۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شُعُوبًا: ذاتیں، شاخیں۔ شَعبٌ کی جمع جس کے معنی قبائل کے اس جداعلیٰ کے ہیں، جہاں سب قبیلے جاکر مل جاتے ہوں، یا شعب وہ ایک برادری ہے جو شاخ در شاخ پھیل گئی ہو، عرب میں قبیلہ کی تدریجی تقسیم کثرت سے قلت کی طرف حسب ترتیب ذیل ہے:۔

پہلے شعب[1] پھر قبیلہ[2] پھر عمارہ[3] پھر بطن[4] پھر فخذ[5] پھر فصیلہ[6]، ابواسامہ نے تصریح کی ہے کہ یہ طبقے انسانی خلقت کی ترتیب پر ہیں شعب سب سے عظیم تر ہے۔ شعب الراس (جہاں دماغ کے چاروں حصے جڑتے ہیں) سے مشتق ہے۔ پھر قبیلہ اپنے اجتماع کی بنا پر قبیلۃ الراس (کھوپڑی کا وہ حصہ جو شاخ در شاخ ہوتا ہے) سے ہی، پھر عمارۃ ہے جس کے معنی سینہ کے ہیں۔ پھر بطن (پیٹ) ہے۔ پھر فخذ (ران) ہے، پھر فصیلۃ ہے جس کے معنی پنڈلی کے ہیں[1]۔ ۲۶/۱۴

شُعَیْب: شعیب علیہ السلام مشہور پیغمبر ہیں، ابن عساکر بطریق اسحق بن بشر، شرقی بن القطامی سے جو علم انساب کے بڑے ماہر تھے ناقل ہیں کہ آپ عبرانی کے ثیروب ہیں اور عربی کے شعیب[2]، صغانی کہتا ہے کہ یہ عربی نام ہے، ممکن ہے کہ شعب کی تصغیر ہو یا اشعب (بہت چوڑے سینہ والا) کی جس طرح کہ اہل عرب اسود کی تصغیر میں سوید کہتے ہیں یہ تصغیر ترخیم[3] ہے، راغب لکھتے ہیں کہ "شعیب" یا تو شَعْبٌ مصدر کی تصغیر ہے (جس کے معنی فراہم کرنے اور پراگندہ کرنے کے ہیں) اور یا شَعْبٌ اسم کی (جس کے معنی بڑے قبیلہ کے آتے ہیں) اور یا شِعْبٌ کی (جس کے معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسے مصغر بنانا غلط ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں کی تصغیر جائز نہیں ہے، لیکن یہ امر قابل بحث ہے کیونکہ یہ حکم نام کے وضع ہو جانے کے بعد ہے نہ کہ نام رکھتے وقت علاوہ ازیں مختار یہ ہے کہ یہ اسم مرتجل[4] ہے اور اسی طرح اس کی وضع عمل میں آئی ہے[4]۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مرفوعاً وارد ہے کہ چار پیغمبر عرب سے ہیں، ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی اے ابوذر[5]۔

---

[1] تاج العروس فصل الشین من باب الباء [2] الدر المنثور ج ۳ ص ۱۰۲ [3] تاج العروس فصل الشین من باب الباء
[4] ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۸ ص ۱۵۳ [5] پوری حدیث لفظ انبیاء کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

[4] مرتجل وہ اسم ہے جس کو وضع کرتے وقت پہلے معنی کی مناسبت ملحوظ نہ ہو۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے حضرت شعیب علیہ السلام عرب عاربہ میں سے ہیں[1] بعض کا خیال ہے کہ آپ عرب کے قبیلہ بنو عنزہ بن اسد سے ہیں کیونکہ طبرانی اور ابن قانع نے حضرت سلمہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ اپنے قبیلہ بنو عنزہ کا وفد لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبیلہ عنزہ کی طرف اپنا انتساب ظاہر کیا تو آپ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا مرحبا بقوم شعیب واختان موسیٰ[2] (شعیب کی قوم اور موسیٰ کے سسرال والوں کو مرحبا) لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں مجہول راوی ہیں[3]، اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا پتہ دیتی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقربا میں سے ہیں، اور عرب عاربہ کے اس قبیلہ سے ہیں جس کو عنزہ کہا جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان سے ہیں کیونکہ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ دراز کے بعد ہوئے ہیں[4]،

آپ نے جس حسنِ اسلوب کے ساتھ قوم کے سامنے دعوت حق رکھی تھی اور پھر اس سلسلہ میں جو کچھ باہمی سوال و جواب ہوئے اس کے لفظ لفظ سے آپ کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ خطابت کے جوہر ٹپکتے ہیں، اسی لیے علماء سلف آپ کو خطیب الانبیاء کہتے تھے۔

ایک مرسل حدیث میں جس کو طبری، حاکم اور ابن ابی حاتم نے یعقوب بن ابی سلمہ سے بروایت ابن اسحٰق نقل کیا ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے تو فرماتے ذاک خطیب الانبیاء (وہ خطیب الانبیاء ہیں[5])، اسحٰق بن بشر نے اس روایت کو بایں سند عن جویبر و مقاتل عن الضحاک عن ابن عباس مرفوعاً بھی روایت کیا ہے[6] لیکن یہ سلسلہ سند سخت ضعیف ہے۔

مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ بن عباس

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۹ [2] یہ حدیث مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۵۱ طبع مصر ۱۳۵۳ھ میں منقول ہے اور ابن قانع کا حوالہ کنز العمال ج ۶ ص ۲۰۹ طبع دائرۃ المعارف میں ہے۔ [3] فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۹ [4] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۵ طبع مصر ۱۳۵۱ھ [5] ملاحظہ ہو تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۱۶۸ طبع حسینیہ مصر اور الدر المنثور ج ۳ ص ۱۰۳ طبع مصر [6] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۵ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

رضی اللہ عنہما سے آیہ کریمہ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح بتایا ہے، اور ذہبی نے تلخیص میں حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے[1]، ابو الشیخ اور ابن عساکر نے سعید بن جبیر سے جو مشہور جلیل القدر تابعی ہیں روایت کیا ہے کہ اللہ کی محبت میں روتے روتے آپ کا یہ حال ہوگیا تھا۔ یہ مضمون ایک مرفوع روایت میں بھی آیا ہے[2]، چنانچہ خطیب اور ابن عساکر نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام محبت الٰہی میں اتنے روئے کہ نابینا ہوگئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ بینائی عطا فرمائی اور وحی کی کہ اے شعیب یہ گریہ کیسا ہے، جنت کے شوق میں ہے یا دوزخ کے ڈر سے، عرض کیا اے میرے معبود، میرے مولیٰ، تو جانتا ہے کہ نہ تیری جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے ڈر سے لیکن تیری محبت کو اپنے دل میں جما رکھا ہے جب تیری طرف نظر پڑتی ہے تو پھر مجھے پروا نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ شعیب اگر یہ حق ہے تو تمہیں میری لقا مبارک ہو، اور اسی لیے تو میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہاری خدمت کے لیے کھڑا کردیا ہے، خطیب نے تاریخ بغداد میں اس حدیث کو منکر کہا ہے[3] اور ذہبی نے میزان میں تصریح کی ہے کہ "یہ حدیث باطل ہے بے اصل[4]" اور ابن کثیر سخت غریب[5] بتلاتے ہیں، آپ کی پیغمبرانہ سیرت اور دعوت حق کا تذکرہ قرآن مجید میں جابجا مذکور ہے (ملاحظہ ہو اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ اور مَدْيَن) ٩/١ ١٢/٨ ١٩/١٤

شُعَيْبًا ٨/١٨ ٩/١ ١٢/٨ ٢٠/١٦

فصل الغين المعجمة

شَغَفَهَا: اس نے اس کو فریفتہ کرلیا، وہ اس کے دل میں اتر گیا، اس نے اس کے دل میں جگہ پکڑلی (فتح) شَغَفَ شَغْفًا سے جس کے معنی محبت کے دل کے پردوں میں اتر جانے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ھا ضمیر واحد مؤنث غائب، شَغَافٌ کے معنی پردہ دل کے ہیں، اس لیے پردہ دل میں اتر جانے کے لیے

١ مستدرک حاکم مع تلخیص ذہبی ج ٢ ص ٥٦٨ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ٢ الدر المنثور ج ٣ ص ٣٤٨
٣ تاریخ بغداد ج ٦ ص ٢١٥ طبع مصر ١٣٤٩ھ ٤ کنز العمال ج ٦ ص ١٢٥ ٥ البدایہ والنہایہ ج ١ ص ١٨٨

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شَفَق آتا ہے، ۱۲/۱۴

شُغُلٍ: دھندا، مشغلہ، شغل، اَشْغَالٌ اور شُغُولٌ جمع، ۲۳/۳

شَغَلَتْنَا: ہمیں مشغول کرلیا، ہمیں دھندے میں لگالیا، (فتح) شَغَلَتْ شَغْلٌ سے جس کے معنی مشغول کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب، نا ضمیر جمع متکلم ۲۶/۱۰

فصل الفاء

شَفَا: کنارہ، یہ لفظ ہلاکت سے قریب ہونے کے لیے ضرب المثل ہے اَشْفَاءٌ جمع ہے، ۴/۲ ۱۱/۲

شِفَاءٌ: بیماری سے اچھا ہونا۔ اصل میں شَفِیَ یَشْفِیْ کا مصدر ہے اور مرض سے صحت پا جانے کے لیے بطور اسم مستعمل ہے اَشْفِیَۃٌ جمع ہے جیسے کہ سقاء کی جمع اسقیۃ ہے۔ ۱۱/۱۱ ۱۴/۱۵ ۱۵/۱۹ ۲۴/۱۹

شَفَاعَۃٌ: سفارش کرنا، شفاعت کرنا۔ شَفَعَ یَشْفَعُ کا مصدر ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے تقویۃ الایمان میں شفاعت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، جو ہدیہ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:

"کان رکھ کر سن لینا چاہیے کہ اکثر لوگ انبیاء و اولیا کی شفاعت پر بہت پھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں، سو شفاعت کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے، سو سننا چاہیے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو، اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کسی کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لیوے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کے پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ امیر اس کی سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگزر کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجیے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جاویں، اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے، اس کو "شفاعت وجاہت" کہتے ہیں، یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی، سو اس قسم کی سفارش

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی اور جو
کوئی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ
یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع
سمجھے سو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ
اس نے خدا کے کچھ معنی ہی نہیں سمجھے اور اس
مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی، اس
شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں
ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور
ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں
سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ
کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس قائم کرے
کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز
ہو جاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب
اور سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں اور
سب لوگ پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن بھی
سب مل کر جبرئیل اور پیغمبر ہی سے ہو جاویں
تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے
سبب کچھ رونق نہ بڑھ جاویگی اور جو سب
شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں تو اس
کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں، وہ ہر صورت سے

بڑوں کا بڑا ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ اس
کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے اور نہ کچھ سنوار سکے
دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہزادوں
میں سے یا بیگماتوں میں سے یا کوئی بادشاہ
کا معشوق اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا
ہو جاوے اور چوری کی سزا نہ دینے دیوے
اور بادشاہ اس کی محبت سے لاچار ہو کر اس
چور کی تقصیر معاف کر دے تو اس کو "شفاعت
محبت" کہتے ہیں یعنی بادشاہ نے محبت کے
سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات
سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور
کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے کہ جو
اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو
ہوگا اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں
کسی طرح ممکن نہیں اور جو کوئی کسی کو اس
جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی ویسا
ہی مشرک ہے اور جاہل جیسا کہ اول مذکور
ہو چکا، وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا
ہی نوازے، اور کسی کو حبیب کا اور کسی کو خلیل
کا اور کسی کو کلیم کا اور کسی کو روح اللہ وجیہ
کا خطاب بخشے، اور کسی کو رسول کریم اور

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

امین اور روح القدس اور روح الامین فرمادے مگر پھر مالک مالک ہے، اور غلام غلام کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا، جیسا اس کی رحمت سے ہر دم خوشی سے جھکتا ہے ویسا ہی اس کی ہیبت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو کچھ اس نے اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے، اور بادشاہ کے آئین کو سر آنکھوں پر رکھ کر اپنے تئیں قصوروار سمجھتا ہے اور لائق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈھتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جتاتا اور رات دن اسی کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھیے میرے حق میں کیا حکم فرماوے، سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئینِ بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے سو کوئی امیر و وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لیے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر، کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے، سو اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں۔ لہ

پ ۱/۶،۱۵ پ ۳/۲ پ ۵/۸ پ ۱۶/۹،۱۵ پ ۲۲/۹ پ ۲۴/۴ پ ۲۵/۱۳

پ ۲۹/۱۶

شَفَاعَتُهُمْ: ان کی شفاعت، ان کی سفارش

شفاعۃُ مضاف، ھُم ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ پ ۲۳/۱ پ ۲۷/۴

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شَفَتَیْنِ: دو ہونٹ، شَفَۃٌ کا تثنیہ بحالت نصب و جر، شَفَۃٌ کے معنی ہونٹ کے ہیں، بعض کے نزدیک اس کا لام کلمہ ہا ہے اور اصل شَفَہَۃٌ ہے پھر ہا، اصلیہ حذف کردی گئی اور دوسری ہا جو تانیث کی علامت تھی باقی رکھی گئی، اور بعض کے نزدیک اس کی اصل شَفَوَۃٌ ہے واو کو حذف کرکے اس کا فتحہ ماقبل کو دے دیا گیا ہے۔ شِفَاہٌ اور شَفَوَاتٌ جمع ہے، پ ۳۰/۱۵

شَفْعِ: جفت (جو طاق کی ضد ہے) جوڑا ایک چیز کا اپنی ہی جیسی چیز کے ساتھ ضم ہونا، واضح رہے کہ لغت میں تو "شفع" کے یہی معنی ہیں لیکن یہاں اس سے کیا کوئی متعین شے مراد ہے، تو اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، صغانی نے کہا ہے کہ شَفْعُ و وتر کے بارے میں بیس قول ہیں[1]، تفسیر کبیر کے تکملہ میں یہ سب اقوال درج ہیں[2]، حافظ ابو حیان اندلسی البحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ شفعُ و وتر کے بارے میں کتاب التحریر والتحبیر میں چھتیس[۳۶] قول ذکر کیے، جن کے پڑھنے ہی سے ہم تنگ آگئے اپنی کتاب میں درج کرنا تو بڑی بات ہے[3]،

امام محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں خوب فیصلہ کیا ہے کہ

اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے شفع و وتر کی قسم کھائی ہے اور روایت سے یا عقل سے "شفع" و "وتر" کی کسی نوع کی تخصیص نہیں ہوئی کہ یہی نوع ہے اور نوع نہیں اور ہر "شفع" و "وتر" کی اللہ نے قسم کھائی ہے تو جس شے کے متعلق بھی اہل تفسیر کا بیان ہے کہ اللہ کے اس عموم کی قسم میں داخل ہے تو اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے[4]۔

(ملاحظہ ہو وتر) پ ۳۰/۱۴

شُفَعَاءُ: سفارشی، سفارش کرنے والے، شفاعت کنندہ، شَفِیْعٌ کی جمع، واضح رہے کہ تمام قرآن مجید میں اس کی املا اسی طرح یعنی الف کے ساتھ ہے مگر سورہ روم میں یہ یعنی واو کے ساتھ اس طرح مرقوم ہے شُفَعٰٓؤُا یعنی پہلے عین ہے پھر واو پھر ہمزہ اور پھر الف، اور واو اور الف کا تلفظ نہیں ہوتا ہے۔ پ ۱۳/۵ پ ۲۱/۵ پ ۲۴/۲

[1] تاج العروس فصل الشین باب العین
[2] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۹۳ و ۳۹۴ طبع مصر ۱۳۲۴ھ
[3] البحر المحیط ج ۶ ص ۴۶۸ طبع مصر ۱۳۲۸ھ
[4] تفسیر جامع البیان معروف بہ تفسیر ابن جریر جلد ۳۰ ص ۹۴ طبع مصر

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شُفَعَآءُ کُمْ: تمہارے سفارشی، شُفَعَآءُ مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ پ۹ ع۱۷

شُفَعَآؤُنَا: ہمارے سفارشی شُفَعَآؤُ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ پ۱۱

شَفَق: شفق، واضح رہے کہ "شفق" کے معنی میں اختلاف ہے، بعض شام کے وقت افق کی سرخی کو "شفق" کہتے ہیں اور بعض اس کی سپیدی کو۔ راغب نے جو "شفق" کے معنی بیان کیے ہیں وہ ان کی امامت فن کے شایان شان ہے، فرماتے ہیں "سورج کے ڈوب جانے پر دن کی روشنی اور رات کی سیاہی کی باہمی آمیزش "شفق" ہے۔" یعنی کنارہ آسمان کی سرخی اور سپیدی دونوں پر مشتمل ہیں، علامہ ابو سعادات ابن الاثیر جزری لکھتے ہیں:۔

"شفق اضداد میں سے ہے۔ اس سرخی کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے کہ جو مغرب میں آفتاب غروب ہونے پر نظر آتی ہے۔ اور امام شافعی نے اسی کو لیا ہے، اور اس سپیدی کے لیے بھی آتی ہے جو سرخی کے بعد مغربی افق پر باقی رہتی ہے اور امام ابو حنیفہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔"[1]

شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں ابو حنیفہ کے قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

ولا وجه لهذا القول	اس قول کی کوئی وجہ نہیں
ولا متمسك له لا من	اور نہ اس کے لیے زبان
لغة العرب ولا من	عرب سے کوئی سند ہے
الشرع (ج ۵ ص ۳۹۹)	اور نہ شریعت سے:

لیکن یہ شوکانی کی خیرہ چشمی ہے، امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:۔

"شفق کے بارے میں ائمہ مختلف ہیں، ابو حنیفہ سپیدی کو شفق بتاتے ہیں اور ابو یوسف، محمد، ابن ابی لیلیٰ، مالک، ثوری، حسن بن صالح اور شافعی کہتے ہیں کہ شفق سرخی ہے۔

اور سلف نے بھی شفق کے متعلق اختلاف کیا ہے کہ بعض نے سپیدی کو بتلایا ہے اور بعض نے سرخی کو جو لوگ سرخی بتلاتے ہیں ان میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، عبادۃ بن الصامت اور شداد بن اوس (رضی اللہ عنہم) ہیں، اور جن سے یہ مروی ہے کہ "شفق" سپیدی ہے ان میں حضرت عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب الشین مع الفاء۔

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اور عمر بن عبد العزیز ہیں[1] (رضی اللہ عنہم)

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"جب لوگوں نے شفق میں اختلاف کیا اور بعض کہنے والوں نے سرخی کہا اور دوسروں نے سپیدی تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ نام دونوں معنی کو شامل ہے اور لغت میں دونوں کے لیے آتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ لوگ شفق کی تفسیر ان دونوں معنی سے نہ کرتے کیونکہ وہ لوگ اسمار لغویہ اور شرعیہ کے معانی کے عالم تھے، دیکھتے نہیں جب علمار نے قرء کے معنی میں اختلاف کیا اور بعض نے حیض کے معنے بتائے اور بعض نے طہر کے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ لفظ دونوں معنی کے لیے آتا ہے ہاں اس کے بعد یہ ضرورت پڑتی ہے کہ آیت میں ان میں سے جو مراد ہے اس کی دلیل معلوم کریں، اور ہم سے ابو عمرو غلام ثعلب نے بیان کیا کہ ثعلب سے شفق کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا ہے انہوں نے کہا سپیدی، سائل نے کہا کہ شواہد سرخی کے زیادہ ہیں، ثعلب نے جواب دیا کہ جو غیر حاضر ہو اس کے لیے شاہد کی ضرورت پیش آتی ہے، بیاض (سپیدی) تو لغت میں اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کے لیے کسی شاہد کی ضرورت ہو۔

ابو بکر کہتے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ شفق کی اصل رقت ہے اور اسی سے ثوب شفق (رقیق کپڑا) بولا جاتا ہے، نیز اسی سے شفقۃ ہے جس کے معنی رقتِ قلب کے ہیں اور جب اس کی اصل یہ ٹھہری تو سپیدی کو شفق سے زیادہ خصوصیت ہونی چاہیے کیونکہ شفق سے مراد آفتاب کی روشنی کے باقی ماندہ اجزاء رقیقہ ہیں اور یہ اجزاء سرخی کی بہ نسبت سپیدی میں زیادہ رقیق ہوتے ہیں"[2]

اخیر بحث میں ایک اور دلیل پیش کی ہے، فرماتے ہیں

"ایک اور چیز جس سے اس پر استدلال ہوتا ہے کہ شفق سے مراد بیاض ہے یہ ہے کہ ہم آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے سرخی اور اس سے قبل سپیدی کو پاتے ہیں اور سب ایک ہی نماز کا وقت ہے کیونکہ دونوں کی دونوں بغیر قرص آفتاب کے ظاہر ہوئے اسی کی روشنی سے ہوتی ہیں اسی طرح یہ ضروری ہے کہ غروب آفتاب کے بعد بھی سرخی و سپیدی ایک ہی

---

[1] احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۳ طبع مصر ۱۳۳۵ھ

[2] ایضاً ج ۲ ص ۳۳۶ -

نماز کا وقت ہوں، اسی علت کی بنا پر جیسے ہم نے بیان کیا ہے۔ [۱] ن ۳/۹

شَفِیعٌ: شفاعت کنندہ، سفارشی، سفارش کرنے والا، شَفَاعَۃٌ سے بروزن فَعِیلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہے

پ ۷/۱۲ و ۱۴، پ ۱۱/۶، پ ۲۱/۱۴، پ ۲۴/۷

فصل القاف

شِقّ: مشقت، جانکاہی۔ راغب لکھتے ہیں کہ شِقٌّ وہ مشقت اور تکان ہے جو انسان کے نفس اور بدن کو لاحق ہوتی ہے، بعض نے اس کو شَقَّ یَشُقُّ کا مصدر بتایا ہے یعنی دشواری میں پڑنے اور دشواری میں ڈالنے کے اور بعض نے اسم قرار دیا ہے۔ پ ۱۴/۷

شَقًّا: چیرنا، پھاڑنا، شَقَّ یَشُقُّ کا مصدر ہے' ن ۳۰/۵

شِقَاقِ: ضد، مخالفت، مقابلہ، اپنے دوست کی شق کو چھوڑ کر دوسری شق میں ہونا، باب مفاعلت کا مصدر ہے، علامہ ابوحیان اندلسی البحر المحیط میں لکھتے ہیں:-

شِقَاقٌ مصدر ہے شَاقَّہٗ کا جس طرح کہ ضَارَبَ ضِرَابًا اور خَالَفَ خِلَافًا بولتے ہیں، اور اس کے معنی عداوت رکھنے اور مخالفت کرنے کے ہیں اس کی اصل شَقٌّ ہے، یعنی یہ ایک شق میں ہوا اور وہ ایک شق میں شق طرف کو کہتے ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اذا ما بکی من خلفہا انحرفت لہ
بشق وشق عندنا لم یحول

(جب بچہ اس کی پشت پر سے روتا ہے تو وہ ایک جانب سے اس کی طرف مڑ جاتی ہے اور اس کی ایک طرف ہماری جانب رہتی ہے جو نہیں بدلتی)

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مَشَقَّۃٌ سے ماخوذ ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اس چیز کا خواہشمند ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو شاق ہو" [۲]

پ ۱/۱۶، پ ۴/۵، پ ۵/۳، پ ۱۷/۱۴، پ ۲۳/۱۰، پ ۲۵/۱

شِقَاقِیْ: میری مخالفت، میری عداوت شقاق مضاف، ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ، پ ۱۲/۸

شَقَقْنَا: ہم نے چیرا، ہم نے پھاڑا، شَقٌّ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ن ۳۰/۵

شَقُوْا: وہ بدبخت ہوئے شَقَاوَۃٌ سے ماضی کا

---

[۱] احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۹
[۲] البحر المحیط ج ۱ ص ۳۹۸

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

صیغہ جمع مذکر غائب (ملاحظہ ہو تشقی) ۱۲ پ

شِقْوَتُنَا: ہماری کم بختی، شِقْوَۃُ مضاف نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ، شِقْوَۃٌ شَقِیَ یَشْقٰی کا مصدر ہے، جس کے معنی بدبخت ہونے کے ہیں

پ ۱۸

شُقَّۃٌ: مسافت، راغب نے "شقہ" کے معنی اس سمت کے لکھے ہیں جہاں پہنچنے تک مشقت لاحق ہو جائے، یہاں غزوہ تبوک کی مسافت مراد ہے،

پ ۱۲

شَقِیٌّ: بدبخت، محروم، شقاوۃٌ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اَشْقِیَاءُ جمع ۱۲ پ

شَقِیًّا ۱۶ پ ۴ و ۵ و ۶

فصل الکاف

شَکٌّ: شک، شَکَّ یَشُکُّ کا مصدر ہے جس کے معنے شک کرنے کے ہیں، نیز بطور اسم بھی مستعمل ہوتا ہے، اور شُکُوْکٌ جمع آتی ہے، راغب اصفہانی لکھتے ہیں:-

"انسان کے نزدیک دو نقیضوں کے برابر اور مساوی ہونے کا نام شک ہے یہ یا تو اس بنا پر ہوتا ہے کہ دونوں نقیضوں کی علامتیں مساوی طور پر پائی جاتی ہیں اور یا اس بنا پر کہ دونوں میں علامت نہیں ہوتی۔

شک کبھی تو اس شے ہی میں ہوتا ہے کہ موجود بھی ہے یا نہیں، اور کبھی اس کی جنس میں کہ کس جنس سے ہے، اور کبھی اس کی کسی صفت میں اور کبھی اس کی غرض کے بارے میں کہ جس کے لیے وہ شے وجود میں لائی گئی۔

شک جہل ہی کی ایک قسم ہے لیکن جہل سے اخص ہے، کیونکہ جہل میں کبھی سرے سے "نقیضین" کا علم ہوتا ہی نہیں، پس ہر شک جہل ہے لیکن ہر جہل شک نہیں، ارشاد ہے فِیْ شَکٍّ مُّرِیْبٍ (ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے) بَلْ ہُمْ فِیْ شَکٍّ یَّلْعَبُوْنَ (کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے) فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ (سو اگر تو ہے شک میں)

شَکٌّ کا اشتقاق یا تو شَکَکْتُ الشَّیْءَ سے ہے جس کے معنی ہیں میں نے اس کو چاک کر ڈالا شاعر کہتا ہے:-

وشککت بالرمح الاصم ثیابہ

لیس الکریم علی القنا بمحرم

(اور میں نے ٹھوس نیزے سے اس کے کپڑے

ملاحظہ ہو رای

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

(زرہ وغیرہ جنگ کا لباس مراد ہے) چاک کر ڈالے
نیزے پر با عزت آدمی حرام نہیں ہے)
گویا "شک" کسی شے کا چاک ہونا اور
اس طرح ہو جانا ہے کہ رائے اس میں جمنے کے
لیے اپنا کوئی ٹھکانا نہ پا سکے اور یہ بھی صحیح ہو سکتا
ہے کہ اس شک سے مستعار ہو جس کے معنی
بازو کے پہلو سے چپکنے کے ہیں یہ اس طرح کہ
(شک میں) دونوں نقیضیں باہم اس طرح مل جاتی
ہیں کہ سمجھ اور رائے کو ان کے درمیان گھسنے کا
موقع نہیں ملتا، اہل عرب جو التبس الامر
(معاملہ مشتبہ ہو گیا) اختلط الامر (معاملہ گڑبڑ
ہو گیا) اشکل الامر (معاملہ مشکل ہو گیا) وغیرہ
استعارات استعمال کرتے ہیں وہ بھی اسی معنی
کے شاہد ہیں"

پ ۶/۲، ۱۱/۱۵،۱۶، ۱۲/۶،۱۰، ۱۳/۱۴، ۲۰/۱، ۲۲/۸،۱۲، ۲۳/۱۰
۲۴/۳،۹، ۲۵/۳،۱۴

شَکَرَ: اس نے شکر کیا، اس نے قدر جانی،
اس نے حق مانا، شُکْرٌ سے ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب۔ پ ۱۹/۱۸، ۲۷/۹

شُکُوْرًا: شکر کرنا، احسان ماننا، قدر پہچاننا،
شَکَرَ یَشْکُرُ کا مصدر ہے، امام راغب لکھتے ہیں

"شکر نعمت کے تصور اور اس کے اظہار کو کہتے
ہیں، بعض نے کہا ہے کہ یہ کَشْرٌ سے مقلوب ہے،
جس کے معنی کھولنے کے ہیں اور کُفْرٌ اس
کی ضد ہے جس کے معنی نعمت کے بھلانے
اور اس کے چھپانے کے ہیں دابۃ شکور وہ
جانور ہے جو اپنی فربہی سے اپنے مالک کی کھوالی
کا پتہ دے رہا ہو۔
اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی اصل عین
شکری ہے یعنی وہ چشمہ جو کہ پُر ہو اس اعتبار
سے اپنے منعم کے ذکر سے (اوقات کے) پُر
ہو جانے کا نام شکر ہے"

علامہ لغوی مجد الدین فیروزآبادی بصائر ذوی
التمییز فی لطائف کتاب اللہ العزیز میں رقمطراز
ہیں کہ:
"شکر پانچ قاعدوں پر مبنی ہے اول شاکر کی
مشکور کے لیے فروتنی دوسرے اس سے محبت
کرنا تیسرے اس کی نعمت کا معترف ہونا
چوتھے اس نعمت کی بنا پر اس کی ثنا کرنا،
پانچویں اس نعمت کو ایسی جگہ استعمال میں نہ
لانا جہاں وہ ناپسند کرے، یہ پانچ باتیں شکر
کی اساس ہیں اور ان ہی پر اس کی بنیاد ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

اگران میں سے ایک بھی معدوم ہوئی تو شکر
کے قواعد میں سے ایک قاعدہ مختل ہو گیا۔
شکر کے بارے میں جس نے بھی کلام کیا ہے
اس کا کلام ان ہی امور کی طرف راجع
اور ان ہی میں دائر ہے۔ [۱]"

آیۂ کریمہ اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُکْرًا (کام کرو اے
داؤد کے گھر والو احسان مان کر) کے متعلق امام
راغب نے لکھا ہے کہ "بعض نے کہا ہے کہ شُکْرًا
بربنائے تمیز منصوب ہے۔ یعنی جو کچھ بھی تم عمل
کرتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے شکر کے لیے کرو،
اور بعض نے کہا ہے کہ "شُکْرًا" "اِعْمَلُوْا" کا مفعول
ہے اور اِعْمَلُوْا فرمایا گیا اُشْکُرُوْا نہیں فرمایا
گیا یہ اس لیے کہ شکر کے انواع سہ گانہ (شکر قلبی،
شکر لسانی اور شکر جمیع اعضاء و جوارح) کے
التزام پر متنبہ کر دیا جائے" (ملاحظہ ہو اُشْکُرْ
اور حمد) ۲۳/۸

شَکَرْتُمْ: تم نے شکر کیا، تم نے حق مانا، تم
نے احسان مانا شُکْرٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر
حاضر، ۵/۱۸ ۱۳/۱۴۸

شَکْلِہٖ: اس کی شکل، شَکْلِ مضاف ہٖ ضمیر
واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ شَکْل کے معنی مثل
اور مانند کے ہیں اَشْکَالٌ جمع، واضح رہے کہ
شکل کا استعمال ہیئت و صورت کے بارے
میں بارے میں ہوتا ہے اور نِدّ کا جنسیت میں اور
اور شِبْہٌ کا کیفیت میں۔ ۲۳/۱۳

شَکُوْرٌ۔ بڑا شکر گزار، بڑا احسان ماننے والا
بڑا قدردان، شُکْرٌ سے بروزن فَعُوْلٌ صفت
کا صیغہ ہے مبالغہ کے اوزان میں سے ہے، مذکر و
مؤنث دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے
شُکُرٌ جمع ہے شکور وہ بندہ ہے جو [illegible] اطاعتِ
الٰہی اور اس عبادت کی بجا آوری کے ذریعہ کہ جو
اس پر مقرر کی گئی ہے حق تعالیٰ کی شکر گزاری میں
خوب کوشاں ہو، یہ بھی واضح رہے کہ شَکُوْرٌ
اسماء حسنیٰ میں سے ہے جب اللہ سبحانہٗ کی صفات
میں اس کا استعمال ہوگا تو اس کے معنی بڑے
قدردان یعنی تھوڑے کام پر بہت ثواب دینے والے
کے ہوں گے، ۱۳/۱۳ ۲۱/۱۳ ۲۲/۸و۱۶ ۲۵/۴و۵ ۲۸/۱۶

شَکُوْرًا ۱۵/۱

شُکُوْرًا: شکر گذاری، شکر کرنا، شَکَرَ یَشْکُرُ
کا مصدر ہے۔ ۱۹/۴ ۲۹/۱۹

۱ تاج العروس فصل الشین باب الراء

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

فصل المیم

شِمَال: جانب شمال، بائیں طرف یمینٌ کا مقابل، اسم ہے اَشْمُلٌ اور شُمُلٌ جمع، پ ۱۵/۱۴ و ۱۵، پ ۲۲/۸، پ ۲۶/۱۶، پ ۲۷/۱۵، پ ۲۹/۸

شِمَالِہٖ: اس کی بائیں طرف، شِمَالِ مضاف ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ پ ۲۹/۵

شَمَآئِلِ: بائیں طرف، بائیں جانب شِمَالٌ کی جمع خلاف قیاس پ ۱۴/۱۲

شَمَآئِلِھِمْ: ان کے بائیں سے شَمَآئِلَ مضاف، ھِمْ ضمیر مذکر غائب مضاف الیہ پ ۹/۵

شَمْس: سورج کو بھی کہتے ہیں اور دھوپ کو بھی۔ شُمُوْسٌ جمع، پ ۳/۳، پ ۷/۱۵ و ۱۸، پ ۸/۱۴، پ ۱۱/۶، پ ۱۲/۱۱، پ ۱۳/۷ و ۱۷، پ ۱۴/۸، پ ۱۵/۹ و ۱۴، پ ۱۶/۲ و ۱۷، پ ۱۷/۳ و ۹، پ ۱۹/۳ و ۱۷، پ ۲۱/۲ و ۱۲، پ ۲۲/۱۴، پ ۲۳/۲ و ۱۵، پ ۲۴/۱۹، پ ۲۶/۱۷، پ ۲۷/۱۱، پ ۲۹/۹ و ۱۷، پ ۳۰/۶ و ۱۹

شَمْسًا پ ۲۹/۱۹

فصل النون

شَنَآنٌ: دشمنی کرنا، بغض رکھنا، یہ مصدر سماعی ہے خلاف قیاس، اس کا فعل فَتَحَ اور سَمِعَ دونوں سے آتا ہے، پ ۶/۵ و ۶

فصل الواو

شُوَاظٌ: شعلے، آنچ جس میں دھواں نہ ہو، اسم ہے، پ ۲۷/۱۲

شَوْبًا: ملونی، ملاوٹ، آمیزش، شَابَ یَشُوْبُ کا مصدر ہے۔ پ ۲۳/۶

شُوْرٰی: مشورہ کرنا، قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ

"شوریٰ شاورتہ (باب مفاعلت) کا مصدر ہے، جیسے کہ بُشْریٰ اور ذکریٰ ہے"[۱] پ ۲۵/۵

شَوْکَۃِ: کانٹا، "شوکت" کے معنی اصل میں تو کانٹے کے ہیں، اور مجازاً ہتیار اور سختی کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، پ ۹/۱۵

شَوٰی: کلیجہ، منہ کی کھال، سر کی کھوپڑی لغت میں اس کا استعمال تینوں معانی میں ہوتا ہے۔ راغب لکھتے ہیں کہ شَوٰی کے معنی اطراف (بدن) کے ہیں جیسے کہ ہاتھ اور پیر، یہ شَوَاۃٌ کی جمع ہے جیسے کہ نویٰ نَوَاۃٌ کی ہے، علامہ ابوحیان اندلسی نے اس کے حسب ذیل معانی نقل کیے ہیں، سر کی کھال، انسان

---

[۱] فتح القدیر ج ۴ ص ۵۲۶ طبع مصر سنہ ۱۲۵۸ء

کی کھال، حیوان کے ہاتھ پاؤں، ہر عضو کہ جہاں سے قتل نہ کیا جاتا ہو، اور سر کی کھوپڑی وغیرہ کے معنی کتب لغت میں مذکور ہیں۔ [refs]

فصل الثاء

شہاب: انگارا، فضا میں جو تارہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے، ابن السکیت اور ابو الہیثم سے انگارے ہی کے معنے منقول ہیں اور راغب نے "شہاب" کے معنی اس چمکدار شعلے کے بتائے ہیں جو بھڑکتی ہوئی آگ میں یا فضا میں ابر کے اندر ہوتا ہے، شُہُبٌ، شُہبانٌ، شِہبانٌ، اَشہُبٌ جمع، [refs]

شہاباً [refs]

شہدٰتٍ: گواہیاں، شہادۃٌ کی جمع ہے (ملاحظہ ہو شہادۃ) [refs]

شہدٰتِہِم: ان کی گواہیاں، شہادات مضاف ہِم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ، [refs]

شہادتُنا: ہماری گواہی، شہادۃٌ مضاف نا ضمیر جمع مضاف الیہ، [refs]

شہادتُہُم: ان کی گواہی، شہادۃٌ مضاف ہُم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ [refs]

شہادتُھما: ان دونوں کی گواہی، شہادۃٌ مضاف، ہما ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ [refs]

شہادۃ: گواہی، قطعی خبر، ظاہر، کھلا، اصل میں تو یہ شَہِدَ یَشہَدُ کا مصدر ہے لیکن اسم ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے، شہاداتٌ جمع، امام راغب لکھتے ہیں:

"شہود اور شہادۃ کے معنی اس کے حضور (موجود رہنا، سامنے ہونا) کے ہیں جو مشاہدہ کے ساتھ ہو خواہ مشاہدہ بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ذریعہ اور کبھی صرف حضور کو بھی کہتے ہیں جیسے عالِمُ الغَیبِ وَالشَّہادۃِ (دانائے غیب و حضور ہے) لیکن شہود کا استعمال حضور مجرد کے ساتھ اولیٰ ہے اور شہادۃ کا اس حضور کے لیے کہ جو مشاہدہ کے ساتھ ہو نیز شہادۃ وہ بیان ہے جو اس علم کی بنا پر سرزد ہو کہ جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعہ حاصل ہوا ہو"

لہ دیکھو البحر المحیط ج ۸ ص ۳۳۰

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شُہُبًا: انگارے، شہاب کی جمع جس طرح کہ کُتُبٌ کتاب کی جمع ہے۔ پ۲۹/۱۱

شَہِدَ: اس نے پایا۔ اس نے گواہی دی، پہلے معنی کے اعتبار سے شہود سے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے شہادۃ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔

راغب لکھتے ہیں:

"شہد کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو "علم" کی جگہ آتا ہے اور اسی لفظ سے شہادت قائم ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے اشہد بکذا (میں گواہی دیتا ہوں) اور گواہ کا اعلم کہنا قبول نہیں بلکہ اشہد کہنے کی ضرورت ہے اور دوسرے قسم کے مقام پر چنانچہ اشہد باللہ ان زیدا منطلق (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ زید چل رہا ہے) کہیگا تو قسم ہوجائیگی، اور بعض نے کہا ہے کہ اگر اشہد ہی کہا باللہ نہ کہا تب بھی قسم ہوجائیگی۔"

پ۲/۷ پ۳/۱۰ پ۱۲/۱۳ پ۲۳/۱۷ پ۲۵/۱۳ پ۲۶/۱

شُہَدَآءُ: موجودین، حاضرین، شاہد، نگراں، گواہ بنانے والے، شہادت پانے والے، شہید۔

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:-

"شہداء شہید کی جمع ہے جو مبالغہ کے لیے ہے جیسے کہ علیم اور علماء یہ بھی بعید نہیں کہ شاھد کی جمع ہو جیسے کہ شاعر اور شعراء پر فعلاء فاعل کا باب نہیں ہے۔"[1]

اور آگے چل کر لکھا ہے کہ:

"اس کا شہید کی جمع ہونا شاھد کی جمع ہونے سے زیادہ بہتر ہے کہ فعیل کی جمع کے قاعدہ پر جاری ہے۔"[2]

پ۱/۱۲ پ۲/۱ پ۳/۷ پ۴/۵و۱ پ۵/۶و۱۷ پ۶/۶و۱۱ پ۸/۴ پ۱۷/۱۷ پ۱۸/۷و۸ پ۲۴/۴ پ۲۷/۱۸

شُہَدَآءَکُمْ: تمہارے مددگار، تمہارے گواہ، شہداء مضاف، کم ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ، آیہ کریمہ وادعوا شہداءکم کی تفسیر بر اس شے سے کی گئی ہے کہ شہادت کے معنی جس کے مقتضی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مددگار کے معنی لیے ہیں مجاہد نے کہا ہے کہ جو لوگ تمہاری گواہی دیں، بعض کا قول ہے کہ جن کے موجود ہونے کا اعتبار ہو۔ پ۱ ۳

شَہِدْتُمْ: تم نے بتلایا، تم نے گواہی دی، شہادۃ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ۲۴/۱۷

---

۵۱ البحر المحیط ج-۱ ص ۱۰۲   ۵۲ ایضاً ص ۱۰۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

شَہِدْنَا: ہم نے اقرار کرلیا، ہم نے بیان کیا، ہم موجود تھے، ہم نے دیکھا، شُہُوْدٌ اور شَہَادۃ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔ راغب نے لکھا ہے کبھی شہادت سے اقرار کرنا بھی مراد ہوتا ہے ۸/۳ ۹/۱۲ ۱۳/۲ ۱۹/۱۹

شَہِدُوْا: اُنہوں نے گواہی دی، انہوں نے اقرار کیا، وہ موجود تھے، انہوں نے دیکھا، شُہُوْدٌ اور شَہَادۃ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔

۳/۱۷ ۴/۱۴ ۸/۳، ۵ و ۱۱ ۲۵/۸

شَہْرٌ: مہینہ، اَشْہُرٌ اور شُہُوْرٌ جمع، مہینہ کی دو قسمیں ہیں قمری جس کا شمار چاند کے دیکھنے سے ہوتا ہے، اور شمسی جس کا شمار آفتاب کے ایک برج سے دوسرے برج میں داخل ہونے سے ہوتا ہے۔ احکام شرعی میں قمری ماہ کا اعتبار ہے، مہینہ کا نام شہر اس لیے ہوا کہ لوگوں میں اس کے شروع ہونے اور گزر جانے کی شہرت ہوتی ہے ۲/۱۱، ۸، ۷ ۶/۵

۷/۳ ۲۲/۸ ۳/۲۲ **شَہْرًا** ۲/۱۱ ۲۶/۲

شَہْرَیْنِ: دو مہینے۔ شَہْرٌ کا تثنیہ بحالت نصب و جر، ۵/۱ ۲۸/۱

شَہَوٰتِ: مرغوب چیزیں، مزے، شَہْوَۃ کی جمع ۳/۲ ۵/۲ ۱۱/۷

شُہُوْدٌ: اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے، حاضرین، موجودین، شاہد۔ شَاہِدٌ کی جمع ہے جیسے کہ سُجُوْدٌ سَاجِدٌ کی۔ ۳/۱۰

شُہُوْدًا ۱۱/۱۲ ۲۹/۱۵

شُہُوْرِ: مہینے، شَہْرٌ کی جمع ہے۔ ۱۰/۱۱

شَہْوَۃً: شہوت، للچانا، خواہش کرنا، آرزو کرنا مصدر ہے، اس کا فعل۔ باب نَصَرَ اور سَمِعَ دونوں سے آتا ہے، مصباح میں ہے کہ شہوۃ کسی شے کی طرف نفس کے اشتیاق کا نام ہے، اس کی جمع شَہَوَاتٌ آتی ہے، امام راغب لکھتے ہیں:

"شہوۃ اصل میں جس چیز کی تمہیں خواہش ہو اس کی طرف جی کے للچانے کو کہتے ہیں دنیا میں اصل کی دو قسمیں ہیں، ایک سچی دوسرے جھوٹی، شہوت صادقہ تو وہ ہے جس کے بغیر بدن مختل ہو جائے جیسے بھوک کے وقت کھانے کی اشتہا ہوتی ہے اور شہوت کاذبہ وہ ہے جس کے بغیر بدن میں اختلال نہ ہو اور کبھی مشتہی (جس چیز کی چاہت ہو) اس کو بھی شہوت سے موسوم کرتے ہیں۔ نیز اس قوت کو بھی جو کسی شے کی اشتہا کرتی ہے شہوت کہا جاتا ہے، آیۂ شریفہ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہَوَاتِ (لبھاوٹ رکھ دی گئی ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

لوگوں کے جلیے مزوں کی چاہت ہیں) دونوں
شہوتوں کی محتمل ہے اور ارشاد اِتَّبِعُوا الشَّهَوٰتِ
(تیچھے ہو لیے مزوں کے) یہ جھوٹی شہوتیں اور
ایسی مشتبہات ہیں کہ جن سے استغنا ہونا چاہیئے

شَهِيدٌ: گواہ، شاہد، نگراں، احوال کہنے والا،
اقرار کرنے والا۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ "شہید"
شاہد کو بھی کہا جاتا ہے اور کسی چیز کے مشاہدہ کرنے
والے کو بھی علامہ ابوالسعادات مبارک ابن الاثیر
جزری النہایہ فی غریب الحدیث والآیہ میں قمطراز
ہیں :-

"حق تعالیٰ کے اسما میں شہید وہ ذات ہے
جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو، اور شاہد
کے معنی حاضر کے ہیں، فعیل فاعل کے معنی
میں مبالغہ کے اوزان میں سے ہے، جب
مطلق علم کا اعتبار ہو تو اللہ علیم ہے اور امورِ
باطنہ کا خیال کیا جائے تو خبیر ہے اور امورِ
ظاہرہ کی طرف نسبت ہو تو شہید ہے اور
کبھی اس معنی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ ہوتا ہے کہ
وہ قیامت میں خلق پر گواہ ہوگا" [۲]

اور شرع میں "شہید" وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں
قتل کیا گیا ہو، شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی
موضح القرآن سورۂ نساء میں زیر آیہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ الآیہ فرماتے ہیں :-

"نبی وہ لوگ جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے
یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے اور "صدیق"
وہ کہ جو وحی میں آوے ان کا جی آپ ہی اس
پر گواہی دے اور "شہید" وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر
ایسا صدق آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں اور
نیک بخت (صالح) وہ جن کی طبیعت نیکی
ہی پر پیدا ہوئی ہے"

اس معنی میں شہید کا اشتقاق آیا شَهَادَةٌ سے ہے
یا مُشَاهَدَةٌ سے یا شُهُوْدٌ سے نیز فَعِيْلٌ بمعنی فَاعِلٌ
ہے یا مَفْعُوْلٌ ہے، اس پر علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن
سہیلی نے الروض الانف میں نفیس بحث لکھی ہے،
جس کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے، فرماتے ہیں :-
"یہ اسم شَهَادَةٌ سے ماخوذ ہے یا مُشَاهَدَةٌ
سے، اگر شَهَادَةٌ سے ہے تو شَهِيْدٌ بمعنی
مَشْهُوْدٌ ہے یعنی اس کے حق میں جنت کی

---

[۱] ابن سیدہ کہتے ہیں یعنی وہ جاننے والا کہ جو جانے بیان کرے (تاج العروس)
[۲] النہایہ باب الشین مع

شہادت دی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شَہَادَةٌ
ہی سے ماخوذ ہو اور فَعِیْلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہو کیونکہ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ
یعنی تم لوگوں پر گواہی دو گے اور یہ چیز گوساری
امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے بارے
میں عام ہے پر شہداء کے لیے یہ نام اولیٰ ہے
کیونکہ وہ صدیقین و انبیاء کے پیچھے ہی ہیں، اللہ
سبحانہ فرماتا ہے فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ
عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ
سو "شہید" کے معنی میں یہ دو وجہیں تو جب ہیں
کہ اس کو شَہَادَةٌ سے مشتق قرار دو"

اور اگر مُشَاھَدَةٌ سے ماخوذ ہو تب بھی فَعِیْلٌ
بمعنی فَاعِلٌ ہے کہ "شہید" ملکوتِ الٰہی کا مشاہدہ
کرتا اور اللہ کے ان فرشتوں کا معائنہ کرتا ہے جنہیں بجز
اور کوئی نہیں دیکھتا اور مُشَاھَدَةٌ سے بمعنی
مَفْعُوْلٌ بھی ہو سکتا ہے یعنی بایں معنی کہ فرشتے
اس کے نفس اور اس کی روح کے عروج کا مشاہدہ
کرتے ہیں۔

ان سب وجہوں میں صحت کے اعتبار سے
اولیٰ یہی ہے کہ فَعِیْلٌ بمعنی مفعول ہو اور معنی یہ ہونگے
کہ اس کے لیے جنت کی شہادت دی گئی ہے یا

نبی علیہ السلام کی اس کے لیے شہادت ہو گی چنانچہ
آپ کا ارشاد ہے کہ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ اَشْھَدُ
عَلَیْھِمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن پر میں گواہی دونگا)
پس یہ وجہ بحیثیت حدیث کے بھی قوی ہے
اور بلحاظ عربیت ایک اور وجہ سے بھی وہ
یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شہداء کا ذکر
کیا تو فرمایا وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَھِیْدٌ
(اور عورت کہ زچگی سے مرے شہید ہے) اور
شَھِیْدَةٌ نہیں فرمایا اور دوسری روایت میں
ہے کہ وَالنُّفَسَاءُ شَھِیْدٌ یَجُرُّھَا جَنِیْنُھَا
بِسَرَرِہٖ اِلَی الْجَنَّةِ (نفاس والی عورت شہید
ہے اُسے اس کا بچہ اپنے نال سے جنت کی
طرف کھینچیگا) پر شَھِیْدَةٌ نہیں فرمایا اور
فَعِیْلٌ جب مؤنث کی صفت ہو تو ہا اسی
وقت میں نہ ہو گی جبکہ وہ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہو۔
جیسے امرأۃ قتیل اور جریح ہیں اور اگر
بمعنی فَاعِلٌ ہو تو مؤنث ہا کے ساتھ آئیگی
جیسے امرأۃ علیمۃ اور رحیمۃ وغیرہ ہیں اس
سے پتہ چلا کہ شہید بمعنی مشہود (جس کے
لیے گواہی دی گئی ہو) اور مشہود علیہ (جس پر
گواہی دی گئی ہو) ہے اور یہ لغت سے تو

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

استقراء صحیح اور حدیث سے استنباط بدیہی ہے، سو علم میں ہے"[1]

شُہَدَآءُ جمع پ ۳/۷ پ ۴/۱ پ ۵/۳ پ ۶/۶و۸ پ ۱۱/۱۰ پ ۱۷/۹ پ ۲۲/۱۲ پ ۲۵/۱ پ ۲۶/۱۶و۱۷ پ ۲۸/۱ پ ۳۰/۱۰و۲۵

شَہِیدًا پ ۲/۱ پ ۵/۲و۳و۷و۸ پ ۶/۲و۳ پ ۷/۶ پ ۱۱/۸ پ ۱۳/۱۲ پ ۱۴/۱۸ پ ۱۵/۱۱ پ ۱۷/۱۷ پ ۲۰/۱۰ پ ۲۱/۲ پ ۲۲/۴ پ ۲۶/۱و۱۲

شَہِیدَیْنِ: دو گواہ، دو شاہد، شَہِیدٌ کا تثنیہ بحالت نصب و جر، پ ۳/۷

شَہِیقٌ: دھاڑنا، چلانا، سائیں سائیں کرنا، گدھے کا آواز کرنا، مصدر ہے، اس کا فعل باب ضَرَبَ، سَمِعَ اور فَتَحَ تینوں سے استعمال ہوتا ہے۔ پ ۱۲/۹ شَہِیقًا پ ۲۹/۱

فصل الیاء المثناة

شَیْءٌ: چیز، کچھ، علامہ ابو المسعود بن محمد العمادی اپنی مشہور تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں رقمطراز ہیں:-

"لفظ شیء اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہر اس چیز کے لیے آتا ہے کہ جس کو معلوم کیا جا سکے اور اس کے متعلق خبر دی جا سکے خواہ کچھ بھی ہو، یہ اصل میں شاءَ کا مصدر ہے جو ایک مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے اور اس مفہوم میں صرف اس پر اکتفا کی گئی ہے کہ اس سے مشیئت کے تعلق کا اعتبار ہو، خواہ علم کی حیثیت سے خواہ خبر دینے کی حیثیت سے"

علامہ حسن بن محمد نظام نیشاپوری تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں لکھتے ہیں:-

"لفظ شیء اعم العام ہے جس طرح کہ اللہ اخص الخاص ہے، یہ جوہر و عرض، قدیم و حادث بلکہ محال و معدوم تک کے لیے آتا ہے"[1]

۱	۲و۳و۱۳و۱۴
۲	۲، ۳، ۶و۱۳
۳	۲، ۳و۴و۷و۸و۹و۱۱
۴	۱و۳و۷و۸و۱۰و۱۴
۵	۲و۵و۸و۱۴و۱۵
۶	۶و۷و۱۰و۱۴
۷	۳و۶و۸و۱۰و۱۱و۱۲و۱۳و۱۵و۱۸و ۱۹
۸	۱و۵و۶و۷
۹	۱و۷و۹و۱۳
۱۰	۱و۴و۶و۱۲
۱۱	۳و۱۷
۱۲	۲و۵و۷و۹و۱۵
۱۳	۲و۶و۸و۱۵و۱۸
۱۴	۲و۱۱و۱۳و۱۶و۱۷و۱۸
۱۵	۲و۵و۱۶و۱۸و۲۰و۲۱
۱۶	۱و۲و۱۱و۱۳
۱۷	۳و۶و۸و۹
۱۸	۵و۱۱و۱۲و۱۵و۱۶
۱۹	۶و۷
۲۰	۳و۹و۱۲و۱۳و۱۴و۱۴
۲۱	۲و۷و۸و۱۳و۱۵
۲۲	۲و۳و۴و۸و۱۱و۱۲و۱۳و۱۵و۱۷و۱۸و۱۹
۲۳	۴و۱۰
۲۴	۳و۶و۷و۱۲و۱۷و۱۹
۲۵	۱و۲و۳و۵
۲۶	۳و۴و۹

[1] الروض الانف ج ۲ ص ۱۵۱ طبع جمالیہ مصر ۱۳۳۲ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

پ ۲۶/۴ و ۱۵، پ ۲۷/۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۸ و ۱۰ و ۱۷ و ۲۰، پ ۲۸/۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۸ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۰، پ ۲۹/۱ و ۴ و ۱۲، پ ۳۰/۱ و ۵ و ۱۰

شَیئاً پ ۱/۶ و ۱۵، پ ۲/۵ و ۱۰ و ۱۳، پ ۳/۷ و ۱۰ و ۱۵، پ ۴/۶ و ۹ و ۱۳، پ ۵/۳، پ ۶/۷ و ۱۰، پ ۷/۴ و ۱۱، پ ۸/۶، پ ۹/۴ و ۱۶، پ ۱۰/۷ و ۱۰ و ۱۲، پ ۱۱/۹ و ۱۰، پ ۱۲/۵، پ ۱۴/۸ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷، پ ۱۵/۸ و ۱۷ و ۲۲، پ ۱۶/۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹، پ ۱۷/۴ و ۸ و ۱۱ و ۱۶، پ ۱۸/۱۱ و ۱۳ و ۱۶، پ ۲۱/۱۳، پ ۲۲/۴، پ ۲۳/۱ و ۳ و ۴، پ ۲۴/۲ و ۱۳، پ ۲۵/۱۵ و ۱۷ و ۱۸، پ ۲۶/۱ و ۸ و ۱۰ و ۱۳، پ ۲۷/۴ و ۶، پ ۲۸/۲ و ۳ و ۸ و ۲۰، پ ۲۹/۱۹، پ ۳۰/۷

شَیَاطِین: شیطان، شَیطَانٌ کی جمع مکسر ہے (ملاحظہ ہو شَیطَانٌ) پ ۱/۱۲، پ ۷/۱۵، پ ۸/۱ و ۱۰، پ ۱۵/۳، پ ۱۶/۸ و ۹، پ ۱۷/۶، پ ۱۸/۶، پ ۱۹/۱۵، پ ۲۳/۶ و ۱۲، پ ۲۹/۱۱

شَیَاطِینِہِم: ان کے شیطان، شَیَاطِینِ مضاف، ھُم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ پ ۱/۲

شَیباً: بڑھاپا، سر کے سپید ہونے کو "شیب" کہتے ہیں، شَابَ یَشِیبُ کا مصدر ہے، پ ۱۶/۴

شِیباً: بوڑھے، اَشیَبُ کی جمع، جیسے بِیضٌ اَبیَضُ کی جمع ہے، پ ۲۹/۱۳

شَیبَۃً: بڑھاپا، بالوں کا سپید ہونا، یہ بھی شَابَ یَشِیبُ کا مصدر ہے، پ ۲۱/۹

شِئتَ: تو نے چاہا، مَشِیئَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر (ملاحظہ ہو شَاءَ) پ ۹/۹، پ ۱۶/۱، پ ۱۸/۱۵

شِئتُم: تم نے چاہا، مَشِیئَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر پ ۱/۶، پ ۲/۱۲، پ ۹/۱۰، پ ۲۳/۱۶، پ ۲۴/۱۹

شِئتُمَا: تم دونوں نے چاہا، مَشِیئَۃٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر پ ۱/۴، پ ۸/۹

شَیخٌ: بوڑھا، ابن سیدہ نے المخصص میں اور قزاز نے جامع میں لکھا ہے کہ پچاس سے لے کر اسّی برس کے بوڑھے کو "شیخ" کہتے ہیں[۱]، شیوخ اور اَشیاخ جمع ہے، آیۂ شریفہ وَاَبُونَا شَیخٌ کَبِیرٌ (اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا) میں "شیخ کبیر" سے کون مراد ہیں، اس کے متعلق حافظ عماد الدین بن کثیر لکھتے ہیں کہ

"اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ یہ "شیخ" کون ہیں، چنانچہ بیان کیا گیا ہے حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اکثر کے نزدیک یہی مشہور ہے اور حضرت حسن بصری اور امام مالک بن انس نے اسی کی تصریح کی ہے اور ایک حدیث میں بھی یہ مصرح آیا ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے"[۲]۔

اس سلسلہ میں حضرت سعد بن سلمہ غنری رضی اللہ عنہ کی روایت کا ذکر حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرہ

[۱] تاج العروس فصل الشین من باب الخاء [۲] البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۲۴۳ طبع مصر ۱۳۲۵ھ

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

گزر چکا ہے اور ابن ماجہ، بزار، ابن المنذر، ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عتبہ بن الندّر سلمی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ایک طویل روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ یا دس برس تک تو اپنے کو اُجرت پر رکھا پھر جب مدت پوری کر چکے تو حضرت شعیب سے جُدا ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی اہلیہ کو حکم دیا کہ اپنے والد بزرگوار سے کچھ بکریاں مانگ لیں کہ جن سے گذران کریں[۱]، اس روایت میں بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے نام کی تصریح کی ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا دارو مدار عبداللہ بن لہیعہ مصری پر ہے اور اس کے حافظہ میں خرابی ہے مجھے یہ ڈر ہے کہ اس کا مرفوع ہونا غلط ہے[۲]۔ ن ۲۰/۶

شَیْخًا، ۱۲/۲ ۱۳/۳

شَیْطَان: شیطان، سرکش، شریر امام محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں:

عربی زبان میں ہر سرکش شیطان ہے جن میں سے ہو انسانوں میں سے ہو چوپایوں میں سے ہو غرض ہر شے سے ہو اور اسی طرح ارشاد ہے پروردگار جل شانہ کا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو) کہ انسانوں میں سے بھی اسی طرح شیاطین قرار دیے ہیں جس طرح کہ جنوں میں سے قرار دیے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب آپ ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے وہ لگا اٹھکھیلیاں کرنے، آپ نے اسے مارنا شروع کیا پر اس کی اٹھکھیلیاں اور بڑھتی ہی گئیں تب آپ اس پر سے اُتر آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو مجھے شیطان ہی پر سوار کر دیا، میں اس سے اس وقت تک نہیں اترا جب تک میں نے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس نہ کی[۳]۔

سیبویہ نے جو لغت و عربیت کے امام ہیں الکتاب میں کبھی اس کے نون کو زائد لکھا ہے اور کبھی اصلی[۴]، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اشتقاق

---

[۱] الدر المنثور ج ۵ ص ۱۲۶ طبع مصر [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶ طبع مصر
[۳] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۳۶، ۳۷ طبع مصر [۴] تاج العروس فصل الشین من باب الطاء

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

میں اختلاف ہے بصریوں کے نزدیک اس کا وزن فَیْعَالٌ ہے لہذا اس کا نون اصلی ہے اور شَطَنَ سے مشتق ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں اور اسم فاعل شَاطِنٌ ہے اور کوفیوں کے نزدیک اس کا وزن فَعْلَانٌ ہے اور نون زائد ہے اور شَاطَ یَشِیْطُ سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاک ہونے کے آتے ہیں اس کی مونث شَیْطَانَۃٌ ہے اور شَیْطَانٌ کی جمع شَیَاطِیْنُ ہے جس طرح کہ غَرْثَانٌ کی جمع غَرَاثِیْنُ۔ فرا نے یہی مثال بیان کی ہے، علامہ ابو حیان نے کہا ہے کہ غَرْثَانٌ کی طرح سے یہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ اس کا نون زائد ہو[1] امام ابو جعفر طبری فرماتے ہیں کہ

"ہر شے کو جو سرکش ہو شیطان سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اس کے اخلاق اور افعال اپنے تمام ہمجنسوں کے اخلاق اور افعال سے جدا ہوتے ہیں اور وہ خیر سے بعید ہوتا ہے، اس معنی کے اعتبار سے شَیْطَانٌ شَیْطَنَ سے بروزن فَیْعَالٌ ہے[2]"

اور جن لوگوں کے نزدیک کہ شیطان بر وزن فعلان ہے اور اس کا اشتقاق شاط سے ہے ان میں اختلاف ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے چونکہ شَیْطٌ کا استعمال جلنے، ہلاک ہونے، جانے باطل ہونے، غرض کئی معنی میں ہوتا ہے اور سرکش و متمرد میں یہ ساری صفتیں یکجائی موجود ہیں، وہ دنیا میں غصہ اور حسد سے جیتا مرتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں جلیگا اور ہلاک ہوگا، خود غلط راہ پر جاتا اور راہ روں کو لیجاتا ہے، باطل پر ہے یعنی غلط کار ہوتا ہے، اس لیے کسی نے کسی معنی کے اعتبار سے اس کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے، اور کسی نے کسی معنی کے لحاظ سے، بہر حال اتنا یاد رہے کہ جلنے کے معنی تو حقیقی ہیں اور اور معنی مجازی[3]۔

عرف میں "شیطان" سے مراد ابلیس علیہ اللعنۃ ہے اور جب الشیطان الف لام کے ساتھ کہا جائیگا یہی مراد ہوگا جس طرح کہ ابلیس اس کا نام اس لیے ہوا کہ اِبْلَاسٌ کے معنی ناامید ہونے کے ہیں اور وہ رحمت حق سے ناامید ہے، اسی طرح شَطَنٌ کے معنی دور ہونے کے ہیں اور شیطان نیکی سے دور ہے[4]، اور شَاطَ یَشِیْطُ کا استعمال غصہ میں جلنے

---

[1] پوری بحث کے لیے ملاحظہ ہو البحر المحیط ج ۱ ص ۶۲ طبع مصر [2] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۳۷

[3] ملاحظہ ہو تاج العروس فصل الشین من باب الطاء

[4] ابن خالویہ بغوی نے یہی وجہ لکھی ہے ملاحظہ ہو "اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم ص ۲۷

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

بھڑکنے کے لیے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے چنانچہ آیۂ شریفہ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (اور بنایا جن کو آگ کی لپیٹ سے) اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی بنا پر وہ فرط قوت غضبیہ اور حمیت مذموم سے مخصوص ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رہا، (ملاحظہ ہو اِبلِیس)

۱/۴ ، ۲/۵ و ۹ ، ۳/۵ و ۶ و ۱۲ ، ۴/۷ و ۹ ، ۵/۳ و ۶ و ۷ و ۸ و ۱۵
۷/۲ و ۱۱ و ۱۴ ، ۸/۴ و ۹ و ۱۰ ، ۹/۱۲ و ۱۳ و ۱۶ ، ۱۰/۲ ، ۱۲/۱۱ و ۱۵
۱۳/۱۵ و ۱۶ ، ۱۴/۲ و ۱۴ و ۱۹ ، ۱۵/۳ و ۶ و ۷ و ۲۱ ، ۱۶/۶ ، ۱۷/۸ و ۱۴
۱۸/۹ ، ۱۹/۱ و ۱۷ ، ۲۰/۱۵ و ۱۶ ، ۲۱/۱۲ ، ۲۲/۱۳ ، ۲۳/۳ و ۵ و ۱۳
۲۴/۱۹ ، ۲۵/۱۲ ، ۲۶/۷ ، ۲۸/۲ و ۳ و ۵ ، ۳۰/۶

شَیْطَانًا، ۵/۱۵ ، ۲۵/۱۰

شِیَعٌ : فرقے، گروہ، شِیعَۃٌ کی جمع ۱۴/۱

شِیَعًا ۷/۱۴ ، ۵/۷ ، ۲۰/۴ ، ۲۱/۷

شِیعَتِہٖ : اس کے رفیق، اس کا گروہ. شِیعَتِ مضاف، ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ ۲۰/۵ ، ۲۳/۷

شِیعَۃٍ : فرقہ، گروہ، اصل میں شِیَاعٌ کے معنی انتشار اور تقویت کے ہیں، جن سے انسان کو تقویت ہو اور جو اس سے نکلے اور پھیلے ہوں وہ اس انسان کے "شیعہ" یعنی اس کا فرقہ اور پارٹی ہیں[۱] شیعہ کا اطلاق واحد تثنیہ جمع، مذکر مؤنث سب پر ہوتا ہے۔ شِیَعٌ اور اَشْیَاعٌ جمع، ۱۶/۸

شِئْنَا : ہم نے چاہا، مَشِیْئَۃٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم (ملاحظہ ہو شَآءَ) ۹/۱۲ ، ۱۵/۱۰ ، ۱۹/۳ ، ۲۱/۱۵ ، ۲۹/۲۲

شُیُوخًا : بوڑھے، شیخ کی جمع (ملاحظہ ہو شَیْخٌ) ۲۴/۱۲

شِیَۃَ : داغ، جانور جس رنگ کا ہو اس کے علاوہ دوسرے رنگ کا دھبہ، شِیَۃٌ اصل میں وَشِیَۃٌ تھا وشی یَشِی کا مصدر ہے، عِدَۃٌ اور زِنَۃٌ کی طرح اس کی واو محذوف اور اس کے عوض میں ۃ ہے شیات جمع ہے۔ ۱/۸

---

۱ راغب کا یہی بیان ہے

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative

احادیثِ نبوی کا شاندار ذخیرہ
اردو زبان میں

ترجمان السنہ

"ترجمان السنہ" حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعہ سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ ہماری زبان میں منتقل ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلفِ صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں اور دماغوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔ "ترجمان السنہ" کی تالیف سے موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اسلامی لٹریچر میں ایک عظیم الشان اور زبردست اضافہ ہوا ہے

کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے:۔

(۱) متن مع اعراب (۲) شستہ اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث پر مختصر تشریحی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر مندرجہ حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث۔

جلد اول جس کے شروع میں ایک مبسوط اور محققانہ مقدمہ بھی ہے۔ اس میں ارشادات نبوی کی اہمیت، احادیث کے درجۂ استناد و اعتبار، تدوین حدیث کی تاریخ، حجیتہ حدیث اور دیگر اہم عنوانات پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور بہت سے ائمہ حدیث اور فقہا راہت کے ضروری حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب التوحید سے اصل کتاب شروع کی گئی ہے تقطیع $\frac{29\times22}{8}$ صفحات ۵۹۲ قیمت دس روپے مجلد بارہ روپے۔

جلد دوم اس جلد میں کتاب الایمان والاسلام کی ۵۰۰ حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔ صفحات ۵۱۲ قیمت نو روپے مجلد گیارہ روپے۔

جلد سوم اس میں کتاب الایمان کے بقیہ بابوں کے علاوہ پوری کتاب الانبیاء بھی آگئی ہے صفحات ۵۶۰ قیمت دس روپے آٹھ آنے مجلد بارہ روپے آٹھ آنے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی-۶

CC-0. Nanaji Deshmukh Library, BJP, Jammu. An eGangotri Initiative